Proudly Presented by Paksociety.com
MARCH 2011
خواتین ڈائجسٹ
www.Paksociety.com
www.Paksociety.com

مارچ 2011

جلد 38 شمارہ 11

قیمت 40 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ)	500 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ	4000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا	5000 روپے
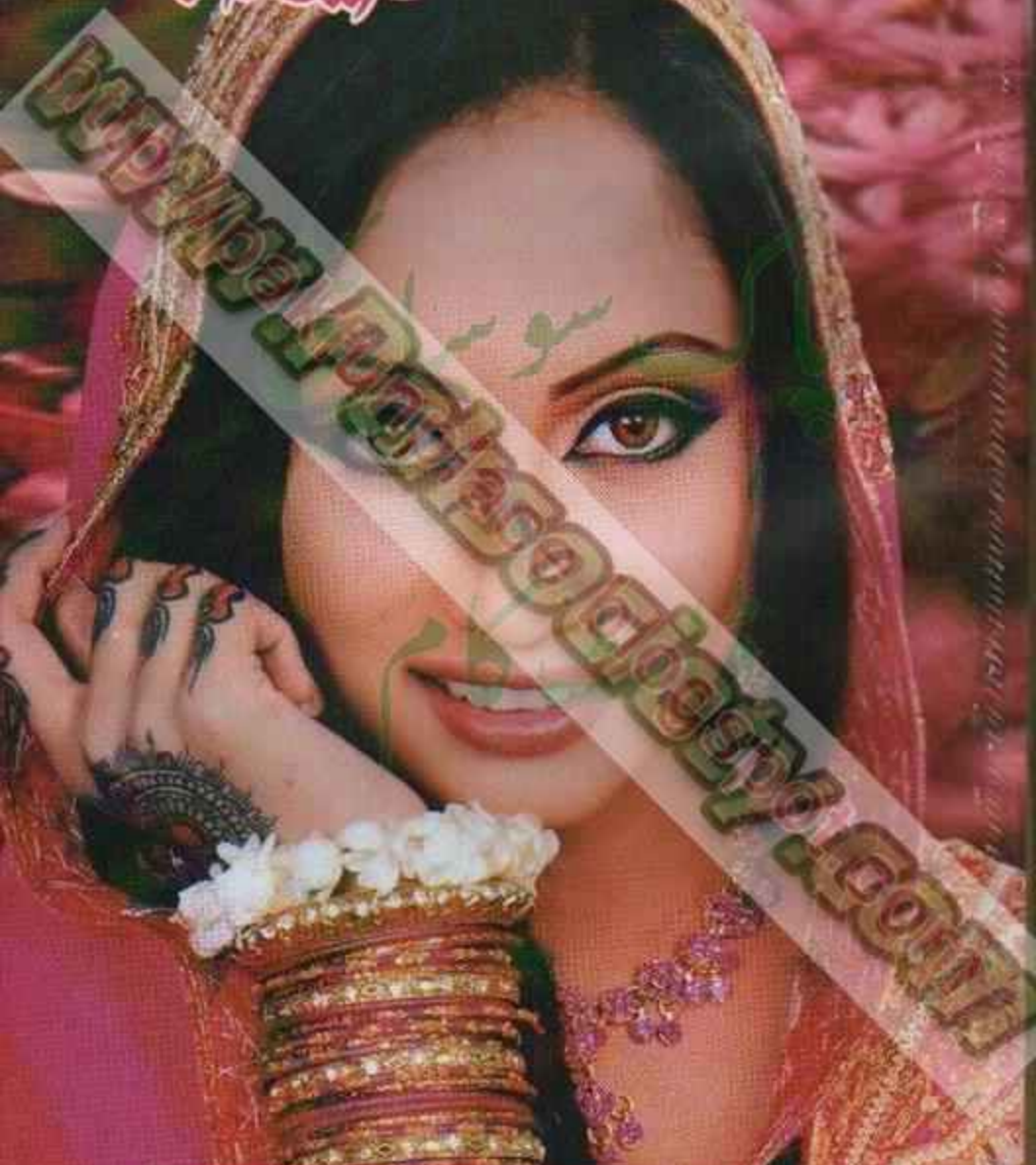
خط و کتابت کا پتہ: خواتین ڈائجسٹ، 37 - اردو بازار، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: khawateendigest@hotmail.com , info@khawateendigest.com

خواتین ڈائجسٹ کا مارچ کا شمارہ لیے حاضر ہیں۔

کسی کا اعتماد حاصل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور اگر خوش نصیبی سے حاصل ہو جائے تو اسے برقرار رکھنا اس سے بھی زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ آج سے 39 سال پہلے خواتین ڈائجسٹ کا پہلا شمارہ منظر عام پر آیا تھا۔ اس وقت ہمارا قارئین سے ایک اعتماد کا رشتہ استوار ہوا تھا۔ آج وقت کی ایک طویل مسافت طے کرنے کے بعد بھی وہ رشتہ، وہ تعلق قائم ہے۔ اتنا طویل وقت آپ کی خوش گوار رفاقتوں کے ساتھ کیسے گزر گیا کہ خبر ہی نہ ہوئی۔ آپ کی قدردانی میں کوئی کمی آئی نہ ہماری طرف سے دانستہ کوئی کوتاہی ہوئی۔ جو معیار روز اول قائم کیا تھا اسے بہتر بنانے کی کوشش کی ہے اور آپ کی محبتوں میں بھی اضافہ ہی ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کا یہ اعتماد اور محبتیں ہمیشہ قائم رہیں۔ آمین۔

سالگرہ نمبر،

اپریل کا شمارہ سالگرہ نمبر ہوگا۔ سالگرہ نمبر میں آپ کی پسندیدہ مصنفین کی تحریروں کے ساتھ ساتھ ایک نیا سلسلہ بھی شامل ہوگا۔ مصنفین سے درخواست ہے کہ اپنی تحریریں جلد از جلد بھجوا دیں تاکہ سالگرہ نمبر میں شامل ہو سکیں۔

قارئین سے سروے،

ہماری قارئین کا کہنا ہے کہ خواتین ڈائجسٹ نے ماں کی طرح ان کی تربیت کی ہے۔ اب وہ اپنی بیٹیوں کو خواتین ڈائجسٹ پڑھنے کے لیے دیتی ہیں۔ یہ بہت سے بھٹکے ہوئے ذہنوں کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ خواتین ڈائجسٹ میں جو تحریریں شائع ہوتی ہیں، وہ نہ صرف بامقصد ہوتی ہیں بلکہ ان میں بہت سے دانش کے موتی بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ دیکھیے۔

"ایک رب کے سوا کوئی بھی چیز ہمیشہ نہیں قائم رہتی۔" (کنیز نبوی)

"کبھی کبھی تقدیر ہمیں مٹی کے پیالے میں امرت پیش کرتی ہے مگر ہم مٹی کے پیالے کو حقارت سے دیکھتے ہوئے ٹھکرا دیتے ہیں۔" (راحت جبیں)

"دل دان اور بینک دان میں ساخت کا فرق بھلے نہ ہو مگر نصیب کا فرق ضرور ہوتا ہے۔" (بشریٰ سعید)

"زمین اٹریاں رگڑنے کے لیے نہیں کیونکہ ہر زمین کے نیچے آب زم زم نہیں ہوتا۔" (عفت سحر طاہر)

خواتین ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی تحریروں سے آپ نے بھی ایسے ہی دانش کے موتی تلاش [illegible] کے ہمیں تحریر کر کے بھجوا دیں۔ سروے کا پہلا سوال یہی ہے۔

1۔ وہ کون سا جملہ یا پیراگراف ہے جس نے آپ کے ذہن میں روشنی پیدا کی؟

2۔ کبھی کسی ناول یا کہانی کا انجام بدلنے کو دل چاہا؟ اس کہانی یا ناول کا انجام [illegible]

ان سوالات کے جوابات اس طرح بھجوائیں کہ ہمیں 25 مارچ تک موصول ہو جائیں۔

اس شمارے میں،

- نسیم آمنہ کا ناول — کورنج،
- نایاب جیلانی کا ناول — کچھ دن لگیں گے،
- راشدہ رفعت، عفیفہ محمد بیگ، تمثیلہ عظمت اور دعا ایمان کے افسانے،
- رفعت ناہید سجاد اور رخشانہ نگار عدنان کے ناول،
- کرن کرن روشنی — احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ،
- نفسیاتی ازدواجی الجھنیں اور دیگر سلسلے شامل ہیں۔
- عمیرہ احمد کا ناول — مصحف،
- بشریٰ سعید اور عفت سحر طاہر کے ناولٹ،
- ٹی وی کمپیئر اور فنکارہ امبر واجد سے ملاقات،
- باتیں کتابوں کی — نئی کتابوں پر تبصرہ،

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس کی عملی تشریح ہے۔ قرآن و حدیث دین اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔

ہمارا اس سلسلے کا یہ مقصد ہے کہ حدیث کے بغیر انسانی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

کتب احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔

ہم جو احادیث شائع کر رہے ہیں وہ [illegible] ان ہی مستند کتابوں سے لی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

کرن کرن روشنی

ادارہ

تنگ دست مقروض کو مہلت دینا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جس نے کسی تنگ دست پر آسانی کی تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اسے آسانی عطا فرمائے گا۔"

فوائد و مسائل : اسلام میں معاشرے کے افراد میں باہمی تعلقات مضبوط کرنے کی بہت اہمیت ہے۔ تنگ دست مقروض پر آسانی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے سختی کے ساتھ مطالبہ نہ کیا جائے اسے مزید مہلت دی جائے یا قرض معاف کر دیا جائے۔

نیکیوں کا بدلہ آخرت میں تو ملتا ہی ہے "اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اچھا بدلہ عطا فرماتا ہے" اسی طرح گناہوں کی وجہ سے جس طرح آخرت میں سزا ملتی ہے، دنیا میں بھی اس کے برے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔

اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر عمل کرنے سے دنیا میں امن قائم ہوتا ہے۔ جس کے فوائد نیکی کرنے والے کو بھی پہنچتے ہیں۔

حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو شخص کسی تنگ دست کو مہلت دیتا ہے اسے ہر روز صدقے کا ثواب ملتا ہے اور جس نے واجب الادا ہونے کے بعد مزید مہلت دی اسے بھی یہی ثواب ملتا ہے یعنی ہر روز صدقے کا ثواب ہوتا ہے۔"

فوائد و مسائل : مہلت دینے کا مطلب یہ ہے کہ قرض دیتے وقت مناسب مدت کا تعین کیا جس میں مقروض آسانی سے قرض ادا کر سکے۔

مقررہ مدت ختم ہونے کے بعد سختی سے مطالبہ کرنے کے بجائے مزید مہلت دے دینا مزید ثواب کا باعث ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابوالیسر (کعب بن عمرو سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو شخص پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے

سائے میں جگہ دے تو اسے چاہیے کہ تنگ دست کو مہلت دے یا اس کا قرض معاف کر دے۔"

فوائد و مسائل: قیامت کے دن بعض لوگوں کو عرش کے سائے میں جگہ ملے گی۔ اللہ کے سائے سے اس کے عرش کا سایہ مراد ہے۔

عرش کے سائے میں جگہ ملنا بہت بڑے شرف کی بات ہے کیونکہ اس وقت اور کسی چیز کا سایہ نہیں ہو گا جب کہ سورج کی دھوپ انتہائی تیز ہو گی جس کی وجہ سے لوگ اپنے اپنے گناہوں کے مطابق پسینے میں غرق ہوں گے۔

ایک حدیث میں بعض دوسرے اعمال بھی بیان ہوئے ہیں جن کا ثواب عرش کا سایہ ہے۔

ارشاد نبوی ہے: "سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہو گا انصاف کرنے والا حکمران 'وہ جوان جو رب کی عبادت میں بڑا ہوا' وہ شخص جس کا دل مسجدوں میں اٹکا رہتا ہے 'وہ دو مرد جو صرف اللہ کے لیے محبت رکھتے ہیں 'اسی حالت میں باہم ملتے اور اسی حالت میں ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں 'وہ مرد جس سے کسی خوب صورت اور صاحب منصب عورت نے (گناہ کا) مطالبہ کیا تو اس نے کہہ دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں 'وہ مرد جس نے چھپا کر صدقہ دیا حتیٰ کہ اس کے بائیں ہاتھ کو معلوم نہ ہوا کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا اور وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔"

تنگ دستی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے 'انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی بار یہ فرماتے سنا ہے۔

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر والوں کے پاس ایک صاع [illegible] ہے نہ ایک صاع کھجوریں۔"

ان دنوں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں۔

فائدہ: صاع کا مطلب تو ہے جو غلہ ماپنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اہل مدینہ کا صاع تقریباً ڈھائی کلو گرام کا ہوتا تھا۔

گرم کھانا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے 'انہوں نے فرمایا ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گرم کھانا حاضر کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا۔

"اللہ کا شکر ہے میرے پیٹ میں اتنے دن سے (تازہ اور) گرم کھانا نہیں گیا۔" (کھجور وغیرہ پر گزارہ رہا۔)

آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کا بستر

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے 'انہوں نے فرمایا۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔"

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ بستر [illegible] نہیں تھا جس میں اون یا روئی بھری [illegible] چمڑے کا بستر بنا ہوا تھا 'اس میں [illegible] کی چھال بھری ہوئی تھی جو سخت [illegible] لیکن چمڑے کی وجہ سے اس کی [illegible] محسوس نہیں ہوتی۔ اہل عرب [illegible] انداز سے تیار کرتے تھے جو نہ زیادہ قیمتی ہوتا تھا نہ خوب صورت۔ اس لحاظ سے چمڑے کا بستر انتہائی سادگی کی مثال ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے اس وقت ان دونوں نے ایک سفید اونی چادر لے رکھی تھی جو ان دونوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت فرمائی تھی نیز ایک تو شک تھی جس میں اذخر بھرا ہوا تھا اور ایک مشکیزہ۔

فوائد و مسائل: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے نکاح کے موقع پر گھریلو استعمال کی کچھ چیزیں دی [illegible] لوگوں نے اس کو جہیز کے موجودہ [illegible] سمجھا ہے 'جو درست نہیں۔ اصل میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد [illegible] مفلس آدمی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] ان کی مدد کے لیے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ جب وہ جوان ہوئے [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحب زادی [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ان سے نکاح کر دیا۔ اس موقع پر ان کا الگ گھر بسانے کے لیے [illegible] سامان مہیا کیا گیا اور اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی مالی حالت اتنی پتلی تھی کہ جب ان کو کہا گیا کہ شب زفاف کے وقت حضرت فاطمہ کو کوئی تحفہ دو تو انہوں نے کہا۔ "میرے پاس تو کچھ نہیں ہے۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اسے اپنی وہ زرہ ہی دے دو جو تمہارے پاس ہے۔"

حدیث کے الفاظ (جہز ھما بھا) بھی قابل غور ہیں 'اس کا ترجمہ 'جہیز دیا' غلط ہے بلکہ اس کا مفہوم یا تو گھر بسانے کے لیے سامان مہیا کرنا ہے یا شب بسری کے لیے تیار کرنا۔ اور یہ دوسرے معنی زیادہ صحیح ہیں۔ تثنیہ کی ضمیر سے اسی مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ اگر اس سے مراد موجودہ جہیز ہوتا تو ضمیر صرف مونث کی ہوتی جہزھا نہ کہ جہزھما۔ وسادۃ "اس سرہانے کو کہتے ہیں جس پر سوتے وقت سر رکھا جاتا ہے اور اس گاؤ تکیے کو بھی کہتے ہیں جس سے بیٹھتے وقت ٹیک لگائی جاتی ہے۔ حضرت [illegible] ہو سکتا ہے [illegible] واللہ اعلم۔

سادگی

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے 'انہوں نے فرمایا۔

"میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہوا تو آپ ایک چٹائی پر تشریف فرما تھے۔ میں بیٹھ گیا میں نے دیکھا کہ آپ نے صرف تہبند پہن رکھا ہے 'دوسرا کوئی کپڑا زیب تن نہیں۔ میں نے دیکھا کہ آپ کے پہلو پر چٹائی سے نشان پڑ گئے ہیں۔ ایک طرف صرف تھوڑے سے جو تھے غالباً "ایک صاع ہوں گے اور کیکر کے پتے تھے (جو چمڑے کی دباغت میں کام آتے ہیں) اور بغیر دباغت کھال لٹکی ہوئی تھی۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ابن خطاب! آپ کیوں روتے ہیں؟"

میں نے کہا 'اللہ کے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں کیوں نہ روؤں؟ اس چٹائی سے آپ کے پہلو میں نشان پڑ گئے ہیں (کوئی نرم بستر بھی نہیں) اور آپ کے سامان رکھنے کی جگہ میں مجھے کچھ نظر نہیں آتا سوائے اس (ایک صاع جو) کے جو میں دیکھ رہا ہوں۔ ادھر کسریٰ اور قیصر باغوں اور میووں میں (عیش کر رہے) ہیں۔ آپ اللہ کے نبی اور اس کے برگزیدہ ہیں 'اور یہ آپ کا توشہ خانہ ہے۔" (جو خالی پڑا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"خطاب کے بیٹے! کیا تو اس بات سے خوش نہیں کہ ہمیں آخرت مل جائے اور ان (قیصر و کسریٰ) کو دنیا؟"

میں نے کہا۔ "کیوں نہیں!" (میں خوش ہوں۔)

فوائد و مسائل: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کا مال جمع نہیں کیا بلکہ زہد اختیار فرمایا۔

گھر میں ایک وقت کی خوراک موجود ہونا قید کے منافی نہیں۔

بے تکلف ساتھیوں میں صرف تہبند پہن کر یعنی قمیص پہنے بغیر بیٹھنا جائز ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت رکھتے تھے۔

کافروں کو ان کی نیکیوں کا معاوضہ دنیا ہی میں دنیوی سامان یا عیش و عشرت کی صورت میں مل جاتا ہے۔

مسلمان پر دنیوی تنگ دستی آخرت میں درجات کی بلندی کا باعث ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بستر

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔ "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی (حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) رخصت ہو کر میرے گھر آئیں، اس رات ہمارا بستر صرف ایک مینڈھے کی کھال پر مشتمل تھا۔"

خوشبو لگا کر نکلنا

حضرت ابو رہم رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ حضرت عبید (بن کثیر رحمتہ اللہ) سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایک عورت ملی جس نے خوشبو لگا رکھی تھی اور مسجد کی طرف جا رہی تھی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"جبار کی بندی! کہاں جا رہی ہو؟"

اس نے کہا۔ "مسجد میں۔"

فرمایا "اسی لیے خوشبو لگائی ہے۔"

اس نے کہا "جی ہاں۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ فرما رہے تھے "جو عورت خوشبو لگا کر مسجد کی طرف چلے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی جب تک غسل نہ کر لے۔"

فوائد و مسائل :۔

1۔ عورت کو گھر سے نکلتے وقت خوشبو استعمال کرنا منع ہے۔

2۔ عورت کے لیے نماز باجماعت کے لیے مسجد میں جانا جائز ہے بشرطیکہ زیب و زینت کر کے نہ نکلے بلکہ سادہ لباس میں پردے اور دیگر شرعی آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے جائے۔

3۔ بزرگ شخصیت کے لیے جائز ہے کہ اجنبی عورت کو غلطی پر تنبیہ کرے بشرطیکہ اس سے کوئی غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو جس سے نیک آدمی کی عزت کو خطرہ لاحق ہو جائے۔

4۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو اللہ کا خوف دلانے کے لیے "اللہ کی بندی" کی بجائے "جبار کی بندی" کہہ کر مخاطب فرمایا تھا۔ اس میں ڈانٹ کا پہلو بھی شامل تھا۔

ناشکری

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کیا کرو اور کثرت سے استغفار کیا کرو۔ میں نے جہنم میں تمہاری تعداد سب سے زیادہ دیکھی ہے۔"

ایک عقل مند عورت نے عرض کیا۔ "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہماری کیا وجہ ہے کہ جہنم میں ہماری تعداد زیادہ ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تم گالی گلوچ اور لعن طعن زیادہ کرتی ہو اور رفیق حیات کی ناشکری کرتی ہو۔ میں نے نہیں دیکھا کہ عقل اور دین میں ناقص ہونے کے باوجود کوئی چیز عقل مند آدمی پر تم سے زیادہ غالب آتی ہو۔"

اس نے کہا "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! عقل اور دین کا نقص کون سا ہے؟"

فرمایا۔ "عقل کی کمی تو یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہوتی ہے۔ یہ اس کی عقل کی کمی کی وجہ سے ہے۔ اور وہ (مہینے میں) کئی دن نماز نہیں پڑھتی اور رمضان میں (ان ایام میں) روزہ نہیں رکھ سکتی یہ دین کا نقص ہے۔"

فوائد و مسائل :۔

1۔ استغفار اور صدقے سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

2۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت اور جہنم کا مشاہدہ کرایا گیا۔ آپ نے اس بارے میں جو فرمایا، ہمارا فرض ہے کہ اس پر ایمان رکھیں۔

3۔ عقل میں ناقص ہونے سے مراد یہ ہے کہ عورت پر فطرتاً جذبات کا غلبہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو بچے کی پرورش کا جو فریضہ سونپا ہے اس کے لیے جذبات کا یہ غلبہ ضروری ہے، تاہم اجتماعی معاملات کی ذمہ داری ان پر نہیں ڈالی جا سکتی کیونکہ وہاں جذباتی فیصلے مفید نہیں ہوتے۔

4۔ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے عورت کو گھر سے باہر کی ذمہ داریوں سے آزاد رکھا ہے۔ گواہی وغیرہ کے معاملات اس کے دائرہ کار سے باہر ہیں۔ عورت کی گواہی کی ضرورت صرف خاص حالات میں پڑتی ہے، یعنی جب موقع پر دو مرد موجود نہ ہوں تو گواہی کے لیے اسلامی نظام معاشرت کے مجموعی خدوخال کو سامنے رکھتے ہوئے یہی قانون ہے۔

5۔ مرد عورت کی محبت کی وجہ سے بعض اوقات ایسا مطالبہ تسلیم کر لیتا ہے اور وہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ یہ بہتر نہیں۔ اگر اس میں کوئی بڑا دنیاوی نقصان یا کوئی دینی نقصان نہ ہو تو تسلیم کر لینا جائز ہے تاکہ گھر آباد رہے۔

برائی سے نہ روکنا

حضرت قیس بن ابی حازم رحمتہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کی پھر فرمایا۔

"اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو یاایھاالذین امنو علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذا اھتدیتم۔

ترجمہ "اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو سیدھا رکھو۔ جب تم ہدایت پر ہو تو گمراہ لوگ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔"

اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے۔

"لوگ جب برائی کو دیکھیں اور اسے ختم نہ کریں (اس سے منع نہ کریں) تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو عذاب کی لپیٹ میں لے لے۔"

فوائد و مسائل :۔

1۔ عام لوگ مذکورہ بالا آیت کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ انسان خود نیکی پر قائم رہے، دوسروں کی گمراہی سے اسے کوئی خطرہ نہیں، نہ اس سے ان کے بارے میں باز پرس ہی ہو گی، لہٰذا کسی کو گناہ سے روکنے کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے واضح فرما دیا کہ آیت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنبھال کر رکھو تاکہ گمراہوں کی گمراہی کا اثر تم پر بھی نہ ہو جائے۔ لوگوں کو نیکی کی طرف بلاتے اور گناہوں سے روکتے رہو ورنہ تم خود ان سے متاثر ہو کر گمراہ ہو جاؤ گے۔ علاوہ ازیں لوگوں کو برائی سے روکنا، نیکی پر قائم رہنے کا ایک لازمی حصہ ہے۔ اس میں تساہل نیکی کے راستے سے انحراف ہے جو غضب الٰہی کا باعث بن سکتا ہے۔

2۔ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا علم زیادہ وسیع اور گہرا تھا۔

3۔ خطبے میں عوام میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کی وضاحت اور صحیح فہم بیان کرنا چاہیے۔

اور تو کوئی بس نہ چلے گا ہجر کے درد کے ماروں کا
صبح کا ہونا دوبھر کر دیں رستہ روک ستاروں کا

جھوٹے سکوں میں بھی اٹھا دیتے ہیں یہ اکثر سچا مال
شکلیں دیکھ کے سودے کرنا کام ہے ان بنجاروں کا

اپنی زباں سے کچھ نہ کہیں گے چپ ہی رہیں گے عاشق لوگ
تم سے تو اتنا ہو سکتا ہے پوچھو حال بچاروں کا

ایک ذرا سی بات تھی جس کا چرچا پہنچا گلی گلی
ہم گمناموں نے پھر بھی احسان نہ مانا یاروں کا

درد کا کہنا چیخ ہی اٹھو، دل کا کہنا وضع نبھاؤ
سب کچھ سہنا، چپ چپ رہنا کام ہے عزت داروں کا

انشا جی اب اجنبیوں میں چین سے باقی عمر کٹے
جن کی خاطر بستی چھوڑی نام نہ لو ان پیاروں کا

ابن انشا

مارننگ شو کی میزبان اور فنکارہ

امبر واجد سے ملاقات

شاہین رشید

مارننگ شو کی میزبانوں کو آپ نے ایک چینل سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے چینل پہ جاتے اور اپنی وفاداریاں تبدیل کرتے ہوئے تو دیکھا ہی ہوگا لیکن امبر واجد وہ واحد خاتون ہیں جو پہلے دن سے انڈس ویژن سے وابستہ ہیں اور صبح کی نشریات میں بہت خوب صورت پروگرام پیش کرتی ہیں۔ خاص طور پر شادی بیاہ کے پروگرام پیش کرنے میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔

★ "کیسی ہیں امبر جی؟"

❋ "اللہ کا شکر ہے۔"

★ "کئی سال پہلے آپ سے بات ہوئی تھی۔ تب سے اب تک آپ ماشاء اللہ پہلے جیسی ہیں۔ بلکہ پہلے سے زیادہ اچھی ہو گئی ہیں۔"

❋ "شکریہ۔"

★ "کیا ہمیشہ سے ہی آپ ایسی ہیں؟"

❋ بے ساختہ ہنستے ہوئے۔ "کچھ ایسی تھی اور کچھ ایسی ہی رہنے کے لیے اپنا خیال رکھا، مجھے اپنا خیال رکھنا اچھا لگتا ہے۔"

★ "اور ڈاکٹرز کے انٹرویوز کر کے نیوٹریشنز سے تجربے کر کر اور اچھے اچھے پروگرام کر کے آپ تو خود بھی بہت کچھ سیکھ گئی ہوں گی؟"

❋ "ہاں۔۔۔ بے شک لیکن وہ محاورہ تو آپ نے سنا ہی ہوگا کہ جس کا کام اسی کو ساجھے چونکہ میرے پاس اس کام کی ڈگری نہیں ہے۔ میں نے باقاعدہ اس کی ٹریننگ نہیں لی۔ اس لیے میں کسی کو ایسا کوئی مشورہ نہیں دیتی جس کے بارے میں مجھے اچھی طرح معلومات نہ ہوں۔ کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے کسی کو کوئی پریشانی ہو۔"

★ "کافی عرصے سے ہم آپ کو ایک ہی چینل پہ میزبانی کرتا دیکھ رہے ہیں۔ آپ کو دوسرے چینل پہ جانے کا خیال نہیں آیا؟"

❋ "نہیں کبھی نہیں، کیونکہ جس چینل نے مجھے عزت، شہرت، نام دیا اس کو کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔"

★ "اور آپ کی ڈریس ڈیزائننگ کیسی چل رہی ہے؟"

❋ "اللہ کا شکر ہے کہ بالکل ٹھیک چل رہی ہے۔ ڈریس ڈیزائننگ ہمیشہ سے میرا شوق رہا ہے اور آج بھی اپنے درزی کو اپنے کپڑے خود ڈیزائن کر کے دیتی ہوں۔"

★ "آپ باقاعدہ کام کیوں نہیں کرتیں؟"

❋ "کرتی ہوں، اپنے لیے اپنی [illegible] کے لیے اور کچھ کبھی کبھار پرائیویٹ [illegible] چلتا ہی رہتا ہے۔"

★ "باتیں تو ہوتی رہیں گی، آپ بتائیں کہ اس فیلڈ میں کیسے آئیں [illegible] مشکلات سے گزریں؟"

❋ "ہوا یوں کہ میری ایک بیٹی کو ایک کمرشل کی آفر ہوئی اور اس کی ریکارڈنگ کے لیے میں اس کے ساتھ گئی تو وہاں مجھے بھی کمرشل میں کام کرنے کی آفر ہوئی [illegible] کیا گیا ہے وہ آ گئیں ایسی اچھی آفر کو کون انکار کر سکتا تھا میں نے ہاں کہہ دیا اور بس۔"

★ "گھر والوں نے، آپ کے شوہر یا سسرال والوں نے اعتراض نہیں کیا کیا؟"

❋ "نہیں اس فیلڈ کے لیے کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ جب چھوٹی بچی کو اس فیلڈ میں آنے کی اجازت مل گئی تو میرے آنے پر بھلا کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ میرے شوہر نے اور باقی گھر والوں نے خوشی خوشی اجازت دے دی۔"

★ "انڈس ویژن سے ہی آغاز کیا آپ نے؟"

❋ "نہیں، سب سے پہلے لائیو پروگرام میں نے پی ٹی وی سے شروع کیا اور سچی بات تو یہ ہے کہ پی ٹی وی میں کام کر کے میں نے بہت کچھ سیکھا۔ وہ تو ایک طرح سے ہم سب کے لیے ایک انسٹی ٹیوٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔"

★ "ابھی بھی؟"

❋ "جی ہاں ابھی بھی۔"

★ "اب تک انڈس ویژن کے علاوہ کن کن چینلز پہ کام کر چکی ہیں؟"

❋ "میں تو تقریباً ہر چینل پہ ہی کام کر چکی ہوں۔ مجھ پر کوئی پابندی نہیں ہے اور ڈراموں کے ذریعے سے آپ مجھے ہر چینل پہ دیکھ چکی ہوں گی۔"

★ "آج جو آپ کی شہرت ہے، آسانی سے مل گئی یا بھاگ دوڑ کرنی پڑی؟"

❋ "زندگی میں کامیابیاں حاصل کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کرنی پڑتی ہے کوئی بھی چیز آسانی سے نہیں ملتی۔ ایسے ہی جیسے بھوک ہو تو جب تک کھانا پکائیں گے نہیں کھائیں گے کیسے اور کھانا پکانے میں محنت لگتی ہے تب اچھا کھانا پکتا ہے۔ اسی طرح کوئی بھی فیلڈ ہو بغیر کوشش کے کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔"

★ "اور اسی کامیابی کا مزہ ہے جو محنت کر کے حاصل ہو؟"

❋ "بالکل۔۔۔ اور محنت سے حاصل کی گئی کامیابی بھی دیرپا ہوتی ہے اور یقین جانو مجھے بھی اس فیلڈ میں جگہ بنانے کے لیے کافی محنت کرنی پڑی۔"

★ "امید تھی کہ محنت کا صلہ مل جائے گا؟"

٭ "بالکل امید تھی۔ کیونکہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی نے محنت کی ہو اور اللہ نے اسے اس کا صلہ نہ دیا ہو۔ اللہ ہمیشہ محنت کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے اور اس نے میرا ساتھ بھی دیا۔"

★ "آپ کی زندگی عام لوگوں سے کتنی مختلف ہے؟"

٭ "بالکل بھی مختلف نہیں ہے۔ کیونکہ میں عام لوگوں جیسی ہوں۔ عام لوگوں کے درمیان ہی اٹھتی بیٹھتی ہوں۔ میں کبھی بھی یہ نہیں کہوں گی کہ میری پرائیوٹ لائف ڈسٹرب ہوتی ہے۔"

★ "لوگ پہچان کر آپ کے اردگرد ہوتے ہیں تو آپ کو الجھن یا کوفت وغیرہ نہیں ہوتی؟"

٭ "نہیں نہیں کیوں ہوگی کوفت، سب ہمارے جیسے لوگ ہیں اللہ نے اگر ہمیں پہچان دی ہے تو ہمیں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ مجھے تو اچھا لگتا ہے جب لوگ مجھے پہچان کر مجھ سے ملتے ہیں۔ میری تعریف کرتے ہیں۔ مجھ سے محبت سے بات کرتے ہیں۔ ایک آرٹسٹ کے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات کیا ہوگی کہ لوگ اس کو چاہیں، اس کی عزت کریں۔"

★ "ایک زمانہ تھا کہ لائیو پروگرام کرنا سب سے زیادہ مشکل کام سمجھا جاتا تھا اور اب سب ہی لوگ لائیو پروگرام کر رہے ہوتے ہیں؟"

٭ "ایسا نہیں ہے کہ ہر کوئی لائیو پروگرام کر لیتا ہے۔ یہ ایک مشکل کام ہے اور لوگ ابھی بھی لائیو پروگرام کرتے وقت کپکپاتے ہیں۔ لائیو پروگرام وہی کر سکتے ہیں جن میں خود اعتمادی ہوتی ہے۔ ہمیں بھی شروع میں مشکل ہوئی تھی مگر اب اللہ کا کرم ہے۔ اب تو کیمروں سے دوستی ہو گئی ہے۔"

★ "اب آپ کے خیال میں لائیو پروگرام بہتر ہے یا ریکارڈ شدہ؟"

٭ "اب تو لائیو پروگرام کی عادت ہو گئی ہے اور لائیو پروگرام کرنا اس لیے بھی آسان لگتا ہے [illegible] وقت ضائع نہیں ہوتا، انتظار نہیں کرنا پڑتا ایک وقت مقرر ہوتا ہے جس پہ ہمیں کام کرنا پڑتا ہے جب لوگوں کو پتہ ہوتا ہے کہ پروگرام ریکارڈ ہوتا ہے تو کچھ دیر سے بھی آتے ہیں اور کئی غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ یعنی لوگ ایزی لے لیتے ہیں۔"

★ "آپ کافی صبح سے لائیو آ رہی ہوتی ہیں۔ گھریلو لائف ڈسٹرب تو ہوتی ہوگی آپ کی؟"

٭ "نہیں ایسی بات نہیں ہے، چونکہ میں لائیو پروگرام کرتی ہوں۔ اس لیے ٹائم سے جاتی ہوں اور ٹائم سے ہی واپس آتی ہوں۔ لائیو پروگرام کا یہی تو فائدہ ہوتا ہے کہ زیادہ وقت نہیں لگتا اور میرے پروگرام کرنے پر میرے شوہر کا بہت تعاون ہے میرے ساتھ۔"

★ "لائیو پروگرام میں سب سے زیادہ آئٹم کون سا اچھا لگتا ہے؟"

٭ "سب سے زیادہ اچھا آئٹم مجھے لائیو کالز کا لگتا ہے اور مجھے بہت مزہ آتا ہے لائیو کالرز سے بات کر کے لوگ اتنی محبت سے بات کرتے ہیں کہ بیان سے باہر ہے۔"

★ "کبھی چھوڑنا پڑے تو؟"

٭ "اب تو میں چھوڑنا بھی [illegible] نہیں چھوڑ سکتی۔ کیونکہ اب میرے [illegible] چھوڑنا نہیں چاہیں گے اور جب [illegible] پسند کرتے رہیں گے میں اسکرین [illegible]"

★ "ان [illegible] لگا رہتا ہے۔ کبھی گھر میں [illegible] طبیعت خراب ہو تو کیا کرتی ہیں؟"

٭ "ویسے تو اللہ کا شکر ہے کہ سب کچھ مینج کر لیتی ہوں [illegible] لیکن اگر بہت زیادہ مجبوری ہو تو پھر پرانی ریکارڈنگ چلا دیتے ہیں۔"

★ "آپ کے خیال میں آج کل سب سے اچھے پروگرام کس چینل سے آ رہے ہیں؟"

٭ "سچی بات تو یہ ہے کہ ریموٹ ہاتھ میں ہوتا ہے

اور جہاں کچھ اچھا آ رہا ہوتا ہے اس جگہ پہ ریموٹ رک جاتا ہے۔ تو میرا خیال ہے کہ سب ہی چینلز بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ کسی کو اچھا اور کسی کو برا نہیں کہہ سکتے، سب محنت کر رہے ہیں۔"

★ "اس فیلڈ میں وقت کی پابندی کے بارے میں آپ کیا کہیں گی؟"

٭ "وقت کی پابندی نہ کرنا صرف شوبز کے لوگوں [illegible] وتیرہ نہیں ہے بلکہ ہر فیلڈ کے لوگ [illegible] کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ [illegible] ہونا چاہیے۔"

★ "آپ اپنے [illegible] کو لاگو کرتی رہیں کہ وقت کی پابندی [illegible]"

٭ "میں [illegible] اسی وقت کرتی ہوں جب خود اس [illegible] کسی کو بیوٹی کے بارے میں کوئی [illegible] پہلے خود آزمائی ہوں۔ تو الحمدللہ میں [illegible] وقت کی پابندی کرتی ہوں اور دوسروں کو بھی [illegible] تلقین کرتی ہوں اور میرا تو یہ نظریہ ہے کہ جو انسان وقت کی پابندی کرتا ہے، وہی کامیابیاں بھی حاصل کرتا ہے۔"

★ "بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ باہر کے ملکوں میں اس لیے لوگ کامیاب ہیں کہ وہ پابندیٔ وقت کو اہمیت دیتے ہیں۔ کچھ ڈراموں کی بات ہو جائے۔ نظر نہیں آ رہیں آپ ڈراموں میں۔ کیوں؟"

٭ "بس اب زیادہ ٹائم نہیں ملتا۔ ہاں اگر کوئی اچھا رول ملا تو انکار بھی نہیں کروں گی کیونکہ مجھے کام کرنے کا مزہ آتا ہے۔"

★ "تو کیا آپ کسی سوپ کی منتظر ہیں یا کسی سیریل کی؟"

٭ "نہیں نہ سوپ کی اور نہ ہی سیریل کی، بلکہ اچھے کردار کی منتظر ہوں۔ ویسے ذاتی طور پر مجھے سیریل پسند ہے جو زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس قسطوں میں ختم ہو جاتے ہیں۔ جبکہ سوپ بہت لمبا کھنچتا ہے اور اتنا تو میرے پاس ٹائم بھی نہیں ہوتا۔"

★ "[illegible]"

٭ "[illegible] کوئی بات نہیں [illegible] ہر اچھا کردار [illegible] ہے اور میرا دل چاہتا ہے کہ ہر اچھا کردار میں [illegible] خواہ وہ کسی بھی ایج کا ہو یا کسی گیٹ اپ میں [illegible] کرنے کو تیار ہوں، مزاحیہ، سنجیدہ، ہنستا روتا۔ سب [illegible] سکتی ہوں اور مجھے امید ہے کہ کسی کو مایوس بھی نہیں کروں گی۔"

★ "اپنے آپ کو منوانا پہلے آسان تھا یا اب؟"

٭ "میرے خیال میں اب اپنے آپ کو منوانا زیادہ مشکل ہے۔ کیونکہ پہلے ایک ہی چینل تھا محدود ڈرامے ہوتے تھے لوگ جلدی پہچان لیتے تھے اور پھر لوگوں کو راتوں رات شہرت مل جاتی تھی۔ جبکہ اب میں سمجھتی ہوں کہ مقابلے کی فضا بڑھ گئی ہے اور اب اپنی پہچان کروانا بہت مشکل ہے۔ اب تو بہت زیادہ کام کرنے کے بعد ہی پہچان ہوتی ہے۔"

★ "بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔ اب تو نئے چہرے بھی کافی آ رہے ہیں؟"

٭ "مگر جتنے آنے چاہیے تھے اتنے آ نہیں رہے۔ لگتا ہے کہ ڈائریکٹرز اور پروڈیوسرز نئے چہرے لیتے ہوئے گھبراتے ہیں کہ پتہ نہیں کہ یہ کامیاب ہوتے ہیں یا نہیں اور جو رسک لیتے ہیں وہ سرخرو ہو جاتے ہیں اور پھر انہی کے متعارف کرائے ہوئے چہرے سب کے ڈراموں میں نظر آ رہے ہوتے ہیں۔"

★ "آپ کا بچپن دبئی میں گزرا، یاد آتی ہے؟"

٭ "وہ مقام، وہ جگہ جہاں انسان کا بچپن گزرا ہو بہت یاد آتا ہے۔ خواہ بچپن کسی گاؤں یا دیہات میں ہی کیوں نہ گزرا ہو۔ میرا بچپن بھی وہاں گزرا اور تعلیم بھی وہاں سے ہی حاصل کی۔ مگر پاکستان نے مجھے عزت، دولت، شہرت، پہچان سب کچھ دیا ہے۔ پاکستان سے اچھا کوئی ملک نہیں۔"

☆

خواتین ڈائجسٹ کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔

مدیحہ اصغر خان۔۔۔ صادق آباد

خواتین ڈائجسٹ سے میرا تعلق اس وقت کا ہے جب میں تھری کلاس میں پڑھتی تھی اور یہ رسالے میری بڑی بہنوں کے ہاتھ میں ہوتے تھے۔ نمو بخاری کے ناول کے ہیرو ہیروئن نیہاں اور ہارون وہ پہلے کردار تھے جن کے نام سماعتوں سے ٹکرائے اور آج تک ذہن میں محفوظ ہیں۔ دوسرا تعارف جس ہیرو سے ہوا وہ فرحان تھا جس کی ہیروئن ٹین کی چھت والے کمرے میں شدید گرمی میں رہنے پر مجبور تھی۔ اور اس کا دکھ آج بھی دل میں موجود ہے۔ یہ وہ پہلی کہانی تھی جو جویریہ باجی نے خود پڑھتے ہوئے مجھے بھی سنائی۔

پھر ایک رمضان شریف میں افطاری سے کچھ دیر پہلے عینی باجی ہچکیوں سے روتے ہوئے پائی گئیں۔ رونے کے ساتھ ساتھ ایک فقرے کی گردان جاری تھی۔ "عالم شاہ مر گیا، ہائے عالم شاہ مر گیا" کم و بیش اسی جوش و ولولے کے ساتھ عمر جہانگیر کی موت کا غم منایا گیا۔

آٹھ سال پہلے میٹرک کے بعد میں نے خود رسالے پڑھنا شروع کر دیے تھے اور عمیرہ احمد کا ناول "امر بیل" وہ پہلا ناول تھا جو میں نے پڑھا "علیزہ سکندر" اور "عمر جہانگیر" میرے پسندیدہ کردار ہیں لیکن اے ٹی وی والوں نے جو علیزہ بنائی تھی اسے دیکھ کے دل سولہ سولہ آنسو رو رہا تھا۔

علیزہ کے ساتھ یہ زیادتی میں کبھی معاف نہیں کر سکتی۔

فروری کے شمارے کا ٹائٹل ہمیں خوش نہیں کر سکا۔ ایک درخواست ہے کہ "خبریں وبریں" کا سلسلہ یا تو ختم کر دیں یا پھر خبروں پہ تبصرہ نہ کیا کریں پلیز۔ افسانوں میں سے کوئی خاص نہ تھا "آرزو کا" اور "آگہی" اچھے لگے۔ نایاب جیلانی کا مکمل ناول "مقبول ہے" اتنا حقیقی نہیں لگا۔

بشریٰ سعید کا ناولٹ "سفال گر" بہت شاندار ہے۔ حکیم بیگم کا کردار مجھے بہت پسند آیا۔ [illegible] ناولٹ میں گیلی مٹی کے یہ سارے [illegible] کردار میں کس طرح ڈھلتے ہیں اور ان کا نصیب انہیں کس دن ثابت کرتا ہے یا یک دان۔

ہم تو سمجھے تھے کہ "محبتیں" اور چھوٹے بڑے خوابوں کے اس "سفر" کو اس ماہ منزل مل جائے گی مگر سفر تو تاحال جاری ہے۔

ج۔ پیاری مدیحہ! یقین کریں کہ پچھلے ماہ آپ کا خط ہمیں نہیں ملا ورنہ اتنے دلچسپ انداز میں لکھا خط ضرور شامل کرتے۔ ٹائٹل آپ کو پسند نہیں آیا جبکہ ہماری بیشتر قارئین نے اس پیاری سی دلہن کو بے حد پسند کیا ہے۔ خبروں پر تبصرہ آپ کو اچھا نہیں لگا لیکن ہماری قارئین خبروں سے زیادہ اس تبصرہ کو پسند کرتی ہیں۔

اب آپ ہی بتایے کہ ہم کیا کریں، محبتوں اور خوابوں کا سفر تو کبھی بھی ختم نہیں ہوتا محبت اور خواب ہی تو ہیں جو انسان کو زندہ رکھتے ہیں۔

"شعاع" کی پسندیدگی کے لیے بشریٰ سعید اور دیگر مصنفین تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچا رہی ہے۔

مصباح فوزیہ، آمنہ، ثمینہ، طاہرہ، سعدیہ۔۔۔ وہچہ وکھنی

آپی! ہمارا یہ چوتھا خط ہے آپ نے ہمارا ایک خط بھی شائع نہیں کیا۔ ہماری "شعاع اور خواتین" سے دوستی کو تقریباً سات سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ [illegible] دونوں بہت پسند ہیں۔

سب سے پہلے چھلانگ لگا [illegible] "سفر" کی طرف بڑھے۔ جواب انتظار [illegible] رہی ہے۔ میڈم یاقوت سے انتظار [illegible] افسانہ نگار صاحب نے اس [illegible] کا کردار ہمیں بہت پسند ہے۔ کہانی [illegible] رہی ہے۔

[illegible] کا ناول ہمیں بہت پسند آیا اس ناول میں احمد، زوبیہ اور دادی کا کریکٹر ہمیں بہت اچھا لگا۔ زینب کی امی بہت ظالم لگیں۔ کیا مائیں ایسی بھی ہوتی ہیں۔ جو اپنے بچوں کی زندگی برباد کرنے کا سوچیں۔

سعدیہ عزیز کا ناول بھی اچھا تھا لیکن اس میں مونس کی امی کا کردار ہمیں الجھن میں ڈال گیا کیونکہ ہمیں وہ بہت سنگدل اور انا پرست لگیں۔ بشریٰ سعید کا ناول "سفال گر" [illegible] کی طرح بہت اچھا جا رہا ہے اس میں الجھاؤ اور پیچیدگی زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ شاید آگے چل کر کہانی اچھی ہو جائے۔

افسانے سارے اچھے تھے۔ حامد بیگ اور فرحت علی کوثر سے ملاقات اچھی رہی۔ مستقل سلسلے بھی اچھے ہیں۔ جنید جمشید کا انٹرویو ضرور دیں۔

ج۔ چار خط تو کیا ہمیں آپ کا ایک بھی خط نہیں ملا ورنہ جواب ضرور دیتے۔

بشریٰ سعید کے ناولٹ میں کوئی الجھاؤ نہیں ہے۔ البتہ ناول اور کردار آپ کے لیے نئے ہیں۔ شاید اس لیے آپ کو الجھاؤ محسوس ہوا ہے۔ جنید جمشید کے کئی انٹرویو شائع ہو چکے ہیں ہمارا خیال ہے کہ قارئین ان کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں۔ آپ کی فرمائش ہے تو ضرور [illegible] کریں گے ان شاء اللہ۔

زوبیہ [illegible]۔۔۔ کمان خیل، چارسدہ

[illegible] طریقہ تو نہیں آتا کہ آپ کے رسالوں [illegible] لکھے جاتے ہیں لیکن ایک کوشش تو ضرور [illegible] "شعاع"، "خواتین" اور "کرن" کا ساتھ تو بہت پرانا ہے شاید شعور بیدار بھی نہیں ہوئی تھی جب میری پھوپھیاں، خالائیں اور بڑی بہنیں پڑھتی تھیں۔ اور ان رسالوں کی کہانیوں پر ایک دوسرے سے تبصرہ بھی کیا کرتی تھیں۔ چھوٹی تھی ہمیں بھی آپ کے رسالوں کی [illegible] اب آگاہی ہوئی۔ اس وقت سے لے کر ابھی تک جبکہ میں بی اے ایل ایل بی کر چکی ہوں۔ شادی کو آٹھ سال گزر چکے ہیں۔ میرا شعاع، کرن اور خواتین ڈائجسٹ سے ناتا نہیں ٹوٹا۔ اور یہ تینوں ڈائجسٹ میرے شوہر مجھے خوشی خوشی ہر مہینے خود لا کر دیتے ہیں۔

میرے شوہر مجھ سے زیادہ شعاع، خواتین اور کرن کے شکر گزار ہیں کہ میں نے ان رسالوں سے تمیز، طریقہ، خوش اخلاقی، بڑوں کی عزت، احادیث، اچھی اچھی باتیں، دھیما لہجہ، جینے کا زندگی گزارنے کا سلیقہ، خاص کر سسرال والوں کے ساتھ ادب سے بات کرنا، سب کے ساتھ اخلاق سے بولنا یہ مجھے آپ کے رسالوں کے بدولت ملا۔

اور [illegible] ہوں تو اللہ اور شوہر کے سہارے کے بعد "شعاع"، "خواتین"، "کرن ڈائجسٹ" دوستوں کی طرح میرے ساتھ رہتا ہے۔ آپ کے رسالے ایک وقت میں میری بہن بن جاتی ہے، میری بہنیں بن جاتے ہیں، بھائی بن جاتے ہیں۔ آپ کے رسالے بھی مجھے افسردہ نہیں ہونے دیتے۔ کیونکہ ابھی تک میں اولاد کی نعمت سے محروم ہوں۔

تو باجی اب اصل بات کی طرف آتی ہوں میں نے بچپن میں ایک کہانی پڑھی تھی اس کا عنوان تھا۔

"قافلے راہ بھول جاتے ہیں" آپ مجھے بتائیں کہ کیا وہ پرانی کہانی بھی امِ مریم نے لکھی تھی یا صرف اس کہانی سے انسپائریشن تھی۔

اگر خط میں اردو آپ کو سمجھ میں نہ آئے یا مونث مذکر کی غلطی ہے تو معاف کر دیں، ہم پٹھان آکسفورڈ کے بھی پڑھے لکھے ہوں۔ تو ہماری اردو کا یہی حال ہو گا۔

ج۔ پیاری زوبیہ! آپ نے بہت اچھا خط لکھا، یہ جان کر افسوس ہوا کہ اتنے عرصے آپ نے صرف اس لیے خط نہیں لکھا کہ خط شائع نہیں ہو گا۔ پٹھان تو صرف مذکر اور مونث کی غلطی کرتے ہیں۔ آج کل پرائیویٹ چینل پر اردو کا جو حشر کیا جا رہا ہے وہ تو آپ بھی دیکھتی ہوں گی ویسے بھی کسی بھی زبان پر مکمل عبور تو کم لوگوں کو ہوتا ہے۔ جس ناولٹ کے بارے میں آپ نے پوچھا ہے "قافلے راہ بھول جاتے ہیں" نگہت عبداللہ کا ناولٹ تھا۔ امِ مریم کا افسانہ اس سے یکسر مختلف تھا۔

خواتین ڈائجسٹ کی پسندیدگی کے لیے شکریہ، امید ہے آئندہ بھی خط لکھ کر اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیں گی۔

رفعت ناہید سجاد

چراغِ آخرِ شب

پروفیسر عباس رشید کا گھرانہ علمی و تہذیبی اعتبار سے مڈل کلاس روایات کا امین ہے۔ پروفیسر صاحب کی قابلیت اور نیک نامی مثالی ہے۔ وہ تاریخ کے مضمون کے استاد رہ چکے ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ ان کا دروازہ ہر طالب علم اور خاص و عام کے لیے کھلا رہتا ہے۔ شاگرد ان کے علمی تجربے سے فیض حاصل کرنے آتے رہتے ہیں۔ گھر کا تمام نظم و نسق پرانی گھریلو ملازمہ کریم بی کے ذمہ ہے۔ جو بڑی جانفشانی سے سنبھالے ہوئے ہیں۔ ان کی بیگم کے ساتھ اولادوں کو بھی آزادیٔ اظہار کی مکمل اجازت ہے۔ ان کی تین اولادیں ہیں۔ خوریہ، عثمان اور عبیر۔

بڑی بیٹی خوریہ ماں کی لاڈلی ہے۔ دوران تعلیم غیر نصابی سرگرمیوں میں خاصی سرگرم رہی۔ وہ مقامی کالج میں پڑھاتی۔ شادی کے بعد اس کی صلاحیتیں جیسے گنا گئی ہیں۔ سسرال میں علم اور تہذیب دونوں کی کمی ہے۔ ساس گھر پر حاوی ہیں اپنے آگے وہ شوہر سمیت کسی کی چلنے نہیں دیتیں۔ خوریہ کا شوہر نعیم روایتی مرد ہے۔ وہ ایک مقامی روزنامے میں صحافی ہے لیکن ایک پڑھی لکھی بیوی کے ساتھ اس کا رویہ انتہائی بے حسی لیے ہوئے ہے۔ ایک بیٹی گڑیا ہے۔ جس کی نگرانی کریم بی کے سپرد ہے۔ پسند کی شادی اور نوکری کرنے کے باوجود سسرال میں اس پر زبان بندی کا اصول سختی سے لاگو ہے۔

عثمان عباس کا شمار ان نوجوانوں میں ہوتا ہے جو قابلیت اور ڈگری کے باوجود معقول نوکری حاصل نہیں کر پاتے۔ تاہم گھر کے ماحول اور پر اعتماد فضا نے اسے مکمل مایوس نہیں کیا ہے۔ وہ مختلف آئی ٹی یونی ورسٹیز کے لیے پروگرامنگ کرکے اتنا کما لیتا ہے کہ گزر اوقات اچھی ہو جائے۔

عبیر آج کے دور کی لڑکی ہے جو اپنے ذہن سے فیصلہ کرنا جانتی ہے۔ گھر میں باپ سے قریب ہونے کے باعث ان کی علمی تجربے سے فیض اٹھانے کا موقع اسے زیادہ ملا ہے۔ وہ ماسٹرز کی طالبہ ہے۔ وہ حالات کو حاسن انداز میں دیکھتی ہے۔

عبیرہ اپنی پھوپی، بہن سے زیادہ چچی کی سیکی حیرا سے قریب ہے۔ اونچے طبقے کی پروردہ ثریا بھی عبیر کی دوست ہے' لیکن وہ صرف حنان کی وجہ سے ان کے گھر میں آتی جاتی ہے۔ عبیر اسے خاص وجہ سے عزیز رکھتی ہے۔
گھر میں چچا عبدالعزیز اور ماموں کریم بخش اپنے اسرار کے ساتھ بدستور رہائش پذیر ہیں۔ بڑی تائی بے اولاد ہیں اور بیوگی کے بعد سے کچھ دن قیام کے لیے پروفیسر صاحب کے یہاں آتی ہیں۔ جہاں ان کی ساس بھی رہتی ہیں۔
عبیر کا گروپ یوم پاکستان کے حوالے سے اسٹیج شو کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ وہ لوگ وطن سے محبت قوم کے دل میں اجاگر کرنے کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں ناکامیوں سے عبیر دل برداشتہ ہوتی ہے تو وہ کچھ دیر کے لیے حیرا اور رضا کے یہاں چلی آتی ہے' جہاں ان دونوں کی والدہ تائی اپنے خلوص اور ڈھیر ساری محبت سے ان کا سواگت کرتی ہیں۔ یہ محبتیں اسے روح تک سرشار کردیتی ہیں۔
ان کے گروپ میں ان کی کوششیں رنگ لاتی ہیں اور شو کرنا صرف اسپانسر مل جاتا ہے بلکہ ڈراما آڈینس میں بے حد پسند کیا جاتا ہے۔ عبیر کو سب سے زیادہ شو میں کزن شہریار کی موجودگی مسرور کرتی ہے' جو محض عبیر کی خاطر طویل سفر طے کر کے شو دیکھنے آتا ہے۔ دونوں میں لفظوں سے زیادہ دل کا رشتہ ہے' اس لیے ایک دوسرے کی بات فوری سمجھ لیتے ہیں۔ حنان شہریار کے لیے عبیر کے جذبات سے آگاہ ہے۔
ان ہی دنوں بابا جان کی عدم موجودگی میں ایک واقف کار سے عبیر کی ملاقات ہوتی ہے' جن کی مختلف سی شخصیت اسے کچھ الجھا رہی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۱۸
اٹھارہویں قسط

"وہ تمہیں پہچانا تو نہیں گیا۔"
فاروق ان کے سامنے بچھی خالی کرسی پر سکون سے بیٹھتے ہوئے بولا۔ اس نے نشست سنبھالتے ایک نظر بابا کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے پر چراغاں کا جشن تھا۔ جگ مگ کرتے عقیدت بھرے ہوئے ڈھیر سارے جھلملاتے ہوئے دیوں کا عکس ان کے وجود پر ڈول رہا تھا۔
یہ عجیب و غریب محبت تھی یا عقیدت اس کی سمجھ میں کبھی نہیں آئی تھی۔ انہوں نے شاید [illegible] کو پیر کا درجہ دے رکھا تھا۔ بیعت کر رکھی تھی' بے چوں و چرا ان کے حکم پر سر جھکانے کے عادی [illegible] ان کا ایک حکم بجا نہ لا سکے اور جب سے خود کو راندہ درگاہ کیے ہوئے تھے۔ ایک [illegible] ادھوری [illegible] جانتے تھے کہ اس انوکھے لاڈلے کے لیے چاند توڑ کر لا بھی نہیں سکتے تھے۔ لیکن وہ [illegible] تھا اسی لیے اس کو اس میری [illegible] پر اعتراض بھی نہیں تھا۔
انہوں نے پائپ ہونٹوں سے الگ کرکے میز پر دھر دیا تھا۔ [illegible] آنے والے کی طرف ذرا جلد بازی سے دیکھا' وہ اس وقت ہر قسم کی مداخلت سے آزاد ہونا چاہتے تھے۔ [illegible] مسکرا رہا تھا۔ ایسی روشن صبح جیسی مسکراہٹ اجالے بکھیرتی جو انہیں صرف اس کی کامیابی [illegible] مسرور کرتی تھی۔
"پھر؟" سوال ان کی تنی ہوئی بھنوؤں میں اٹکے ہوئے۔
"پہچانے نہیں گئے تو ہارے لیے [illegible]"
"آپ ایسے ہی ان لوگوں کے بارے میں [illegible] بڑے گمان رکھتے ہیں۔"
وہ ناک چڑھا کر ان کے بیچ [illegible] سے کھیلنے لگا۔

"اسے گھٹیا گیٹ اپ میں گیا۔ اتار رکھی ہے سب سے سستی داڑھی خریدی جیسے [illegible] کی فلموں میں کمال داڑھی لگا کر بوڑھا بن جاتا تھا' رنگ والی [illegible] کالی عینک لی۔ کسی سے ہیٹ ادھار مانگا [illegible] اور اتنے ذہین و فطین لوگوں میں کسی نے پہچانا بھی نہیں۔"
"مباحثہ؟" انہوں نے تشریح ہوئے لہجے میں بڑی حیرت سے پوچھا۔ "تم نے عباس سے بحث کی؟"
وہ اس کی اس جسارت پر دنگ رہ گئے تھے۔
"نہیں خیر' وہ تو ملے ہی نہیں' کہیں گئے ہوئے تھے۔ [illegible] تائی تھی ان لوگوں نے؟" اس نے کچھ دیر کو ذہن پر زور ڈالا۔
"تیمو کی یاد کا ڈرامہ..."
"اور کانفرنس وہاں اس کی ایک بہن [illegible] کی بحث کس سے کی پھر؟"
"ان کی کوئی بیٹی تھی۔ [illegible] مان کو ویل ڈن کرنے کے موڈ میں نہیں۔ اس کی خواہش تھی مجھے فوراً" چلتا کرے۔ [illegible] اور ان تین منٹوں میں میں نے اس کا تجزیہ پیش کرکے اس کو نمٹا ڈالا۔"
"کیا تھا وہ تجزیہ؟"
"یہی کہ وہ [illegible] ان کی Face Value پر لیتی ہے۔ اس کو یقین تھا میں کوئی بوڑھا بابا ہوں۔"
"[illegible] سارے [illegible] نہیں بوڑھا کہتی ہے۔ تمہاری [illegible] سمیت پھر تو بہت پہنچی ہوئی تھی وہ... مزید؟"
"[illegible] یہ کہ سہولت سے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتی ہے۔"
"[illegible] کس سے ملاقات ہوئی؟"
"ان کے گھر کام کرنے والی کسی خاتون سے' وہ سوال پہ سوال داغ رہی تھیں۔ عجیب تھانے دارانہ انداز تھا۔ کون ہو' کیسے آئے' پہلے تو کبھی نہیں دیکھا' کب سے جانتے ہو؟"
"گریبی!" وہ جیسے ان کے گھر میں چہل قدمی کرتے پھر رہے تھے۔ "یا شاید اب کوئی اور ہوں۔ پتا نہیں وہ زندہ بھی ہوں گی یا نہیں۔ زمانے گزر گئے۔"
"بائی داوے بابا۔ کبھی اتفاقاً" آپ کی ان سے ملاقات ہو تو بتایئے گا۔ ایئر فریشنر کا کام مچھر مار اسپرے سے نہیں لیا جاتا۔" وہ مجھ پر شک کی بوچھاڑ کیے تھیں اور میں چھینک رہا تھا۔ الرجی سے بوکھلا کر میں گیلری میں آگیا۔ یہ ڈراپ سین ہوتا اگر فلم اسٹار کمال کی طرح ہی میری داڑھی گر جاتی۔ چھینک چھینک کر لیکن وہاں ایک نایاب خزانہ ہاتھ لگا۔"
"کس؟" وہ چونکے ہوئے۔
"تم ان کے گھر میں آزادانہ دندناتے پھرے؟"
"کسی بزرگ بابا کو اتنا تو اختیار ہونا چاہیے نا... وہ ایک طویل گیلری تھی۔ جس کے دونوں طرف دیواروں پر نہایت قدیم تصویریں گڑی ہوئی تھیں۔ بلیک اینڈ وائٹ ان میں سے کچھ تو اتنی پرانی تھیں کہ صرف دھبوں کی صورت باقی بچی تھیں۔ لیکن میں تلاش کر رہا تھا۔ ان تصویروں میں کہیں آپ کا ماضی بھی ہے۔"
اس نے مختصر سا وقفہ دیا۔ صرف اتنا کہ کافی کا گھونٹ حلق میں اتار سکے۔ محض ان لمحوں میں اس نے بابا کو بے چین دیکھا۔ وہ ان کو بے چین نہیں دیکھ سکتا تھا۔
"میری تلاش ناکام نہیں رہی۔ کسی نامانوس سے کسی قدیم کیفے میں لوگوں کے درمیان میں نے آپ کو پہچانا

دیکھنے میں کوئی عام بابا ریسٹورنٹ ٹائپ چیز لگتا تھا جیسے ایک پوسٹر بھی تھا لیکن چونکہ دھندلا تھا میں پڑھ نہیں سکا کیا لکھا ہے لیکن میرا اندازہ ہے اس پر لکھا ہوگا۔ "یہاں سیاست پر بات کرنا منع ہے۔" اور یہ بھی یقین ہے جس طرح آپ سب دوستوں کے ہاتھ اٹھے ہوئے تھے بات سیاست پر ہی ہو رہی تھی۔ اور بس ابھی ایک نظر دیکھا تھا کہ وہ ہیلپو خاتون کے کہنے پر کوئی دوسری پی پی تشریف لے آئیں اور پکڑا گیا۔"

بابا نے نوٹ کیا وہ کس قدر شاندار قصہ گو بھی ہے۔ مختصر ترین گفتگو کرنے والا جب جزئیات نگاری میں گیا تو بلا کا خطیب ثابت ہوا۔

معلوم نہیں وہ بات کو طول دے رہا تھا اس لیے کہ وہ اس ماحول میں دیر تک جی بھر کر گھوم پھر سکیں۔ یا اس لیے کہ وہ خود اس ایکٹوٹی پر اس قدر خوش تھا کہ اس میں سے نکل نہیں پا رہا تھا۔ کافی سے بھاپ اٹھنا بند ہو چکی تھی۔ ایک ہلکی سی جھلی مگ کی تہہ کے اوپر کافی کو ڈھانپے پڑی تھی۔ اس ایک گھونٹ کے بعد دونوں نے اپنے مگ کو چھوا بھی نہیں تھا۔ جیسے ان دونوں کے درمیان کچھ تھا ہی نہیں۔

"بابا آپ کے دوست مزاجاً "مجاور" لگتے ہیں ماضی پرست۔ علاوہ بلیک اینڈ وائٹ تصویروں کے وہاں اور بھی سب کچھ بلیک اینڈ وائٹ تھا۔ قدیم صوفے، پرانے تخت، گاؤ تکیے، مونڈھے اور اندر جاتا تو پتہ چلتا کوئی شہزادی سوئی پڑی ہے۔ آنکھوں سے سوئیاں نکلوانے کی منتظر۔ ان ساری چیزوں کے درمیان ڈگری کے رول ہاتھ میں پکڑے دو لڑکیوں کی ایک رنگین تصویر کے سوا کچھ بھی حال نہیں تھا۔" وہ اکلوتی رنگین تصویر اس مزاج میں عجیب بدرنگ سی لگتی ہے۔ آپس میں میچ نہیں کرتی جیسے بلیک اینڈ وائٹ فلم میں اچانک کوئی رنگین گانا آجائے۔"

"معلوم ہوتا ہے گورنمنٹ ہاسٹل کی رہائش کے دوران تم محض فلمیں دیکھتے ہو۔" انہوں نے اس کے سب تشبیہ استعارے یک قلم رد کرتے کہا۔ "صرف اتنا بتاؤ تمہیں ان کے گھر میں ہونا کیسا لگا؟"

"میں نے گھر کو اپنی نظر سے تو دیکھا ہی نہیں بابا۔ بس لگا کہ میں آپ ہوں۔ ایسے جیسے میں طویل سفر کے بعد پلٹ کر واپس آگیا ہوں۔ سب اپنا اپنا ہے۔ مانوس دیکھا بھالا میں اور آپ دو تو نہیں نا۔"

انہوں نے سنا نہیں' وہ جیسے حال میں موجود ہی نہیں تھے۔ سچ کافی کے مگ میں بے سبب چمچ ہلاتے آنے والے گزرتے وقت کو سست روی سے گزارتے۔

"ایک بات بتاؤ گے؟" کتنی دیر کی طویل خاموشی کے بعد انہوں نے پوچھا تھا۔

"عباس کی لڑکی کیسی تھی۔ جس سے تم ملے۔ میرا مطلب" انہوں نے اٹک کر [illegible] کے علاوہ جو تم نے بتایا۔"

"اتنے غور سے تو نہیں دیکھی بابا۔ آپ کہتے ہیں تو ایک مرتبہ پھر جاؤں گا۔ [illegible] اور حلیے میں غور سے دیکھنے۔"

"میرے کہنے پر جاؤ گے یا بار بار جانے کی خواہش میں جاؤ گے۔ میرے [illegible] کی داستان میں ایک شہزادہ سر میں خاک ڈالتا تھا اور کہتا جاتا تھا۔ ایک بار دیکھا ہے دوسری بار دیکھنے کی ہوس ہے۔"

"حد ہو گئی بابا۔ آپ چونکہ بادشاہ نہیں اس لیے میں شہزادہ ہونے سے بال بال بچ گیا۔ آپ کی کہانی میں تو بادشاہ بہت ظالم ہوتا تھا۔ یہ سر پہ خاک ڈالتا شہزادہ کہاں سے اٹھا لائے آپ۔ ویسے یہ اس وقت جو دھول مٹی میرے سر پہ دیکھ رہے ہیں۔ اس کی وجہ ہے میں نے لاہور کی سڑکوں پہ شیشہ نیچے کر کے گاڑی چلائی ہے۔"

"پکا اسلام آبادی انداز اپنا لیا ہے۔" ان کے چہرے کا تناؤ ختم ہو گیا تھا۔

"اسلام آباد سے یاد آیا۔ میں صبح سویرے نکلوں گا۔ لہٰذا گھر جاتا ہوں۔" اس نے اطمینان کا ایک گہرا

سانس لیا۔ انجام کار وہ ماضی سے حال میں آگئے تھے۔

"میں جلدی گھر واپس آجاؤں گا۔ early dinner کریں گے۔ جاؤ۔ [illegible] کو آجاتے ہو تو یہ سب آباد ویرانہ جگمگانے لگتا ہے۔"

فاروق دروازے تک جاتے جاتے پلٹ کر رک گیا۔ وہ اپنا خوش مزاج والا موڈ بدل کر ایک دم سنجیدہ لگنے لگے تھے۔ اس کا جی نہیں چاہا ایسے وقت میں جب انہوں نے اتنی دیر بعد خوشی محسوس کی جو ان کا بیٹا اپنی پیٹھ پر لاد کر لایا تھا ان کو یاد دلائے کہ دوری کا یہ فیصلہ بھی ان کا اپنا تھا۔

ان کی آواز میں جو بحالی رہتی تو اس کو ان کی طرف سے تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ لیکن ان کو رنجیدہ چھوڑ کر آتا تو وہاں بیٹھا بھی پریشان ہوتا رہتا۔

عجیب سا کھیل تھا وہ چار تو کردار تھے [illegible] بدل کرنی پڑتی۔ وہ دونوں باری باری اپنا کردار نبھاتے پلٹ کے سامنے آتے۔ جو تھک جاتا [illegible] بتاتے اس کی تھکن اپنے دل پر محسوس کرتا۔ ایک کی گردن بوجھ سے بدحال ہونے لگتی تو دوسرا اس [illegible] پر اٹھا لیتا ذرا سا سہارا اور وہ پھر حوصلے سے کھڑے ہو جاتے۔ اپنے اپنے ٹریک میں واپس [illegible] کردار پڑنے کا یہ کھیل جاری تھا۔ سال پھر آزاد اور خود مختار تھیں۔ وہ جس دنیا سے آئی تھیں بحفاظت [illegible] بجا دی گئی تھیں۔ ساری عمر ایک پاگل آدمی سے شادی کرنے کے طعنے انہوں نے سن کر [illegible] شاید برداشت اس حد تک پہنچی کہ انہوں نے سب بوجھ جھٹک دیے۔ یا ان کو بھیس بدلنے کی [illegible] ان کی دنیا ان کی منتظر تھی یا شاید اس داستان میں ان کا کوئی کردار ہی نہیں تھا۔ پھر بھی جاتے [illegible] کئی مرتبہ پلٹ پلٹ کر دیکھا تھا۔

"[illegible] بات میں بتانا بھول گیا تھا بابا۔"

[illegible] سونے سے قبل اس نے عادتاً "ان کے کمرے میں جھانکا۔ وہ آرام کرسی پر دراز' سامنے والی میز پر ٹانگیں پھیلائے عجیب انداز میں سونے کی کوشش کر رہے تھے۔ نیم بند ہوتی آنکھوں کو ذرا سا کھول کر انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔

"چند دن پہلے بھی میں نے اتفاق سے اس لڑکی کو دیکھا تھا۔ لیکن تب مجھے علم نہیں تھا وہ کون ہے۔"
تیز جگمگاتے برقی بلبوں کے عین نیچے انہوں نے اس کے چہرے پر روشنی کا ایک کوندا سا دیکھا۔ پھر ان کے اور اس کے درمیان دروازہ حائل ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

سیکریٹریٹ کے سنسان برآمدوں میں تیز ہوائیں پھڑپھڑاتی شور مچاتی ستونوں کے درمیان گزرتی اس کو وحشت زدہ کرتی تھیں۔ وہ نیا نیا آیا تھا۔ اپنا حلقہ احباب اور اپنے جیسے کی طرح پیچھے چھوڑ کر نئے مزاج کا شہر منہ پہ انگلی رکھ کر چپ چاپ کھڑے کھڑے۔ جیسے وہاں کوئی رہتا ہی نہ ہو۔ ہمہ وقت لپیٹ میں لیے ایک جامد سناٹا۔ تمیز سے کھڑے ہرے بھرے درخت۔ پڑوسی سے سلام دعا نہ لیتے رہائشی۔ ابتدائی رات سے گھروں میں بند ہو جانے والے شہری۔

کتنی کتنی دیر فاروق کھڑکی کے پار نظر آنے والے پہاڑوں کو دیکھتا ان کے سوا جیسے کسی میں زندگی نہ تھی۔ وہ بار بار رنگ بدلتے تھے۔ کبھی گہرے سرمئی۔ کبھی پتھروں کی طرح بے جان سنگلاخ۔ کبھی بادل جھوم کر مارگلہ کے سلسلے کو گھیرے میں لیتے تو وہ نیلے نیلے Lapus لازولی کی طرح دکھنے لگتے۔
اس کے دفتر کے ساتھی بتاتے تھے "وہ جب یہاں نئے نئے آئے تھے تو ایسے ہی ہر لحظہ بدلتے پہاڑوں درختوں کو دیکھ کر دیوانے ہوتے تھے لیکن خوب صورتی کا نشہ عارضی ہوتا ہے۔ حسن بہت جلد باسی ہو جاتا ہے پھر اس کی طرف نگاہ نہیں اٹھتی اور بہتیرے غم ہیں۔ روزگار ہے سیاست ہے اور سیاست کے پیچ و خم۔ جب حسن باسی ہو جاتا ہے تو کیا وہ لمحہ بھی مر جاتا ہے جب اس حسن نے آپ کے دل کو اول اول مسرت سے بھر دیا تھا۔ Keats صاحب کا قول کہ حسن دائمی مسرت ہے محض ایک قول ہے۔" چونکہ یہ لنچ بریک تھا اور وہ بڑی فرصت سے تھا لہٰذا اس نے حسن اور خوشی کی فلاسفی پر خوب غور و خوض کیا۔
بہت پرانی بات نہیں تھی جب وہ ایڈیشنل سیکریٹری کے حضور بیٹھا اس آفس آرڈر پر بریفنگ لے رہا تھا جو آج صبح ہی فائل میں قرینے سے ٹیگ ہوا اسے ملا تو پہاڑوں پر اس وقت بھی کاسنی سی فضا چھائی ہوئی تھی۔ [illegible] آن ڈیوٹی تھا۔
"پنجاب یونی ورسٹی کے اسٹوڈنٹس ہیں مگر رپورٹ فیڈرل گورنمنٹ نے مانگی ہے۔ [illegible] Confidential تم خود جانا۔ وہ گورنمنٹ کے خلاف کوئی ڈرامہ اسٹیج کر رہے ہیں۔ [illegible] ہے۔ کوئی ذمے دارانہ رپورٹ ملے۔ پولیس کی رسمی کارروائی ان کے لیے تسلی بخش نہیں [illegible] ہے وہ بلاوجہ اشتعال بھی نہیں پھیلانا چاہتے۔ اگر تو محض چل چھیاں چھیاں طالب [illegible] رقص ہے تو خیر۔ لیکن رپورٹ ہے کہ ڈرامہ حکومت کے خلاف ہے۔ ڈائس کی [illegible] میں موجود طالب علم لیڈر کامیاب نہیں ہونے دیتے۔ یونین بین ہیں۔ اس قسم کی ایکٹیویٹیز کم ہوتی ہیں۔ بہرکیف گورنمنٹ ایکچول رپورٹ مانگ رہی ہے۔ ہو سکتا ہے ڈرامے کے عین دوران ایکشن لینا ہو۔ آئی جی بریفنگ دیں گے۔ اینی تھنگ؟"
"Thanks nothing" (شکریہ کچھ نہیں) وہ [illegible] انداز میں احکامات وصول کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔
"او کے فکٹ سپرنٹنڈنٹ کے پاس ہیں۔ اس سے لے لینا۔ دو ٹکٹ ہیں تمہارے ساتھ مطلوب الرحمن بھی جائے گا" بے اعتباری کی انتہا۔ جس پہ بھیجتے ہیں اس پر مکمل بھروسہ نہیں کرتے۔ ڈبل چیک۔
Have a nice day " [illegible] کا مخصوص جملہ محفل برخواست۔"

کبھی ان احتیاطوں سے بھی طوفان ٹالے گئے ہیں۔ کس کی دیوار سے کتنی ہے جنبیلی کی مہک۔ آسنوالا وقت سر پر کھڑا تھا۔ برداشت لحظہ بہ لحظہ کم ہوتی جا رہی تھی۔ زیادہ وقت نہیں تھا اس [illegible] اپنا لیپ ٹاپ بریف کیس میں زپ سے بند کیا۔ ادھ کھایا سینڈوچ واپس پلیٹ میں رکھ کر کافی کے گرم گھونٹ غٹ غٹ کر کے اتارے۔
"چلو۔" اس نے مطلوب الرحمن کی طرف توجہ کی۔
"حرکت کی جائے۔" مطلوب الرحمن نے جواباً "سلیس [illegible]" کیا تھا۔
وہ باہر آ کر سکہ اچھالنے بیٹھ گیا۔ گھر یا کیمپس (ڈرامہ [illegible] شروع ہو اور کس کس کا ڈرامہ بنے اور چونکہ یہ فرضی سکہ تھا اور محض خیالوں میں اچھالا [illegible] لیے بے وقعت ہو کر زمین پر نہیں گرا اور جب وہ پارکنگ لاٹ میں ایک آفیشل گاڑی سے نکل کر [illegible] کی طرف جا رہا تھا تو اسے پتہ چلا اس کا سکہ کس کے حق میں گرا تھا۔" آنے والے خدشوں سے ڈرامہ [illegible] کے باوجود اسے گرد و نواح میں کوئی قابل ذکر پولیس نظر نہیں آئی۔ وہ بے چارہ بھی کیا کیا کرے۔ [illegible] حفاظت کرے تو لیڈروں کی زندگی غیر محفوظ ہو جاتی ہے۔ آٹھ آٹھ گاڑیوں کے پروٹوکول میں [illegible] گلی محلوں میں بندوقیں تانے محافظ۔ یہ دہماکوں کے بعد پھیلی تھی اور تیزی سے پھیل رہی [illegible]۔

ہال میں کرسیوں [illegible] لوگ تھے۔ جو ادھر ادھر بکھرے تھے ان کی گنتی بھی قابل ذکر نہیں تھی۔ گویا اس ڈرامے میں [illegible] کا پیغام دیا گیا وہ گنتی کے لوگوں تک پہنچے گا لیکن اگر اس کو سبوتاژ کیا گیا تو لاکھوں لوگ گھر بیٹھے ہی جان [illegible] جان لیوا خدشات میں گھری حکمرانی۔
[illegible] چھن چھن کر آتی روشنیوں میں آرکسٹرا کوئی بے وقوفانہ سی سنگل ٹیون بجا رہا تھا۔ لوگ برقی [illegible] ادھر سے ادھر دوڑتے کسی نہ نظر آنے والے کام میں مگن۔ وہ اپنے واقفین سے غیر متعلقہ باتیں [illegible] کا حکومت کے اندیشے بے جا ہی لگتے تھے ان دنوں وہ ہر چیز سے خائف نظر آنے لگی تھی۔ معصوم سے طالب علموں کی ایک بچگانہ سی ایکٹیوٹی کے سوا اس میں کوئی راکٹ سائنس دکھائی تو نہیں دیتی تھی۔ ہمارے بھی بے چلے ہی پر جل جاتے ہیں۔
فاروق نے در و دیوار پر ایک نظر ڈالی۔ یہاں سے وہاں تک اسپانسر کرنے والی کمپنیوں کے اشتہار رنگ برنگی کترنوں میں غیر محسوس سی ہوا سے جھول رہے تھے اور مجھے اندازے لگانے دو (یہ اس نے خود سے کہا تھا) وہ جو ایک طرف اسٹیج سے قریب تر ہو کر کھڑے جذباتی سے لوگ نظر آتے ہیں۔ یہ دراصل اس "تھیٹر کمپنی" کے لوگ ہیں ڈرامے کی کامیابی یا ناکامی کا ذمہ دار کسی نہ کسی طرح ان پر ہے۔ ان میں سے اکا دکا کو وہ جیسا تیسا بھی [illegible] اعجاز اور قیصر بطور خاص اس سے ملنے آئے تھے بھلے اور تابعدار لڑکے۔
عوام میں کچھ فوجی کٹ بھی نظر آ رہے تھے۔ حکومت کچھ زیادہ ہی محتاط نہیں ہو رہی۔ اور وہ جو متحد ہو کر ایک طرف کھڑے ہیں۔ مدبر اور سنجیدہ لوگ۔ دیکھنے میں طالب علم نہیں لگتے (لیکن فسادی بھی نہیں لگتے) ہو نہ ہو کالسٹ کے بھائی بند ہوں گے۔
"ارے لالہ تم؟" بھری محفل میں جب کوئی کندھے پر دھپ مار کر چونکائے تو وہ سارا حق کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔
"مجھے نہیں معلوم تھا اس ڈرامے کی شہرت دوسرے شہروں تک پہنچ گئی ہو گی۔"
"اگر سارہ حق ڈرامہ دیکھنے بہ نفس نفیس تشریف لائی ہیں تو شہرت کو خود ہی پہنچنا تھا۔"
"اچھا!" میک اپ کی شوخ تہہ سے ان کے اندیشے یا گمان برآمد ہوئے۔
"فلرٹ کر رہے ہو۔"

"وہ نہیں حساب برابر کر رہا ہوں۔"

"ڈراما کس کو کیسا لگا؟ ہوتا ہے۔" انہوں نے خود کو پیڈسٹل پر محسوس کرتے حقارت سے اسٹیج کی طرف دیکھا۔

"معمولی سی اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن' کل پچاس لوگ بھی شامل نہیں ہوں گے۔ یہ تو انجاز اور قیصر وغیرہ بہت مانتے ہیں مجھے اچھے تابعدار لوگ ہیں۔" انہوں نے انکسار سے اضافہ کیا میں ان کا دل نہیں توڑنا چاہتی تھی۔"

"وہ کچھ بھر کو بھیں پیچھے کیوں بیٹھے ہو فرنٹ رو میں آؤ۔"

"میرے خیال میں پیچھے زیادہ مزہ آئے گا میں اسی قسم کا تماش بین ہوں جو دوران کھیل سیٹیاں مارتا ہے۔"

انہوں نے اعتبار کیا یا نہیں۔ لیکن وہ اپنی انا داؤ پر لگا کر آخری قطاروں میں نہیں بیٹھ سکتی تھیں۔ آخر صحافی بھی تھے کیمروں سمیت۔ کارکنان پاؤڈر روم کی طرف دوڑ رہے تھے وی سی صاحب آکر پہلی قطار کی مرکزی کرسی پر بیٹھ رہے تھے کیا بنے گا اس ڈرامے کا اتنے اندیشے تو شاید ڈرامہ کمپنی کو بھی لاحق نہ ہوں گے۔

پردے کے پوسٹرز پھڑپھڑاتے رہے ڈرامہ شروع ہوا اور ختم بھی ہو گیا۔ نہ دھماکا ہوا نہ بلہ بولا گیا نہ انقلاب زندہ باد کے نعرے لگاتے لوگ سڑکوں پر نکلے حد ہوتی ہے وہم کی بھی۔

"یہ اسکرپٹ کس کا تھا؟" اس نے جیسے برجستہ تذکرہ ہی پوچھا تھا۔

"پتا نہیں۔" سارہ حق نے اپنی مخصوص بے نیازی کا مظاہرہ کیا۔

"ملواس سے اور اسی گروپ کو اپنے ساتھ لے کر چلو۔ تمہاری این جی او میں جان پڑ جائے گی۔" وہ سارہ حق کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ ان کے بدلتے رنگوں کا جائزہ نہیں لے سکا لیکن جانتا تھا وہ اپنا نفع نقصان خوب سمجھتی تھیں۔

"تم نے دیکھا وہ کس قدر کمال نکلیں یہ لڑکیاں۔" اپنے کسی واقف سے باتیں کرتے بھی اس کے کان آس پاس کی گفتگو کی طرف متوجہ تھے۔

"مجھے تو امید بھی نہیں تھی کہ تم آجاؤ گے ابھی پرسوں جب تم سے بات ہوئی تھی۔"

اسے بتایا گیا یہ اسکرپٹ اس نے لکھا تھا سیاہ سیدھے بالوں کو ربینڈ سے باندھے بیگ میں کوئی کپڑا ٹھونسنے کی کوشش ترک کر کے اپنی طرف آنے والے کی طرف متوجہ ہوئی۔

اسکرپٹ تو اچھا خاصا میچور تھا۔ لیکن اسکرپٹ رائٹر میں کہیں ہلکا سا بچپن جھلکتا تھا۔ [illegible] سرانجام دے کر بھی وہ اتنی باجوش نہیں تھی کہ شاباشی کے تصور سے آزاد ہو جاتی۔ باوقار طریقے سے [illegible] اپنا بیگ کسی کے حوالے کیا۔ گن گن کر قدم رکھتے وہ جیسے سیڑھیاں اتری۔ ذرا دیر کو ان [illegible] سے اس کے بہن بھائی لگتے تھے (اور فسادی بالکل نہیں لگتے تھے) شگفتگی اور تازگی بھرے چہرے کے ساتھ وہ اپنے ساتھیوں کے بیچ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ ڈرامے کی کامیابی پر دی جانے [illegible] مبارک باد وہ بچوں کی سی خوشی سے وصول کرتے۔

ذرا ہی دیر بعد اسے احساس ہوا وہ کتنی دیر سے ایک ہی طرف متوجہ تھا۔ کو بظاہر اس کی کوئی خاص وجہ بھی نہیں تھی۔

تھوڑی دیر کو وہ لڑکی اس کے توکس سے پرے [illegible] جو کھڑے میں وہ گروپ تھا جس سے بات کرتے کو وہ ٹھہری تھی۔

پتہ نہیں کیا تھا ان لوگوں میں وہ چار پانچ لوگ تھے اپنے آپ میں مگن کسی نامعلوم سی کشش سے اس کو اپنی طرف کھینچتے ہوئے۔ اپنی ہی کسی بات پر زور وں سے قہقہے لگاتے۔ جیسے نامعلوم سے بندھن میں ایک دوسرے سے جکڑے ایک حصار میں [illegible]

یونہی بے کار بیٹھے اس کا جی چاہا۔ ان کے درمیان جائے۔ ان کے ساتھ مل کر ان کی باتوں پر قہقہے لگائے۔ ان کا ایک حصہ ہو عجیب بچکانہ سی خواہش۔

"چلو بھی نا۔" سارہ حق نے اس کا رسٹ کا گھیرا بھی اپنی تحکمانہ [illegible] سے توڑ دیا تھا۔

"فیڈرل گورنمنٹ کو آج کل ——— کوئی اور کام نہیں جو طالب علموں اور لڑکوں کے شو دیکھتے آن نکلی ہے اور جو ہم نے اس قدر شاندار جلوس نکالا۔ اس میں تم آئے ہی نہیں [illegible] کے سامنے سرخی سرخ تھے۔"

"کچھ خدا کا خوف کرو۔ سرکاری ملازم ہوں۔"

"اور یہ سرکاری افسر میری پارٹی پر نہ گیا تو [illegible] کے لیے تیار رہے۔"

ان کی ہنسی کی تاخ تاخ دور ہوتی بھی اس [illegible] پر ہتھوڑوں کی طرح برستی رہی۔

"شرط لگا لو سارہ حق کو تم پر کرش [illegible] نے بے سوچے سمجھے ایک غیر محتاط سا فقرہ اچھالا تھا۔

خواتین کی غیر موجودگی میں اور [illegible] ہوں تو کوئی بھی بیان دے دینا جیسے ہمارا حق ہے۔ یوں بھی عورت مرد کے حوالے سے ہمارا [illegible] رشتے تک محدود رہ جاتا ہے۔

فاروق نے اس [illegible] کی تھی۔ لیکن اتنی بھی کافی تھی۔ اس تک پہنچ گئی تھی اور جب پلٹ کر آیا وہ پرسکون [illegible] ہو گیا تھا۔ ذرا دیر کو اس کی نظر منظر سے ہٹی تھی اس کی بچکانہ خواہشوں کے پرخچے اڑتے نظر آئے۔

"چلو میں [illegible] بابا سے ملتا چلوں آیا ہوں تو سلام دعا کر لوں۔"

پارکنگ لاٹ میں کھڑی گاڑی ان کو نکلتا دیکھ کر رینگ کر ان کے قریب آگئی۔ ان دونوں کو فوری رپورٹ میل کرنی [illegible] اپنی جگہ وہ جیسے لمبے ڈگ بھرتا باہر آیا تو ان لوگوں میں سے کوئی ایک کسی کو کھوجتا ہر ایک سے جیسے پوچھتا پھر رہا تھا۔ ایک اور فٹ پاتھ پر بیٹھی اپنے دونوں گھٹنوں کو اپنے بازوؤں کے حصار میں لیے بڑی دلچسپی سے کوئی کہانی سن رہی تھی۔

اس نے اپنے قدم مزید تیز کر لیے۔ بغیر گردن گھمائے۔ سنا ہے پلٹ کر دیکھنے والے پتھر کے ہو جاتے ہیں اور وہ جیتا جاگتا انسان تھا۔ اپنا پتھر گوارا کرتا بھی کیا اور یوں بھی اب اس کے پاس فرصت تھی نہ وقت.... اس نے وہ اچٹتی سی نظر بھی ہٹالی۔ آنکھوں کو گستاخی کی سزا بہرحال مل کر رہتی ہے۔

رپورٹ روانہ ہو جائے تو ذہنی بوجھ بھی ختم ہو جائے گا اس کے بعد سکون سے ساری رات بابا سے گپ لگائی جا سکتی ہے۔

دار وش کی میز سجائے وہ ایسے رنگ کے سوپ میں پھدکتے مشروم سے اپنے سوپ کے چمچے سے کھیل رہے تھے۔

"ایک کھلے سے گھر میں' بڑی سی میز کے کنارے بیٹھا اکلوتا اداس انسان پتہ نہیں اپنے لیے اس تنہائی کی سزا تجویز کر کے اس سے کون سی لذت کشید کر رہے تھے۔ بیٹے کے ساتھ ایک مہمان بھی تھا۔

"میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ پھر محی الدین نے زبردستی کھانا لگا دیا۔ اپنے دوست کو بٹھاؤ بیٹا۔"

سناٹا۔ اکیلا پن سارے گھر میں چلتا پھر رہا تھا۔ جس خاندان میں اتفاق سے تین ہی افراد ہوں اور تینوں نہ صرف الگ گھروں بلکہ علیحدہ علیحدہ شہروں میں بھی رہتے ہوں۔ یہ پرکشش رواج بھی کیا کھیل کھیل گیا ہے۔ مروجہ اصولوں سے طے شدہ قاعدے قانون کے گھر میں رہتے دوست کو اس گھر کی ویرانی کھل رہی تھی۔

پھر رونی رات گئے گپ سے گپ لگاتے اور بات میں سے بات نکالتے وہ بچوں جیسی شرط لگا بیٹھے تھے۔ دربار خاص کے اس آفیشل قسم کے ڈنر میں چھری کانٹوں سے کھیلتے جیکٹ اتار کر کرسی کے پیچھے رکھتے رمی

ہے؟"

"نہیں کون ہیں وہ؟" اس نے اپنے چہرے پر بکھرے اسی بے جان تاثر کو برقرار رکھا۔

"جنھوں نے ڈراما لکھا تھا۔ میں سمجھا جب آپ ڈراما دیکھنے آئے تو کسی نے ملوایا ہو گا۔" وہ ایسے شرمندہ ہوا جیسے یہ خطا بھی اس کی تھی خطاؤں کو اپنے رجسٹر میں درج کرتے رہنا جیسے اس کی ادا تھی۔

بڑی چابک دستی اور مہارت سے اس نے مجمع میں کسی کی طرف تحکمانہ سا اشارہ کیا۔

فاروق نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ وہ بھرے مجمع میں انگلی اٹھا سکتا تھا۔ لیکن اس اٹھی انگلی کی سمت وہ گردن گھما نہیں سکتا تھا۔ اس نے اپنی گردن کو حکم دیا۔ "خبردار اس کی معمولی سی جنبش بھی انا کا بھرم ملیامیٹ کر دے گی۔"

اس کا اشارہ شاید ناکام ہی گیا۔ حکم کی عدم تعمیل پر خفت اس کے چہرے سے نمایاں نظر آئی۔ اور اس کو گردن گھمانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس کے سامنے قیصر کا چہرہ جیسے آئینہ تھا۔ ہر منظر وہاں منعکس ہو تا تھا۔

اپنا حق استعمال کرتے استحقاق سے۔ بھرپور توجہ نہ ملنے پر مایوس...

جلد بازی اور گھبراہٹ کہ کسی کا بہت قیمتی وقت وہ ضائع کر رہا تھا۔ اور بلانے والا جب آئے تو اس سعادت سے محروم نہ رہے کہ وہ کہیں کا کہیں جا پہنچا ہو۔ حالانکہ اس نے قدم بھی نہیں ہلایا تھا۔

لیکن جب اس زور شور سے بلایا گیا مخاطب اس تک پہنچا تو وہ اپنی کسی اور لایعنی گفتگو میں الجھ کر اسے سرے سے فراموش کر بیٹھا تھا۔ چند لمحوں کے لیے وہ سکون سے کھڑی رہی۔ منتظر، حالانکہ اسے اس سے ان چند لمحوں کے حوصلے کی بھی امید نہیں تھی۔

"تم نے مجھے بلایا تھا قیصر؟" اس کی آواز میں جھنجلاہٹ اور بے صبری بھری تھی۔ جیسے کوئی بڑا اہم کام اس کا منتظر تھا اس کے پاس وقت نہیں تھا۔ اتنے ٹھنڈے ٹھہرے ہوئے پرسکون لوگوں کے درمیان اس کا اشتعال پتہ نہیں کہاں فٹ ہوتا تھا۔ ان دنوں وہ misfit لوگوں کی لسٹ تیار کرتا رہتا تھا۔

"او ہاں۔" وہ چونکا۔ "فاروق احمد ملی ہو پہلے؟"

"نہیں۔" اس نے سیدھے اور سپاٹ لہجے میں جیسے سچ بول دیا تھا۔

"ملنا چاہیے تھا کیا؟" کچھ دیر کے وقفے کے بعد جیسے اس نے قیصر سے زیادہ خود سے دریافت کیا تھا۔ اس کے محض ایک بے پروا فقرے نے اس کی ساری افسری ملیامیٹ کر کے رکھ دی تھی [illegible] اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ آئی۔ ایک بے ضرر جملہ اور کس بری طرح قیصر کا دل ٹوٹا تھا۔ فاروق کو تربیت کی خامی کا بھی طرح احساس ہوا تھا۔

اس نے محض ایک لحظہ اس کی طرف دیکھا۔ اتفاق ہے اس کی [illegible] ملاقات تھی وہ یقین سے کہتی تھی "نہیں" اس کا یقین بے جا بھی نہیں تھا اس کو اپنی حساب دانی پر فخر سا محسوس ہوا۔

خوشی سے بھرپور چہرہ لیے۔ رسمی غیر رسمی تعریفیں سمیٹتے [illegible] رزلٹ والے دن کے بچے کی طرح اپنا رزلٹ کارڈ پکڑے بلش کر رہی تھی۔

عجیب و غریب چلے والے ایک آدمی کو اپنے گھر میں موجو پا کر۔ اس سے لاعلم کہ وہ جو جو غلطیاں انگلیوں پر گنوا رہا تھا وہ علم نجوم نہیں تھا۔ اس کی [illegible] بولیا [illegible] کنفیوژن۔ میں دب کر رہ گئی تھیں۔ کنفیوژ لیکن اپنے اوپر کیے گئے حملوں کا نا برتوڑ دفاع کرتی۔

صرف آج سے نہیں۔ وہ [illegible] برسوں سے جیسے ان سب کو جانتا تھا۔

اور اب وہ سامنے کھڑی تھی۔ تینوں دفعہ اس کے وجود کو یکسر نظر انداز کر گئی۔ اور شدت سے اس ملال میں مبتلا کہ اس کی سیٹ چھینی گئی تھی۔

واہ عبو بی بی! آپ اور آپ کی کرسی۔ آپ کیا کسی کا تخت طاؤس تھیں کہ اپنے پیچھے سے بھرے گلاس کو ہاتھ میں پکڑے پیالہ و ساغر کی طرح ہجوم میں گردش کرتے پھرتے سامنے کئی بار اس کے نزدیک سے گزریں پھر مہمانوں کو بڑی توجہ سے [illegible] تک آ گئی تھیں۔

"لوگ بہت زیادہ ہیں۔ اور تم ہجوم سے گھبراتے ہو۔ [illegible] اجنبی نہیں تھا ویسے تو وہ سب ہی کی مزاج آشنا تھیں۔" "مجھ کو آفیشل ڈنر ہے پر خدا [illegible] ہوتا ورنہ میں بور ہو جاؤں گی۔ میں دیکھ رہی تھی لوگ تم پر بار بار حملہ آور ہوتے ہیں [illegible] تم کا مزاج بن گیا ہے۔"

"چلو دیکھتے ہیں تمہیں کس میں [illegible]" "وہ اگلے چکر میں اس تک آئیں تو جیسے اپنا بنا کرنے لگیں۔

"وہ اس طرف [illegible] پاس اور کمائی فصلوں پر بحث کر رہی ہے۔ چینی ایکسپورٹ کرنی ہے اور ٹیکسٹائل کا [illegible] مستقبل میں کوئی مل لگوانی ہے تو ان کے پاس چلے جاؤ۔ مگر تم تو ڈرتے ہو لائسنس نہ مانگ لے۔

وہ بار [illegible] کامیابی کے منتظر ان کا تم سے کوئی لینا دینا بھی نہیں۔ اور وہ رائٹ سائڈ پہ کچھ لوگ ان [illegible] مگر تم تو ان کے سیاسی خیالات سے متفق نہیں ہو ورنہ انہی کے پاس چلے جاؤ۔ میں نے دیکھا تم [illegible] کر تمہارے پاس آئی تھی۔ کیا نام ہے اس کا؟" ان کا حافظہ جواب دے گیا تھا اور فاروق احمد بھی [illegible] کی مدد کو نہیں آیا۔

"تمہارے کہنے پر میں نے اسے بلایا تھا۔ بڑا جانچا پرکھا۔ مجھے تو کوئی قابل ذکر چیز نہیں لگی حالانکہ خود کو بڑی توپ سمجھ رہی تھی۔"

فاروق احمد نے انہیں غور سے دیکھا۔ وہ اتنی بار صرف یہی کہنے آئی تھیں۔ اور یہ کہنے میں انہوں نے کیا کیا نہیں کہہ دیا۔

"بعض لوگ ہجوم میں رہ کر خود کو نمایاں کرتے ہیں۔ کچھ محفل میں بھی تنہا بیٹھ کر۔ توجہ حاصل کرنے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ بھئی یہ کون ہے جو سب سے الگ تھلگ روٹھا بیٹھا ہے یا شاید۔" انہوں نے لمحہ بھر کا وقفہ دیا۔

"سوسائٹی کا فرق بھی ہوتا ہے اتنے بہت سے مشہور نام اور دیکھے بھالے مانوس چہروں کو اپنے درمیان دیکھنے کے عادی ہوں تو آپ گھبرا جاتے ہیں۔ تھوڑا سا کلاس ڈیفرنس آپ کو ستاتا ہے۔ کبھی ہم صرف ایلیٹ کلاس کو قریب سے دیکھنے کے لیے ایسی پارٹیوں میں شرکت کرتے ہیں۔ لیکن پھر سامنا نہیں کر سکتے اور بوکھلا جاتے ہیں۔ ہماری تو جنگ ہی اس طبقاتی کشمکش کے خلاف ہے۔ اب ہم ان کے کمپلیکسز۔ کیسے ختم کر سکتے ہیں۔"

یونہی بات کے خاتمے پر ایک اچٹتی سی نظر انہوں نے فاروق پر ڈالی جو وہ کچھ کہہ رہی تھیں اس تک پہنچا بھی یا یونہی منہ سے نکلے۔ بے اثر لفظ۔ وہ بڑی توجہ سے ان کو سن تو رہا تھا کوئی اثر بھی لے رہا تھا یہ اس کے چہرے پر نہیں لکھا تھا۔

"جاؤ نا ڈالر پلیز!" انہوں نے جیسے لاڈلے بچوں کی طرح ٹھنک کر کہا تھا۔ "کچھ دیر اس سے باتیں کرو۔ میری خاطر پلیز اور یہ بھی تو ہماری ڈیوٹی کا ایک حصہ ہے۔ بعض اوقات جو تربیت ماں باپ سے نہ ہو سکے۔ ہمیں کرنی چاہیے۔"

کولڈ ڈرنک سے ایک گھونٹ بھرتے اس نے ان کی طرف دیکھا۔ وہ منتظر تھیں شاید وہ وضاحت کرے۔ اس کا دفاع کرے یا ان حواشیوں پر بھنا اٹھے لیکن ان کی توقع کے بالکل برخلاف اس نے سکون سے جو پہلا جملہ بولا وہی ان کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

"شکر کرو سارہ حق! تمہارے بعض فقرے میرے والد صاحب نے نہیں سنے ورنہ آج زمین پر سالم تمہارے بجائے تمہاری لاش تڑپ رہی ہوتی۔"

وہ اطمینان سے پلٹا ان کو حیرت زدہ چھوڑ کر ان کے بقول نمایاں نظر آنے کے شوق میں کونے کی میز پر تنہا بیٹھی لڑکی کی طرف چل پڑا۔ ان کے حکم کی اس قدر فوری تعمیل ہوگی۔ ان کے علم میں ہوتا تو حکم ہی نہ دیتیں۔ وہ اس طرح چپ چاپ ہوتا تو عموماً "خفا ہوتا ہے" وہ فکر مند ہی ہو گئیں۔ وہ اس کے اٹھتے قدموں کے پیچھے جلتی نظروں سے اس کا تعاقب کرتی اس کے ارادے جانچنے کی کوشش میں مگن رہیں۔

انہوں نے دور ہی سے دیکھا اس نے پیپسی کا گلاس میز پر رکھا جیب سے موبائل نکال کر میز پر دھرا۔ وہ اس سے گفتگو تو کر رہا تھا لیکن قطعی لاتعلق نظر آتا تھا۔ اس کا اپنا بھی دھیان جیسے کہیں اور تھا۔

"کس قدر چالاک ہوتی ہیں یہ مڈل کلاس لڑکیاں۔ اعلیٰ رتبوں کے لڑکے پھانسنے کے سب گر ان کو آتے ہیں۔ وہ جانتی ہیں بے نیازی میں بڑی کشش ہے۔"

پھر وہ کسی طرف بلائی گئیں۔ فاروق نے دیکھا وہ وہاں نہیں تھیں۔ شاید وہ وہاں سے جیتے جی نہ ہلتیں اگر اس سے بڑی کسی ترغیب نے ان کو نہ کھینچ لیا ہوتا۔

"آپ سارہ حق کو کب سے جانتی ہیں؟"

یونہی اس نے سوچا۔ دیانت داری کا تقاضا ہے کہ اس کو بتا دیا جائے۔ وہ خبطی سا بوڑھا جو اس کی گیلری میں کھڑا جھک جھک کر رہا تھا۔ کوئی اور نہیں۔ اس قدر صاف گو انسان کے ساتھ ایسے چھل زیب نہیں دیتے۔ کیوں آیا تھا بتانے کی ضرورت نہیں۔ کم از کم آدھا سچ سہی اتنی اخلاقی جرات تو پیدا کرے۔ ویسے بھی تو وہ لوگوں کی شرط میں محض اتفاق سے ہی آگئی تھی۔

وہ آیا بھی اسی ارادے سے بیٹھا بھی لیکن پھر کسی وجہ کے بغیر اٹھ کر چلا گیا۔ اس نے سوچا کہ اس طرف متوجہ بھی نہیں ہوگا لیکن جب اس کی نظریں مجمع میں اٹھتیں بے اختیار اس رخ جاتیں۔ اس نے دیکھا وہ [illegible] بیٹھی تھی۔ پھر کھانا لگا تو وہ جھنجلائی سی نظر آنے لگی۔ اس کے دوست اس کے گرد جمع تھے اور [illegible] کے ساتھ ساتھ اس کی عزیز دوست۔ بہت قیمتی چیز کی طرح اس کو سنبھالتے۔ اس کا دھیان رکھتے۔ اس پر جان چھڑکتے۔

"جان دینے والے دوستوں کے سلسلے میں یہ خاندان بڑا خوش قسمت واقع ہوا ہے۔" اس نے رشک سے سوچا۔

اور جب اچانک پیش آجانے والے بڑے حادثے کے بعد ان کو چھوڑ آنے کی ذمہ داری اس نے از خود اٹھائی تو دوسری طرف سے کی جانے والی بداعتمادی نے اس کا سارا مزاج برہم کر دیا۔ بڑی شدت سے اس کا جی چاہا وہ ان دونوں کو سڑک پر پھینک کر ہاتھ جھاڑتا ہوا نکل جائے۔

تاؤ بھری اس فضا کو بڑی خوش اخلاقی سے [illegible] اس کی دوست بھی اسے کچھ خاص برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ اور جب وہ 80 الف کے گیٹ پر ان کو اتار رہا تھا تو اپنی جھنجلاہٹ سے زیادہ ان کی حماقت پر اسے غصہ آگیا۔ نہ ایڈریس پوچھا گیا نہ بتایا گیا۔ وہ ان کے لیے چونکا دینے والا تھا۔

"شکریہ میں چائے نہیں پیتا۔" شاید یہ جملہ ہی یادداشت میں کہیں محفوظ ہو۔

لیکن حافظہ بھی کچھ قابل رشک نہیں تھا اور ان دونوں کو پھراتی ہوئی ہو رہی تھی کہ وہ رسم نبھانے کو بھی نہ رک سکیں۔ بڑی تیزی میں اپنے گھر کی طرف واپس گاڑی دوڑاتے خود اس کی سمجھ میں نہیں آیا اس کو اتنا غصہ کس بات پر آگیا تھا۔

✿ ✿ ✿

وہ کسی ضروری کام سے بڑی تیزی میں ایڈیشنل کے آفس کی طرف جا رہا تھا جب طویل راہداری میں سامنے سے آتے شخص کو کسی دوسرے کمرے کی طرف مڑتے دیکھ کر لگا یہ چہرہ بہت مانوس تھا۔ اس حد تک کہ پسلیوں کے پیچھے کہیں اندر کچھ اتھل پتھل ہوتی محسوس ہوئی۔ وہ دونوں ہی دو مختلف کمروں کی سمت مڑ گئے۔ دوسری دفعہ جب وہ اس کے سامنے سے گزرا تو وہ [illegible] افراتفری میں نہیں تھا۔ اس لیے اس کو پہچاننے میں اسے کسی بڑی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

تیسری مرتبہ اس نے اس کو [illegible] روم میں فائلوں کا پلندہ سامنے رکھے بے زار بیٹھا دیکھا تھا۔ چوتھی مرتبہ اس نے خود کو ان کے گھر کے لان میں ان سب کے درمیان گپ شپ کرتے پایا۔ بہت دیر نہیں گزری تھی۔ جب اس نے ان سب کو دور سے دیکھا تھا۔ اور ان کی بے ساختہ خوشیوں میں شامل ہونے کی بے نام سی خواہش کی تھی۔ ایسی خواہش کی تکمیل کے لیے اس نے اللہ تعالیٰ سے بہت اصرار بھی نہیں کیا تھا۔ یونہی جیسے کوئی برسبیل تذکرہ ہی مانگ بیٹھے اور اس کی قبولیت پر بیٹھا حیران ہوتا ہو۔ وہ اپنے آپ میں مگن تھے اور کسی کی طرف متوجہ نہیں تھے۔

وہ ان کے درمیان آیا تو جیسے ان ہی کا حصہ تھا۔ بڑی کشادگی سے اپنے بیچ اس کے لیے جگہ نکال لی گئی جیسے جگہ پہلے سے موجود تھی وہ بس آیا اور اپنی نشست سنبھال کر بیٹھ رہا۔ جیسے وہ برسوں سے ان کے درمیان بستا آیا تھا۔ یوں جیسے کچھ دیر کے لیے کہیں گیا تھا لیکن بہرحال اپنا استحقاق رکھتا تھا۔

اور جب اس کو بتایا گیا کہ یہ قافلہ یہاں سے 80 الف کی طرف رواں ہوگا تو دعاؤں کی اس شدت سے قبولیت نے اسے خوف زدہ کر دیا۔

"تمہاری ملاقات ایسے خوب صورت آدمی سے کروائی جائے گی جس سے نہ ملنے کا تمہیں عمر بھر رنج رہے گا۔" جمال کی کمی اس بات پر وہ ختم کر گیا تھا گویا یہ رنج اگلی نسل تک چلے گا۔ کہیں کوئی خاتمہ بھی ہو۔

"تم ان سے مل کر نسلوں کا فرق محسوس نہیں کرو گے۔" آپ کے رضا نے کہہ دیا تھا۔

وہ گھر میں داخل ہوا تو ایک طوفان اس کے ساتھ اندر آیا تھا۔ کس قدر تو شور مچاتے ہیں یہ لوگ۔ جیسے سویا ہوا محل ہڑبڑا کر جاگ گیا ہو۔ یہ وہی مانوس در تھے۔ وہ جب اس کو لیے گیلری کی طرف چلے تو یہ سب کتنا دیکھا بھالا تھا جیسے وہ کل یہاں سے نکلا تھا اور آج پھر آگیا تھا۔ صرف اس فرق کے ساتھ کہ آج گھر کھانوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔

حمیرا کہیں آگے نکل گئی تھی وہ ہمیشہ سے تیز رو تھی۔ عبیر آہستہ قدم اٹھاتی پیچھے رہ گئی تھی۔ عثمان کسی دوسری سمت میں مڑا تھا جب کسی وجہ کے بغیر اس گیلری سے گزرتے ایک تصویر نے اس کے قدم روک دیے۔ اسے لگا وہ چوری کر رہا ہے۔ اتنے پیارے لوگوں کو دھوکہ دینا اچھی بات تو نہیں۔ لیکن اخلاق کے خود کو دیے اس درس کے باوجود اس کے پاؤں ہلنے سے انکاری تھے۔ وہ تیس سال قبل کے عہد میں چلا گیا تھا۔ عجیب تصویر تھی جو تاریخ ہی نہیں داستان بھی سناتی تھی۔

مخروطی شکل کی ایک لمبی سی میز کے گرد بیٹھے سب لوگوں کو تو وہ نہیں پہچانتا تھا۔ ہاں مگر ایک کے اس کی نظریں

گونجتی تھیں۔ اس کے ارد گرد کے شور میں چھپے کی آگئی تھی یا وہ خود کسی اور زمانے میں جا نکلا تھا "بینا" لمبے بالوں بکھرے ہوئے، روز تک آتی قلموں، تیکھی مونچھوں اور چھوٹے بڑے کالروں والا نوجوان وہاں موجود سب لوگوں سے زیادہ بھیلا تھا۔ یا کم از کم اس کو تو ایسا ہی محسوس ہوا۔ وہ سب سے جوشیلا بھی تھا۔ نوجوان بہت جوشیلے ہوں تو جلدی بوڑھے ہو جاتے ہیں۔ جوشیلا نوجوان اپنے مستقبل سے پُر امید لگتا تھا۔ پتا نہیں وہ اپنے ساتھیوں سے کیا کہہ رہا تھا۔

"ہم یقین کی فصل کاٹیں گے۔ ہمارا مقدر بدلنے کو ہے" یا ایسی ہی کوئی اور امید افزا خوش آئند بات۔ مستقبل میں کسی خوش خبری کی آس نہ ہوتی تو ان کا چہرہ اس طرح نہ دمکتا۔

ان کی امیدیں راکھ کا ڈھیر نہیں کی وہ جاتے تو اس قدر فعال دکھائی نہ دیتے۔ آنے والا کل پردے میں ہے تو آج کے دن کی جدوجہد جاری ہے۔ جدوجہد جاری رہے گی۔

تصویریں اس خاندان کا سرمایہ تھیں باوجود کسی احمقانہ کھیل کے ان کو ان سب پر فخر تھا۔

مگر اس کی تحریر نظریں صرف ایک تصویر پر گڑی تھیں۔ وہ سب منتظر تھے وہ کیا رائے دیتا ہے کہ بے ساختہ کسی ساتھ والے فریم پہ ایک چلتی نظر ڈال کر اس نے بڑی دلچسپی سے کہا۔

"ارے واہ یہ خاتون تو جون آف آرک لگتی ہیں۔"

وہ اپنی فرانسیسی سپاہ کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہوا تو اسے محسوس ہوا اس کا دل حلق میں آکر دھڑک رہا ہے جیسے کسی معصوم بے ضرر شکایت پر بچے کو اس کی سخت مزاج ٹیچر پرنسپل آفس گھسیٹ کر لے جاتی ہے۔ وہ ان کا سامنا کرنے کا کس قدر خواہش مند تھا مگر کتنا خوف زدہ۔

ایک آرام دہ کرسی پر گھٹنوں پر رکھی ایک انگلش کتاب سے وہ ان کے منتظر تھے۔ چشمے کے پیچھے سے جھانکتی سنجیدہ آنکھیں۔ جن سے ذہانت اور دکھ بیک وقت کوندتا تھا۔ ہلکی سی نرم پُرسکون مسکراہٹ سے چھلکتی آنکھیں۔ جن کا رنگ اس کے لیے قطعی اجنبی نہیں تھا۔ یہ آنکھیں ہر وقت اس کی نگہبانی کرتی تھیں۔

وہ ان سب کے درمیان کمرے میں داخل ہوا اب مانوس لوگوں سے ہٹ کر ان کی نگاہ اٹھی۔ لمحوں میں پہچان جانے کا ایک تاثر ابھرا۔ حیرت سے کچھ دیر وہ نگاہ اس پر ٹکی رہی۔ تعارفی مراحل سے گزرتے انہوں نے سرسری اس کی طرف دیکھا پھر پتا نہیں وہ کسی نتیجے پر پہنچے یا نہیں لیکن وہ چونک جانے والی نظر انہوں نے اس سے چھپائی تھی۔

انہوں نے کھانا مختصر کھایا اور بھری محفل سے اٹھ کر چلے گئے تھے۔ وہ ان کو تنگ کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن کر بیٹھا تھا۔

پھر جب وہ اپنے سعادت مند بچوں کو تاریخ کا ایک تاریک ترین باب سنا رہے تھے جیسے اپنے سامنے گزرتے واقعات کی کسی ماہر کیمرہ مین کی طرح منظر کشی کرتے ہیں اور ہر جذبے سے عاری تھا جیسے اس واقعہ میں ان کا ذکر محض ایک نسیب داستان کی طرح تھا۔ اپنی پشت پر لگے زخموں کا بے پروائی سے ذکر کر کے وہ اپنی کتابوں کی طرف پلٹ گئے تھے گویا وہ بربریت کے نشان نہیں پشت پر شوق سے بنوائے tatoos ہوں۔ اور نہیں جانتے کہ ان زخموں پر کون آبلہ چلتا رہا تھا۔ شاید جانتے تھے اور وہاں موجود شخص کو یاد دہانی کراتے تھے کہ کوڑے کچھ بہت اہم نہیں ہوتے ورنہ اس یاد دہانی کا کوئی موقع بھی نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ اپنے ڈیسک پر کسی نہایت اہم دستاویز پر بھی جان سے جُتا تھا جب اعجاز کے نام کے حروف اس کے موبائل

پر روشن تھے۔

جلدی میں گھسیٹا گیا ایک ایس ایم ایس۔

"کچھ لوگوں نے قیصر کو بری طرح زخمی کر دیا ہے۔ دعا کی التجا۔ ہم بہت پریشان ہیں۔" "ہم!"

اس نے ادھورا ڈرافٹ بریف کیس میں ٹھونسا۔ لیپ ٹاپ کا LID گرایا اور پی آئی اے کی لائن ملانے لگا۔

انجاز نے اس کو چلے آنے کے لیے نہیں صرف دعا کے لیے کہا تھا۔ سیٹ نہیں تھی اور کار کا سفر وقت مانگتا تھا۔ جانے کیوں اسے لگا کسی کو اس کی سخت ضرورت ہے۔ وہ "ہم" جو پریشان تھے ان میں سے کوئی ایک یا ہم سب لیکن اس سے ٹھہرا نہیں گیا۔ جلدی میں Leave بھیجتے اس نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ ایسا کوئی طریقہ ایجاد نہیں ہوا جس سے وہ اگلے منٹ وہاں ہوتا جہاں تک پہنچنے کے لیے اسے تیز ترین سواری میں بھی کچھ گھنٹے درکار تھے۔ مگر کہیں کوئی اس کے اندر کہتا تھا کوئی تنہا ہے پریشان ہے اسے فوری طور پر اس کے پاس ہونا چاہیے۔ کیوں؟ اس سوال کو اس نے درگزر ہی کرنا چاہا۔

اور واقعی وہ اکیلی تھی۔ ستا ہوا پیلا زرد چہرہ لیے گلوکوز کے ٹپکتے قطروں پر نظریں جمائے موت کے کھیل کو بوند بوند ٹپکتے دیکھتی۔ اس کی ہم زاد بھی اس کے ہمراہ نہیں تھی۔ ہر وقت اس کو گھیرے میں لیے اس کے دوست احباب عزیز۔ سب سے پرے۔ نیم تاریک ٹھنڈے یخ کمرے میں۔ سرخ کمبل میں لپٹے مریض کے سرہانے سر جھکائے بے آواز قدموں کی چاپ پر اس نے سر اٹھایا سایوس سا افسردہ۔

لمحہ بھر کو اس کو بڑا عجیب احساس ہوا۔ اسے کیا عورتوں کی طرح intution (وجدان) ہونے لگی تھی۔ اس کا جی چاہا وہ خود سے الجھے۔ جھگڑے بحث کرے آخر یہ کیا مذاق ہے۔

اور جب وہ غیر متوقع طور پر گھر پہنچا تو بابا نے دیکھا اس کا چہرہ وہ نہیں تھا۔

اپنے بازو پر سر رکھے کہانی سناتے وہ اس کے چہرے کے چاند کو تکتے تکتے سو جاتے تھے۔ صبح آنکھ کھلتے ہی سب سے پہلے نظر اس کی صورت پر ڈالتے۔

ان کو یہ چہرہ ازبر تھا۔ لیکن آج اس چہرے کی تحریر ان سے پڑھی نہیں جاتی تھی کسی اجنبی زبان میں لکھے نامانوس حرف...

"خیریت سے بے اطلاع آئے؟" انہوں نے جیسے بے پروائی سے پوچھا تھا۔

"میرا ایک دوست اسپتال میں ہے اسے دیکھنے آیا تھا۔"

"کیسا ہے وہ؟"

"ڈاکٹر بہت پُرامید نہیں۔ کچھ طالب علموں نے اس کی بری طرح پٹائی کی۔"

"تو اس قسم کی صحبت ہے تمہارے دوست کی؟" انہوں نے حیرت سے پوچھا تھا۔

"یہ بات نہیں۔ دراصل اختلاف رائے کا برداشت نہ کرنے کا [illegible] سا کلچر پیدا ہو گیا ہے۔"

"یہ کوئی آج کی بات تو نہیں۔ برداشت کا کلچر بھی [illegible]"

"کھانا کھایا آپ نے؟" وہ غسل خانے کی طرف جاتے جاتے رکا تھا۔

"فاروق!" جیسے اس کے سوال کو سرے سے اہم نہ سمجھ کر انہوں نے سکون سے پوچھا تھا۔ "کون کون تھا وہاں؟"

"کہاں؟" اس نے اس قدر انجان بن کر پوچھا جیسے ابھی ان کے درمیان کسی قسم کی گفتگو ہوئی نہیں تھی۔

"میں صبح صبح نکلوں گا۔ [illegible] کام تھا۔ ایسے ہی چھوڑ کر دوڑ آیا۔ اب تک میرے کولیگ میری غیر ذمے داری

پر ایک پوری کتاب لکھ چکے ہوں گے۔ مجھے خیال بھی نہیں تھا میں اس وقت یہاں ہوں گا۔"

"مگر مجھے تو تھا۔ میرا دل کہتا تھا جیسے تم پریشان ہو۔ تم آؤ گے۔ کیسی عجیب بات ہے جن سے ہم محبت کرتے ہیں ان کی پریشانی ان کی غیر موجودگی میں ہم تک کیسے پہنچ جاتی ہے؟"

وہ منہ دھو کر نکلا تھا۔ تولیے سے اس کے چہرے سے ٹپکتے پانی کو پونچھنے میں کیسی مدد کی۔

"کیا کرتے ہیں بابا! نئی بیاہی بیویوں کی طرح آپ کا [illegible]۔"

"اور تم پرانی بیاہی بیویوں کی طرح مجھے طعنے [illegible]۔"

ان دونوں نے گول برابر کر دیا تھا۔ کسی [illegible] کا حساب نہیں رہا تھا۔ وہ موزے بوٹ اتارتے جیسے دن بھر کی تھکن اتارنے لگا۔ کرسی پر نانگیں پسارے لیٹے اس نے بند آنکھوں سے بابا کو آواز دی تھی۔

"بابا! یہ نمبر آپ کب سے دیکھ [illegible]"

"جب سے ہوش سنبھالا [illegible] ہے۔"

"کون کیا کہتی ہے [illegible] آنکھیں کھول دیں۔"

"نہیں اور کون [illegible]"

"بابا! آج [illegible] ہیں۔ کھانا کھایا یا نہیں۔ اس کا جواب ابھی تک نہیں دیا آپ نے۔"

"میں [illegible] ہوتا ہوں۔ ایسے ہی تو لوگ مجھے سودائی نہیں سمجھتے لیکن میرا پاگل پن کہتا ہے آج تمہارا [illegible] ہے۔"

"[illegible] تو نکال لیا ہے فٹ پاتھ پر بیٹھ کر فال نکال رہے ہیں۔ سنگ دل محبوب قدموں میں۔"

"اچھا! محبوب سنگ دل ہے؟"

"اوہو بابا! یہ محبوب کہاں سے آ گیا۔" وہ اب سچ مچ جھنجلانے لگا تھا۔

"کہاں سے آ گیا بتاؤ؟"

"اب آپ درمیانی بیاہی بیویوں کی طرح کھوج میں بھی رہنے لگے ہیں۔"

"چلو تفصیل سے بتاؤ۔ آج کا دن کیسے گزرا؟"

"جی بہتر۔" اس نے سعادت مندی سے کہا۔ "میں پنڈی کے راستوں کا Layout دیکھ رہا تھا۔ RM کہتا تھا کیمپ چوک سے قافلے کو گزرنے دیا جائے کیونکہ ساؤتھ میں جو گنجان آباد بستیاں ہیں۔"

"ہش۔ آگے چلو۔"

"ایک ڈرافٹ کی تیاری کی۔ ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔"

"next" (اگلا) بابا نے پھر مختصر کہا۔

"میرے پاس ایک میسج آیا۔ میں نے پی آئی اے فون کیا۔ کوئی فلائٹ نہیں تھی اور شام میں جو فلائٹ تھی اس میں سیٹ نہیں تھی۔ میں نے گاڑی نکالی۔ بھاگتا دوڑتا اسپتال پہنچا۔ کیسے Next؟"

"نہیں! جاری رکھو۔"

"اس کے بعد کیا جاری رکھوں اس کے سوا کہ قیصر شدید زخمی تھا۔ وہ پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا اس کو ڈرپ لگی ہوئی تھی اور عیبو عباس اس کے پاس تنہا بیٹھی تھیں۔"

وہ کچھ دیر اپنے companion اور پائپ سے کھیلتے رہے۔ جیسے اچانک ان کا سارا دھیان اس دلچسپ شغل کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ اور عین اس وقت جب وہ اطمینان کا ایک گہرا سانس لینے ہی لگا تھا کہ اچانک پائپ رکھ کر انہوں نے سیدھا اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"قیصر کے اور تمہارے دوست کا سن (شترک) ہیں کیا؟"

"قیصر میرا دوست نہیں ہے۔ میں اس کو محض سارہ حق کے حوالے سے جانتا ہوں۔ اور یہ آج آخر میں کٹہرے میں کیوں کھڑا ہوں والد صاحب؟"

"اس لیے کہ جب میں بہت خوش ہوتا ہوں تو لوگوں کو کٹہرے میں لے آتا ہوں۔ اور خوش کیوں ہوں اس لیے کہ زندگی میں پہلی دفعہ میں نے تمہارے چہرے پر جو رنگوں کی بہار دیکھی ہے اس سے پہلے اس بیابان میں کبھی نہیں کھلی تھی۔ تمہاری ماں کا خیال تھا میرے جیسے خشک اور جنونی آدمی کے ساتھ رہتے تم میں محبت کے سوتے خشک ہو گئے ہیں۔ اور مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میرا بیٹا بنجر نہیں ہے۔"

فاروق کے ہاتھ سے جیسے دفاع کے سارے ہتھیار ڈھے گئے تھے۔ وہ کب سے اس طرح کھلے میدان میں کھڑا تھا۔ تیز شعاعوں میں روشن چمکتا ہوا۔ وہ اس قدر آسان زبان میں لکھا گیا تھا یا کسی ادق زبانوں کے ماہر کے آگے بے دھیانی میں لا ڈالا گیا تھا۔ اس کا ذرہ ذرہ بکھر ٹوٹ رہا تھا۔ کڑی کڑی بکھرتا۔ اس نے ان ٹکڑوں کو سمیٹنے کی کوئی جدوجہد بھی نہیں کی۔

"میں یہ تو نہیں پوچھوں گا۔ اس کی شکل صورت کیسی ہے کیونکہ یہ تمہاری ماں کا ڈیپارٹمنٹ ہے۔ مجھے اتنا بتاؤ تم حد سے حد اسے کیا خوشی دے سکتے ہو۔ اگر تمہیں اختیار دیا جائے اس کی کوئی ایک خواہش پوری کرو تو تم اس کی کون سی خواہش چنو گے؟"

"ان کی خواہشیں کچھ مختلف سی ہیں۔ کچھ اور۔ کم از کم ان کی خواہش میں نہیں۔"

"وہ کچھ اور خواہشیں کون سی ہیں چلو یہی بتا دو۔"

"مثلاً" وہ پی ایچ ڈی کرنا چاہتی ہیں مگر ان کے گریڈز اچھے نہیں۔ وہ جاب کی خواہش مند ہیں لیکن شاید ان کو جاب بھی نہ ملے۔"

"ہمارے زمانے میں تو جب لڑکے عشق کرتے تھے تو بھاگے بھاگے انارکلی جاتے تھے جہاں ایک صاحب نذیر بیس رائٹنگ پیڈ سینے سے لگائے پاپیادہ آواز لگاتے تھے اور بیچتے تھے۔ ایک سے ایک حسین پیڈ سہ رنگے لفافے خرید کر اور ان کو عود عنبر کی خوشبو میں بسا کر۔ لیکن صاحب زادے تو ان کو کسر روئی میں بسا کر مگن ہیں۔ خیر اس میں بھی حرج نہیں۔ جاؤ سونے کی تیاری کرو صبح صبح تمہاری روانگی ہے۔"

ان کے حکم کے بموجب وہ دروازے تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ ان کی تنبیہہ کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"اور یہ سارہ حق کا کیا قصہ ہے؟ خیال رکھنا قابت بری شے ہے۔"

"لاحول ولا بابا! آپ بھی کمال چیز ہیں۔" وہ بری طرح گڑبڑا گیا تھا۔

"اور ہاں بات سنو۔" انہوں نے اسے باہر نکلتے نکلتے ایک دفعہ پھر روک لیا تھا۔

"اور اب کیا ہے؟" وہ چوکھٹ تھامے جیسے بوکھلایا کھڑا تھا۔

"خوش رہو۔"

اچانک جیسے کہیں سے گھٹا امنڈ کر آئی تھی۔ چاروں طرف برستی نرم نرم پھوار ان دونوں کی آنکھوں میں آتی برسات کی ہلکی نمی اتر آئی۔

"اب شاید تم میری اس عجیب و غریب محبت کا انداز بھی سمجھ سکو۔"

(باقی آئندہ ان شاء اللہ)

"میں سوچ رہی ہوں کل اپنے گھر کا چکر لگا لوں، بہت دن ہو گئے ہیں ماما پاپا سے ملے ہوئے۔" میں کسی کام سے عماد کے کمرے کے سامنے سے گزر رہی تھی کہ ثناء کی آواز کانوں میں پڑی۔

"تو یہ اپنے گھر جانے کا پروگرام … ہے حالانکہ میں نے آج صبح ہی اس سے … عائشہ اور نادیہ کے آنے کا … مجھے کچھ ملال سا ہوا کہ ثناء نے دونوں … کوئی اہمیت ہی نہ دی تھی اور … قدموں میں سستی سی آگئی۔

"یہ اپنے گھر … تمہاری کیا مراد ہے۔ اب جناب کا گھر …" عماد کی اگلی بات سن کر تو میرے قدم … فطری تجسس غالب آیا کہ دیکھو ثناء کیا … اب بتی ہے۔

"چلیں آپ کا دل رکھنے کو مان لیتی ہوں کہ یہ بھی میرا گھر ہے۔" ثناء نے کچھ لاپروائی سے جواب دیا تھا۔

"میرا دل رکھنے کو کیوں بھئی؟ کیا تم نے ابھی تک اس گھر کو دل سے اپنا گھر تسلیم نہیں کیا؟" عماد نے حیرانی سے استفسار کیا۔

"اگر سچ کہوں تو عماد! ابھی تک تو مجھے اپنا آپ اس گھر میں قدرے اجنبی ہی لگتا ہے۔"

ثناء نے صاف گوئی سے جواب دیا اور اس کا جواب سن کر میں شدید دکھ کی لپیٹ میں آگئی۔ دو ماہ ہونے کو آئے تھے عماد اور ثناء کی شادی کو۔ کتنا خیال رکھ رہی تھی میں بہو کا اور وہ کہہ رہی تھی کہ اسے اپنا آپ اس گھر میں اجنبی لگتا ہے۔ عماد میرا اکلوتا اور لاڈلا بیٹا تھا۔ دو بیٹیوں کے بعد ایک مردہ بیٹے کو جنم دے کر میں شدید ڈپریشن کا شکار تھی۔ میرے سارے بچے سیزیرین تھے۔ ڈاکٹرز کہتے تھے کہ ایک اور بچے کا مطلب ایک اور آپریشن ہے جو بچے کے ساتھ ساتھ میرے لیے بھی رسکی ثابت ہو سکتا ہے۔ مگر میں نے بیٹا پانے کے لیے ہر قسم کا خطرہ مول لینے کا فیصلہ کیا۔ حالانکہ احسان کی جانب سے مجھ پر کوئی دباؤ نہ تھا۔ وہ صبر شکر کے ساتھ سارا پیار بیٹیوں پر ہی لٹا رہے تھے۔ خیر بیٹیاں کم پیاری تو مجھے بھی نہ تھیں۔ مگر بیٹے کی خواہش مجھے کسی طور چین نہ لینے دیتی۔ شاید یہ خواہش ہر عورت کی فطری خواہش ہوتی ہے۔ مگر میرے اندر یہ خواہش اس لیے بھی توانا تھی کہ اللہ نے بھائی جیسی نعمت سے بھی نہ نوازا تھا۔ سو شادی کے بعد میں جب بھی امید سے ہوتی اللہ سے دامن پھیلا پھیلا کر بیٹے کی دعا مانگتی۔ ناجیہ اور عائشہ کے بعد اللہ نے بیٹا تو دیا مگر وہ دنیا میں آکر ایک سانس بھی نہ لے پایا۔

میں شدید ڈپریشن میں مبتلا ہونے کے باوجود ایک آخری کوشش کرنا چاہتی تھی۔ میری صحت اور ڈاکٹروں کے مشوروں کے پیش نظر احسان اب اور بچے نہیں چاہتے تھے مگر میری ضد کے آگے انہیں ہتھیار ڈالنے پڑے یا ہو سکتا ہے ان کے دل کے نہاں خانے میں بھی بیٹے کی خواہش موجود ہو۔ خیر دل کے بھید اللہ ہی جانے پر اللہ نے اس بار مجھ پر اپنے کرم کی انتہا کر دی۔

ایک طویل انتظار کے بعد صحت مند گول مٹول سا عماد میری گود میں آیا تو جیسے میری تشنہ خواہشات سیراب ہو گئیں۔ میں نے اس پر اپنی ممتا کے خزانے لٹا دیے۔ مگر خدا کا شکر کہ بے جا لاڈ پیار اور اکلوتے پن کے باوجود میرا عماد بگڑا نہیں بلکہ اتنا سمجھ دار ثابت ہوا کہ دور و نزدیک کے لوگ اس کی فرماں برداری کی مثال دیتے اور جب اس کی شادی کا وقت آیا تب بھی اس نے اپنی ازلی فرماں برداری سے میری پسند پر سر جھکا دیا۔

ثناء میری بیٹی عائشہ کے چچا سسر کی بیٹی تھی۔ پڑھی لکھی تھی، خوب صورت تھی، پھر آج کل کی لڑکیوں کی طرح نہ اوٹ پٹانگ فیشن کا شوق تھا نہ ٹیڑھا کر کے انگریزی بولنے کا خبط۔ میں نے تو جب بھی اسے دیکھا اس کی شخصیت کے ٹھہراؤ اور متانت نے متاثر ہی کیا۔ عائشہ اور ناجیہ کو بھی وہ بہت پسند تھی۔ احسان نے تو سب بچوں کی شادیوں کا اختیار مجھے سونپ ہی رکھا تھا۔ رہا عماد تو وہ بھی ہماری پسند پر راضی تھا۔

میں نے عائشہ سے کہا کہ وہ اپنے چچا سسر کے گھر عماد کے رشتے کی بات چھیڑے۔ وہاں سے مثبت عندیہ ملے تو ہم باقاعدہ رشتہ ڈالیں۔ اور میرے عماد میں بھلا کس چیز کی کمی تھی جو وہ لوگ کسی قسم کا تردد کر [illegible] رسمی طور پر سوچنے کی مہلت مانگ کر انہوں نے ہاں کر دی۔ میں نے منگنی کے جھنجٹ [illegible] بجائے ثناء کے والدین سے [illegible] بھی مانگ لی۔ دونوں بیٹیوں کی [illegible] اب گھر کا سونا پن مجھ سے برداشت [illegible] ایک سلونی سی شام کو ہم [illegible] ثناء کو رخصت کروا کر اپنے گھر لے آئے۔

مہینے ہونے کو آئے تھے عماد اور ثناء کی شادی کو۔ [illegible] دونوں ہی خوش باش تھے اور ظاہر ہے میں بھی [illegible] ثناء نے ابھی تک تو میرے انتخاب کو غلط ثابت نہیں کیا تھا۔ اچھے سلجھے ہوئے مزاج کی بچی تھی۔ بہت جلد ہم سب میں گھل مل گئی۔ مگر آج اس کی بات سن کر مجھے حیرت بھی ہوئی اور افسوس بھی۔ وہ ابھی تک اس گھر کو اپنا گھر نہ سمجھ پائی تھی۔ حالانکہ میں تو اپنی دانست میں اس کا بہت خیال رکھ رہی تھی۔

احسان بھی بے ضرر سے سسر تھے۔ میرا عماد بھی بہت چاہنے والا اور خیال رکھنے والا شوہر ثابت ہوا تھا۔ ایسے میں ثناء کی بات سن کر میرا بھی دکھنا لازمی امر تھا اور شاید عماد بھی اسی کیفیت سے دوچار تھا۔ جب ہی اس نے دکھ بھرے لہجے میں ثناء کو مخاطب کیا۔

"میرا تو خیال تھا کہ تم اس گھر میں بہت مطمئن اور خوش ہو؟"

"افوہ عماد! آپ نے بھی بات کہاں [illegible] دی۔ میں نے کب کہا کہ میں مطمئن [illegible] ہوں۔ اللہ کا شکر ہے بہت خوش ہوں [illegible] سے شادی کے بعد۔" ثناء نے [illegible]

"پھر تم نے [illegible] کہا کہ اس گھر میں تمہیں اپنا آپ اجنبی لگتا ہے؟" عماد [illegible] جرح کے موڈ میں تھا۔

"دیکھیے [illegible] کہوں گی اور آپ اسے الٹا لیں [illegible] لوگ کہ شوہر کو صرف شوہر سمجھنا [illegible] دوست سمجھ کر اس سے اپنی فیلنگز شیئر [illegible] کرنی چاہئیں۔ بہت نازک رشتہ ہوتا ہے یہ۔"

"میرے جیسے دوستانہ مزاج والے شوہر کے متعلق ایسی بات کہہ رہی ہو۔ بہت افسوس کی بات ہے۔" عماد نے مصنوعی تاسف کا اظہار کیا۔

"اس میں تو کوئی شک نہیں عماد کہ آپ جیسا فرینڈلی شوہر کوئی کوئی ہوتا ہے۔ میں اپنی قسمت پر جتنا بھی رشک کروں کم ہے۔" ثناء نے اعتراف کیا تھا۔

"یعنی اس گھر میں میری ذات سے تمہیں کوئی شکایت نہیں۔ ٹھیک گاڈ! پھر کس وجہ سے اجنبیت فیل کرتی ہو، کیا امی یا بابا نے کبھی کچھ کہا؟" عماد کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

اور بیٹے، بہو کی باتیں چوری چھپے سننا انتہائی غیر اخلاقی حرکت تھی مگر فطری تجسس آڑے آ رہا تھا۔ میں وہیں کونے میں کھڑی ثناء کے جواب کا انتظار کرنے لگی۔

"ایسی کوئی بات نہیں عماد! امی، بابا دونوں ہی میرا بہت خیال رکھتے ہیں، لیکن نیچرل سی بات ہے میں

جس گھر میں [illegible] چوبیس سال گزار کر آئی ہوں اس کی یاد اتنی جلدی دل سے تو نہیں جا سکتی۔ ایڈجسٹ ہوتے ہوتے وقت تو لگتا ہی ہے۔" ثناء شاید بات ٹالنا چاہ رہی تھی۔

"اور کتنا وقت ثناء؟ دو ماہ ہونے کو آئے ہیں ہماری شادی کو۔ اب تو تمہیں یہ گھر اپنا اپنا سا لگنا چاہیے یار!" عماد نے دوستانہ انداز میں اسے مخاطب کیا۔

"اپنا اپنا سا لگنے اور اپنا گھر ہونے میں بہت فرق ہے عماد! اور اپنے گھر کی خواہش تو شاید ہر عورت کی بڑی فطری سی خواہش ہوتی ہے۔ ایسی سلطنت جس کی وہ بلا شرکت غیرے مالک ہو۔ سیاہ کرے یا سفید کوئی پوچھنے والا نہ ہو، اپنی مرضی، اپنا راج، نہ کوئی روک ٹوک، نہ پابندی، ہر فیصلہ کرنے میں خود مختار۔"

ثناء اپنی ہی دھن میں بولے جا رہی تھی اور میرا دل سکڑ کر مٹھی میں آگیا۔ اکلوتے بیٹے کی ماں ہونا بھی کتنی بڑی آزمائش ہے۔

"میں تو تمہیں اپنے گھر، اپنی سلطنت کی رانی سمجھتا ہوں جان من!" عماد نے مسکرا کر اسے مخاطب کیا۔

"نہیں جناب! اس سلطنت کے راجہ آپ نہیں بلکہ آپ کے بابا ہیں اور ہماری امی جان، وہ اس گھر کی مختار کل ہیں۔ ہم سب تو رعایا ہیں۔"

ثناء نے بھی ہنستے ہوئے جواب دیا تھا۔ چند لمحوں کے لیے عماد خاموش ہو گیا۔ میں بے چینی سے منتظر تھی کہ آگے عماد کیا کہتا ہے اور جب چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بولا تو گویا میرے اندیشوں سے دھڑکتے دل کو کچھ قرار سا آگیا۔

"دیکھو ثناء! میں کوشش کروں گا کہ اپنی ذات سے تمہیں کسی دکھ، کسی تکلیف میں مبتلا نہ کروں، اس گھر میں تمہیں ایک پر آسائش زندگی فراہم کروں۔ میری محبت میں تم کبھی کوئی کمی نہ پاؤ گی۔ جہاں تک امی، بابا کا تعلق ہے تو فی الحال تو وہ دونوں ہی تمہارے ساتھ بہت اچھے ہیں، لیکن اگر کبھی، تمہیں ان کے رویے سے

کوئی شکایت بھی ہوئی تو تمہیں میری خاطر چھوٹی موٹی باتوں کو درگزر کرنا ہوگا۔ میں اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا کہ انہیں چھوڑ کر کسی الگ آشیانے کی بنیاد رکھوں گا۔ اگر تمہارے ذہن کے کسی گوشے میں بھی الگ گھر کی خواہش ہے تو بہتر ہے اس خواہش کو ابھی ذہن سے جھٹک دو۔ اب تم اسی گھر کو اپنا گھر سمجھنے کی کوشش کرو شاہ۔"

عماد نے اس بار گہری سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا۔ مجھے اس پر بے ساختہ پیار آیا تھا۔ میرا بیٹا، میرا فخر، میرا مان، میری کل زندگی کا اثاثہ، سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے عماد سے اس فرماں برداری کی توقع نہ تھی۔ شادی کے بعد شروع میں تو سب ہی بیویوں کا خمار سر چڑھ کر بولتا ہے۔ مگر اس نے کیسے دو ٹوک الفاظ میں شاہ پر واضح کر دیا تھا کہ شاہ اگر چاہے گی بھی تو وہ اسے لے کر الگ نہیں ہوگا۔ میرے رگ و پے میں سکون اور طمانیت کی لہریں اترنے لگیں، لیکن اب مجھے شاہ کے جواب کا انتظار تھا۔ جانے کیوں وہ چپ ہو گئی تھی اور اسی لمحے عماد نے بھی یہی بات پوچھ ڈالی۔

"کیا بات ہے شاہ! چپ کیوں ہو گئی ہو، میری بات بری لگی کیا؟"

"نہیں عماد! مجھے آپ کی بات ہرگز بری نہیں لگی، بس تھوڑا سا افسوس ضرور ہوا ہے۔" اس نے گہری سانس اندر کھینچتے ہوئے کہا۔

"کیسا افسوس؟" عماد نے پوچھا۔

"یہی کہ آپ مجھے کتنا غلط سمجھے، میری امی کہتی تھیں کہ شاہ تیری زبان کے آگے خندق ہے، بنا سوچے سمجھے بولتی ہے۔ سچ کہتی تھیں امی! میرا کہنے کا ہرگز وہ مطلب نہیں تھا جو آپ سمجھے ہیں۔ میں آپ سے اپنی بالکل دلی اور اندرونی فیلنگ شیئر کر رہی تھی، بغیر کسی لاگ لپیٹ اور جھوٹ کی آمیزش کے، لیکن مجھے میری تعلیم اور تربیت نے اتنا شعور ضرور دیا ہے عماد! [illegible] جائز اور ناجائز خواہشات اور مطالبات [illegible] کر سکوں۔ آپ اس گھر کے اکلوتے [illegible] ہیں۔ اپنی ماں باپ کی امیدوں کا محور و مرکز ہیں۔ آپ کو ان سے الگ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی، لیکن اگر آپ اکلوتے نہ بھی ہوتے تب بھی میں کبھی آپ سے علیحدہ گھر کا مطالبہ نہ کرتی۔ کسی ماں کے اگر چھ بچے ہوں تو وہ چھ کے چھ اس کے جگر کا ٹکڑا ہوتے ہیں۔ وہ عورتیں بہت نادان اور کم عقل ہوتی ہیں جو خواہشات کی پٹی آنکھوں پر چڑھا کر جائز اور ناجائز کا فرق بھلا دیتی ہیں۔ میں اگر یہ نہیں چاہ سکتی کہ میرے بھائی، میرے ماں باپ سے الگ ہو جائیں یا کل کلاں کو میرے بچے مجھ سے دور چلے جائیں تو میں آپ سے یہ مطالبہ کیسے کر سکتی ہوں کہ آپ اپنے والدین کو چھوڑ کر میرے ساتھ ایک علیحدہ گھر کی بنیاد رکھیں؟ آپ مجھے بہت غلط سمجھے عماد! میں نے آپ سے صرف ایک فیلنگ شیئر کی تھی۔ ایک سچائی کہ سسرال میں عورت کو ایڈجسٹ ہونے کے لیے ایک طویل عرصہ درکار ہوتا ہے۔ میں نے خدانخواستہ آپ کے سامنے کوئی مطالبہ یا فرمائش نہیں رکھی تھی۔"

عماد کی طرف سے بات کو غلط رخ دیے جانے پر شاہ دکھی ہو گئی تھی۔ عماد بھی شرمندہ ہو گیا۔

"سوری شاہ! تمہاری باتوں سے میں واقعی یہ سمجھا کہ تم الگ رہنے کی خواہش مند ہو [illegible] اور بیویاں۔"

عماد اب جانے کیا کہہ رہا تھا [illegible] بات پوری ہونے کا انتظار کیے بنا [illegible] زیادہ دیر پہلے مجھے اپنے بیٹے اور [illegible] ہو رہا تھا اور اب اپنے [illegible] سمجھے ہوئے خیالات کی مالک تھی میری [illegible] بلاوجہ ہی کچھ دیر پہلے اس سے بدگمان ہو [illegible]۔ حالانکہ جو بات اس نے کہی اس میں [illegible] سچائی تھی۔ سسرال میں رہتے ہوئے کون عورت ایسی ہوگی، جس کے دل کے نہاں خانوں میں اپنے گھر کی خواہش موجود نہ ہو، اپنا گھر جس کی وہ بلا شرکت غیرے مالک ہو۔

شاہ کی بات سن کر میرے ذہن میں ایک بھولی بسری یاد تازہ ہو گئی۔ اپنی شادی کے شروع کے دنوں میں میں نے بھی احسان سے کچھ اسی قسم کی بات کی تھی اور وہ [illegible] بہت بری طرح ناراض ہوئے تھے۔ حالانکہ اس وقت میری بات میں بھی مطالبے کا رنگ شامل نہیں تھا۔ لیکن شاید ہماری نسل میں موجودہ نسل کی طرح اپنا مافی الضمیر ٹھیک طریقے سے بیان کرنے کی [illegible] نہ تھی اور کچھ قصور نہ ہوتے ہوئے بھی مجھے احسان سے معافی مانگنی پڑ گئی تھی۔

✿ ✿ ✿

عماد کی طرح احسان بھی [illegible] والدین کے بہت فرماں بردار تھے اور [illegible] بیٹے ہونے کی وجہ سے بہت چہیتے [illegible] بہو ہونے کے ناطے میرے بھی [illegible] اٹھائے گئے۔ میرے مرحوم سسر تو خیر [illegible] انسان تھے۔ ساس [illegible] کچھ تیز تھا، لیکن دل کی وہ بھی بری نہ تھیں۔ ہمارے درمیان کبھی روایتی ساس، بہو والی [illegible] نہ ہوئی۔ چھوٹی نند اور دیور بھی مجھے بڑی بھابھی کا رتبہ اور مان دیتے تھے، یعنی مجموعی طور پر میں کہہ سکتی تھی کہ میری سسرال ایک مثالی سسرال ہے، پھر بھی کبھی کبھار جی چاہتا کہ کوئی ایسا گھر ہو، جہاں میرے اور احسان کے سوا کوئی تیسری ہستی نہ ہو۔ ایسا گھر جہاں صرف میری مرضی چلے، میں اپنی مرضی سے سوؤں، جاگوں، اپنی پسند کا پکاؤں، جی نہ چاہے تو پکا پکایا بازار سے منگواؤں، روز شام کو احسان کے ہمراہ اسکوٹر پر بیٹھ کر سیر سپاٹے پر جاؤں۔ جو دل چاہے پہنوں، اوڑھوں، بس اسی طرح کی لاتعداد چھوٹی چھوٹی خواہشات تھیں جو اس زمانے میں بہت بڑی لگتی تھیں اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ خواہشات ایسے غیر محسوس طریقے سے پوری ہوتی گئیں کہ مجھے اندازہ تک نہ ہو سکا۔

دیور، نندوں کی شادیاں ہو گئیں، ساس سسر اپنی طبعی عمر پوری کر کے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اب میں واقعی اپنی راجدھانی کی ملکہ تھی، لیکن اب اس ملکہ کو راج کرنے کی فرصت ہی کہاں تھی۔ اس کی جان کو سو جھنجھٹ [illegible] تھے۔ بڑھتی عمر کے بچوں کی ذمہ داریوں نے مجھے [illegible] کر رکھ دیا تھا۔ دونوں بچیوں کو تو [illegible] کے قریب ہی ایک اچھے انگلش میڈیم اسکول میں داخل کروایا تھا، البتہ عماد کو اسکول داخل کروانے کا وقت آیا تو میں نے احسان سے ضد کر کے اسے شہر کے سب سے بہترین اور مہنگے اسکول میں داخلہ دلوایا۔ اسکول شہر کے آخری سرے پر تھا۔ عماد کی وین صبح ساڑھے چھ بجے ہی ہارن دیتی چلی آتی۔

مجھے اب بھی پہلے کی طرح منہ اندھیرے ہی اٹھنا پڑتا۔ عماد اسکول چلا جاتا تو میں بچیوں کو تیار کر کے اسکول چھوڑنے نکلتی، حالانکہ اسکول زیادہ دور نہیں تھا، لیکن بچیوں کو اکیلے بھیجنے پر میرا جی راضی نہ ہوتا۔ بچیاں عمر کے نازک دور سے گزر رہی تھیں، مجھے عجیب و غریب خدشے اور وہم ستاتے۔ احسان ان معاملوں میں کچھ لاپروا سے تھے، ویسے تو وہ بہت اچھے شوہر اور باپ تھے، لیکن بچوں کی تعلیم و تربیت کی ساری ذمہ داری میرے کندھوں پر تھی۔ گھر کے لاتعداد کاموں کے ساتھ مجھے شام کو بچوں کے ساتھ ان کے ہوم ورک میں بھی سر کھپانا پڑتا کہ بچوں کو ادھر ادھر ٹیوشن بھیجنے کو میرا جی نہ مانتا اور بڑی بات تو یہ ہے کہ جیب ہی اجازت نہ دیتی۔ احسان کی تنخواہ جو کسی زمانے میں بہت معقول لگتی تھی اب کچھ محدود سی لگنے لگی تھی۔ گھر کے خرچے ہی مشکل سے پورے ہوتے، پھر آئے دن خاندان میں کوئی نہ کوئی تقریب یا فنکشن منعقد ہوتا رہتا۔ جب تک ساس زندہ تھیں خاندان برادری کی خوشی غمی کو نمٹانا ان ہی کی ذمہ داری تھی۔ احسان اور دونوں چھوٹے دیور ان کے ہاتھ پر تنخواہ رکھ کر فارغ ہو جاتے۔ بھرے پرے کنبے کا خرچ وہ اتنی خوش اسلوبی سے کیسے چلاتی تھیں، میں اب سوچتی بھی تو حیرت ہوتی۔ میں تو دانتوں سے پکڑ پکڑ کر پیسہ خرچ کرتی پھر بھی مہینہ پورا کرنا مشکل ہو جاتا۔

احسان کو بھی مہنگائی، بڑھتے اخراجات اور محدود آمدنی کا اندازہ ہو چلا تھا۔ انہوں نے نوکری کے ساتھ ساتھ کاروبار کرنے کا فیصلہ کیا۔ دوست احباب کے مشورے سے کاروبار کا آغاز کیا۔ جو بھی جمع جتھا تھا سب اس میں لگا دیا۔ شروع کے چند مہینوں میں ٹھیک ٹھاک منافع ہوا۔

احسان نے نوکری چھوڑ کر ساری توجہ کاروبار کی جانب ہی مبذول کر دی۔ یوں لگنے لگا کہ اب زندگی کی گاڑی سبل انداز میں چلنے لگی ہے۔ مگر پھلتے پھولتے کاروبار کو جانے کس کی نظر لگی کہ مسلسل نقصان ہونے لگا۔ ہر بار یہ سوچ کر اپنے پیسے کاروبار میں رقم ڈالتے رہے کہ منافع سمیت رقم بھی واپس مل جائے گی مگر سارا سرمایہ ڈوبتا گیا' حتیٰ کہ میرے زیور تک بیچنے کی نوبت آگئی۔ بہت کڑا وقت تھا۔ مشکل وقت میں لوگ کیسے آنکھیں بدلتے ہیں' ان دنوں یہ تجربہ بھی ہو گیا۔

کاروبار سے مایوس ہو کر احسان پھر سے نوکری تلاش کرنے لگے' پھر ان دنوں دبئی سے احسان کا ایک پرانا دوست رحمت کا فرشتہ بن کر آیا۔ اس نے احسان کو پارٹنر شپ کی آفر کی۔ سرمایہ اس کا محنت احسان کی اور منافع آدھا آدھا اور اس بار اللہ نے کاروبار میں ایسی برکت ڈالی کہ اگلے پچھلے سارے دلدر دور ہو گئے۔ مالی آسودگی حاصل ہوئی تو کچھ اور طرح کے مسائل سر اٹھا کر کھڑے ہو گئے۔

مناسب عمر میں بیٹیوں کو گھر بار کا کرنا کس ماں کا خواب نہیں ہوتا۔ عائشہ اور ناجیہ کے تعلیمی مراحل تقریباً طے ہونے والے تھے میں چاہتی تھی کہ جلد از جلد دونوں کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔ عائشہ بڑی بیٹی تھی۔ میری پہلی ترجیح اس کا رشتہ طے کرنا تھی لیکن عائشہ کا قد قدرے چھوٹا تھا' رنگ [illegible] صاف تھی مگر ناجیہ کے مقابلے میں قدرے [illegible] ناجیہ ماشاء اللہ بہت خوب صورت [illegible] کی اٹھان' گورا رنگ اور تیکھے نقوش۔ جو بھی رشتہ عائشہ کے لیے آتا' وہ ناجیہ کے لیے دست سوال دراز کر دیتا۔ پریشانی سے میری راتوں کی نیندیں اڑ گئی تھیں' مجھے ڈر لگنے لگا کہ لوگوں کے طرز عمل سے میری ہنستی مسکراتی پر اعتماد سی عائشہ کہیں احساس کمتری کا شکار نہ ہو جائے یا دونوں بہنوں میں جو بے تحاشا محبت ہے کہیں اس میں دراڑ نہ پڑ جائے۔

اللہ سے رو رو کر عائشہ کے نصیب کھلنے کی دعائیں کرتی' حالانکہ ابھی اس کی عمر نکلی نہیں جا رہی تھی مگر میرے دل کے اندر خوف کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ احسان سمجھاتے بھی کہ جس سے بھی اس کا نصیب جڑنا ہے جڑ جائے گا۔ مناسب وقت آنے پر اللہ خود ہی کوئی سبب یا وسیلہ بنا دے گا اور پھر وہ مبارک وقت بھی آگیا۔ احسان کی دور پرے کی رشتے کی خالہ کسی شادی میں شرکت کے لیے ہمارے شہر آئیں۔ بہت عرصے سے ان کے خاندان سے کسی قسم کا میل جول نہ تھا' بھاگتی دوڑتی زندگی کی مصروفیت نے ایک دوسرے سے غافل کر رکھا تھا' حالانکہ خالہ کی منجھلی بیٹی اور داماد بھی اسی شہر میں مقیم تھے۔ بس خالہ کا آنا مبارک ثابت ہوا۔

دونوں گھرانوں میں آنا جانا شروع ہوا۔ دور کی رشتے داری قریبی رشتہ داری میں بدل گئی۔ انہوں نے اپنے نواسے کے لیے عائشہ کا رشتہ مانگ [illegible] قابل نوجوان تھا۔ پڑھا لکھا' برسر روزگار' شائستہ انداز و اطوار والا' میں نے استخارہ [illegible] کے بعد ہاں کر دی۔ عائشہ کا رشتہ طے ہوا [illegible] احسان [illegible] رحمت نے اپنے بیٹے کے لیے [illegible] رشتہ [illegible] لیا' بلکہ شاید وہ کافی عرصے سے اسی انتظار میں تھے کہ عائشہ کی بات طے ہو اور وہ اپنا مدعا بیان کریں۔

[illegible]سان بھی دیکھا بھالا لڑکا تھا اور اس رشتے میں گھر والوں کے علاوہ حسان اور ناجیہ کی پسندیدگی بھی شامل تھی' سو انکار کا جواز ہی نہ تھا۔ دونوں بیٹیوں کے فرض سے سبکدوش ہو کر میں نے سکون کا سانس لیا' کچھ عرصے بعد عماد بھی تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔

اب ساری توجہ اس کے لیے لڑکی ڈھونڈنے پر لگا دی۔ اللہ نے اس بار بھی کرم کیا۔ ثناء کی صورت میں بہت اچھی بہو میرے آنگن میں آگئی۔ میرا آنگن' میرا گھر' میری سلطنت' جس کی اب میں بلا شرکت غیرے مالک تھی اور میں حیران ہوں کہ وہ خواب جو میں شادی کے اولین دنوں میں چپکے چپکے دیکھتی تھی۔ وہ تو کب کا تعبیر پا چکا' عملی زندگی کی ذمہ داریوں نے مجھے احساس ہی نہ ہونے دیا اور میرے دل کا ایک ارمان کب کا پورا ہو گیا۔

شادی کے ابتدائی [illegible] معنوں میں کوئی فکر نہ تھی [illegible] خواہشیں [illegible] میں انگڑائی لے [illegible] اور اگر میں آج عماد اور ثناء کی [illegible] برسوں پرانی اپنی معصوم اور [illegible] یاد بھی نہ آتی۔ ثناء ٹھیک کہہ رہی [illegible] عورت کی فطری خواہش ہوتی ہے' [illegible] جس کی وہ بلا شرکت غیرے مالک ہو' [illegible] میرا جی چاہا کہ ثناء اور عماد کبھی میرے سامنے بھی ایسا کوئی ذکر چھیڑیں' تاکہ میں انہیں بتا پاؤں کہ سب سے سنہرا اور بے فکرا دور وہ ہوتا ہے' جب آپ کے پاس کسی قسم کا حق ملکیت ہوتا ہی نہیں۔ اگر حکمران جابر نہ ہو' بلکہ قدرے انصاف پسند ہو اور معقول ہو تو رعایا بن کر رہنے کا الگ ہی مزہ ہے۔ وہ مزہ جو میں نے اپنی ساس کی زندگی میں اٹھایا اور اب ثناء میری موجودگی میں اٹھا رہی ہے' کسی بھی قسم کے فیصلے کی ذمہ داری فی الوقت اس کے کندھوں پر نہیں۔ اس گھر اور اس سے متعلق سارے معاملے نمٹانا اور مسئلے سلجھانا میری اور احسان کی ذمہ داری ہے۔

ہاں میں مانتی ہوں کہ ثناء کو ہمارے گھر کے معمول کے مطابق صبح سورج کی پہلی کرن کے ساتھ اٹھنا پڑتا ہے۔ اسے اس گھر میں ہمارے طور طریقوں کے مطابق رہنا پڑ رہا ہے۔ یہاں کھانے کے وہی ذائقے پسند کیے جاتے ہیں' جن کا میں نے اپنے میاں اور بچوں کو عادی بنایا ہے۔ گھر کی سیٹنگ بدلنی ہو یا کسی مہمان کے وقت کے [illegible] ترتیب دینا ہو' آخری اور فائنل فیصلہ میرا ہوتا ہے۔ شاید اسی لیے کبھی کبھار ثناء کو اس گھر میں اجنبیت محسوس ہوتی ہو' وہی اجنبیت جو برسوں پہلے مجھے اس گھر میں محسوس ہوتی تھی۔ لیکن اب اگر گردن موڑ کر گزرے وقت کو دیکھوں تو وہی دور سب سے حسین لگتا ہے' جب عملی زندگی کے تقاضوں اور ذمہ داریوں سے دور دور کا بھی واسطہ نہ تھا اور اللہ کرے عماد اور ثناء ایک دوسرے کی سنگت میں ہمیشہ خوش و خرم رہیں' لیکن برسوں بعد جب ثناء اس گھر کی حقیقی معنوں میں مالک بن جائے گی تو اسے یاد بھی نہ ہوگا کہ اس کے دل میں چھپی ایک خاموش خواہش پوری ہو گئی ہے۔ جیسے مجھے خود ثناء کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ اپنے گھر کی میری بھولی بسری خواہش کو تکمیل پائے بھی عرصہ بیت گیا ہے۔ زندگی کے جھمیلوں نے کبھی اس خواہش کے پورا ہونے پر خوش ہونے کی فرصت ہی نہ دی۔ آج ثناء کی باتوں سے احساس ہوا تو خوشی بھی ہوئی۔

میرے قدم دوبارہ ثناء اور عماد کے کمرے کی طرف بڑھنے لگے' "آپ غلط سمجھے اب میں چوری چھپے ان کی باتیں سننے نہیں جا رہی تھی' بلکہ میں ثناء کو یاد دہانی کروانے جا رہی تھی کہ کل عائشہ اور ناجیہ چھٹی کا دن گزارنے آ رہی ہیں' اگر اس کا میکے جانے کا کوئی پروگرام ہے تو وہ یہ پروگرام کسی اور دن پر اٹھا رکھے۔ ثناء نے انجانے میں ہی مجھے میرے جس استحقاق کا احساس دلایا تھا' اسے استعمال میں کوئی خاص مضائقہ بھی نہ تھا۔ عماد کے کمرے کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے میرے چہرے پر ایک مخظوظ سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

انجم صلاح سیم

"سب پتا ہے مجھے اور شادی کا آپ کو جتنا شوق ہے نا، یہ بھی جانتی ہوں۔" وہ دانت پیسنے لگی۔ پھر بولی۔

"میں جو کہہ رہی ہوں اگر اس پر عمل کر لیں تو سارے مسئلے حل ہو سکتے ہیں۔ جائیں نا حویلی! اپنے والدین سے ایک بار معافی مانگ لیں، اپنے حصے کی جائیداد تو لے لیں کم از کم۔"

"ہرگز نہیں۔ وہ مجھ سے ہر تعلق توڑ چکے ہیں اور وہ بھی تمہاری وجہ سے۔" سکندر نے صاف صاف جتایا اور یہی انداز اسے برا لگ گیا تھا جب ہی جلبلا کر بولی تھی۔

"آپ کا اصل دکھ ہی یہی ہے۔ پچھتا رہے ہیں نا میری وجہ سے زرلالہ کو چھوڑ کر یاد تو آتی ہوگی؟"

"ابھی تو نہیں پچھتایا مگر جو تمہارے انداز ہیں، لگتا ہے عنقریب ضرور پچھتانے لگوں گا۔"

وہ اس کی طنز کرنے والی عادت سے تلخ ہو کر بولا تھا ماہین کو اس بات پہ بھڑکنے لگ گئے تھے۔ پھر ایک طوفان برپا ہوا تھا جس میں سکندر نے چپ رہنے میں عافیت [illegible] اگر وہ بھی مقابلہ کرتا تو جھگڑا ابھی ختم نہ ہوتا۔

☆ ☆ ☆

"کہیں جا رہے ہیں؟" وہ [illegible] کی تو اسے عجلت بھرے انداز میں [illegible] ہوتے دیکھ کر کسی قدر حیرانی سے دریافت کیا۔

"[illegible] فون آیا ہے۔ اماں سائیں کی طبیعت بہت خراب ہے۔ مجھ سے ملنا چاہتی ہیں۔ تم [illegible] ماہین کا خیال رکھنا رہے۔" والٹ اور موبائل جیب میں رکھتے ہوئے سکندر نے فکرمندی سے اسے دیکھا۔

"جا رہے ہیں اب۔" جب میں منتیں کرتی تھی تب گوارا نہیں تھا۔" اس کا موڈ جانے کیوں خراب ہوا تھا۔

"جس کام کے لیے تم کہہ رہی تھیں۔ اس کے

"اتنے اخراجات ہیں اور تنخواہ محدود۔ بچوں کی فیسیں، اسکول کے دوسرے ڈھیروں اخراجات، بھی پیپر فنڈ جمع کرانے ہوتے ہیں، کبھی ٹرپ پر جا رہے ہیں تو پیسے دیں۔ اس پر نیا شوشا کہ ہر ماہ ٹیچرز کے لیے ڈش پارٹی کا اہتمام کریں۔ عید تہواروں کے نئے کپڑے شادی بیاہ میں شرکت کی تیاری، وہاں ملنے ملانے کے لیے رقم، ہر کام تو پیسے سے ہوتا ہے اور یہاں پیسے کی ہی تنگی ہے۔ مگر ہمارے موصوف ہیں کہ مہینے کی پہلی کو تنخواہ ہمارے ہاتھ پہ دھر کے خود ہاتھ جھاڑ کر ہر فرض سے ادا ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ بیوی کیسے دانتوں سے پکڑ پکڑ کر خرچ کرتی ہے، انہیں کیا پروا۔"

کمرے کی صفائی کے دوران وہ چیزیں پٹخ پٹخ کر اپنا غصہ اتارتی، دوسرے لفظوں میں گویا سکندر کو ہی سنا رہی تھی جو ایک طرح سے کانوں میں گویا تیل ڈالے بیٹھا تھا، مجال ہے جو کسی ایک بات کا بھی برا مانتا ہو۔ ماہین کو اس کے چہرے کے یہی تاثرات آگ لگا گئے تھے۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے ریموٹ چھین لیا۔

"آپ سے کہہ رہی ہوں۔ کچھ سن رہے ہیں؟"

"تو میں کیا کروں؟ تمہیں پتہ ہے، یہی کماتا ہوں میں نہ تو کہیں چھپا کے رکھ آتا ہوں نہ کوئی اور شادی کر رکھی ہے کہ ادھر خرچ کرتا ہوں۔"

جواباً وہ جل کے بولا تو ماہین نے [illegible] نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

لیے میں کبھی نہ جاتا۔" سکندر نے تنفر سے جواب دیا مگر اس نے جیسے سنا ہی نہ تھا۔

"اب جا رہے ہیں تو یہ کام بھی کرتے آئیے گا۔ اکلوتے ہیں آپ۔ آپ کے والدین نے قبر میں ساتھ تھوڑی لے جانی اتنی وسیع جائیداد۔"

اتنے نازک موقع پر ایسی بدفال منہ سے نکالنا سراسر جہالت تھی۔ سکندر کا ضبط چھلک گیا۔

"بکواس مت کیا کرو ہر وقت۔" وہ جھنجلا [illegible] کر سے نکل [illegible] گئی تھی۔

"جو میں نے کہا ہے [illegible] سکندر ورنہ۔" اس کے لہجے میں [illegible] تھی جس پہ کان دھرے بغیر سکندر گاڑی نکال لے گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

سکندر ابھی حویلی پہنچا تو اس کا بہت روکھا پھیکا استقبال ہوا تھا۔ بابا سائیں نے تو اسے دیکھ کر ہی منہ پھیر لیا۔ اماں سائیں نے البتہ اس کے لیے بازو وا کر دیے تھے۔ وہ اپنے آنسو چھپائے ان کے بازوؤں میں سما گیا۔

"کیسا ہے پتر تو؟ اماں ترس رہی تھی تجھے دیکھنے کو۔ یاد ہے جب تو ایک دن کو بھی دور ہوتا تھا، میری آنکھوں سے روشنی ڈھلنے لگتی تھی، پھر اب کیسے جیتی ہوں گی۔ کبھی سوچا نہیں تو نے؟"

وہ روتی رہیں۔ وہ انہیں حوصلہ دیتا رہا۔ تب انہوں نے ایک انوکھی فرمائش کر دی تھی۔

"ایک بات مانے گا سکندرے!" اور اس نے معاملے کی نوعیت کو سمجھے بغیر سر کو اثبات میں ہلا دیا۔

"زرلالہ سے شادی کرلے پتر! اسے زندہ درگور ہونے سے بچا لے۔ زرلالہ کی طرح تو چلا گیا تو اسے اس علاقے کی جاہلانہ رسوم کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ قرآن سے نکاح کر کے ایک کمرے میں محدود کر کے وہ پاگل ہو گئی اس تنہائی سے اور ایک دن اسی وحشت میں اپنی شہ رگ کاٹ لی۔ اپنے بچوں کے

جرم میں تو مجھی کی [illegible] دار بنا ہے پتر! آپ اس کا ازالہ کر سکتا ہے کہ زرلالہ سے [illegible] اب تو اسے کی باری ہے۔ اس کے جوڑ کا کوئی لڑکا نہیں ہے خاندان میں اب اسے قرآن سے منسوب کیے جانا ہے۔"

وہ رو رہی تھیں۔ تڑپ تڑپ کر فریاد کر رہی تھیں اور سکندر انکشافات کی زد پہ آیا ساکت و صامت بیٹھا تھا۔

☆ ☆ ☆

ماہین اس کی کلاس فیلو تھی۔ دونوں کی پہلے دوستی ہوئی اور پھر محبت۔ ماہین کے اصرار پہ اس نے بابا اماں کو بتائے بغیر ماہین سے نکاح کر لیا اور شہر میں رہنے لگا۔ ایسی باتیں چھپی تھوڑا ہی رہتی ہیں۔ حویلی میں ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی چچا زاد زرلالہ اس کی بچپن

کی ہتک تھی، زوار سے چھوڑنے کا مجرم تھا۔ بابا سائیں نے اسے عاق کرنے کا اعلان کیا اور حویلی کے دروازے اس پر ہمیشہ کے لیے بند کر دیے۔

چھ سال گزر گئے تھے۔ اسے خبر ہی نہ ہو سکی۔ زرلالہ پہ کیا بیتی؟ اس کے باوجود کہ وہ اپنی حویلی کی روایات سے آگاہ تھا مگر تغافل برت لیا۔ مگر اب اماں کی بات پہ وہ کشمکش کا شکار تھا۔ کیا کرے۔ ایک بار پھر اپنوں کو مایوس کر دے؟ ایک بار پھر ایک اور لڑکی پہ وہی ظلم ہونے دے؟ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو ماہین۔ وہ کیا حشر کرے گی اس کا۔

وہ سوچتا اور الجھتا جا رہا تھا۔ بابا سائیں کا غصیلا چہرا اس پل حیرانی کی زد میں آیا تھا جب اماں سائیں نے بڑے فخر سے کہا تھا۔

"میرا سکندر کرے گا ڈالے سے شادی! میں اس پہ زرلالہ والا ظلم نہیں ہونے دوں گی۔"

"کیا اگر میں ایسا کر لوں تو بابا سائیں مجھے معاف کر دیں گے؟" "یقیناً" "ہاں! اور اماں بھی خوش ہو جائیں گی۔"

اور فیصلہ ہو گیا تھا۔ برسوں قبل اس نے صرف اپنے دل کی خوشی دیکھی تھی اور والدین کو ان کی خوشی کو نظر انداز کر دیا تھا تو خود بھی بہت پر سکون تو نہیں تھا۔ ماہین کی تیز مزاجی کے باعث اکثر خود پر ضبط کرتا رہتا اور زندگی کا ہر فیصلہ صرف ذاتی مفاد کی خاطر ہی تو نہیں کیا جاتا۔ اس کا یہ فیصلہ بھی بہت سی زیادتیوں کا ایک معمولی ازالہ تھا۔

☼ ☼ ☼

نکاح کے بعد جب اماں سائیں کے کہنے پہ ڈالے کو دلہن بنا کر رات کو اس کے کمرے میں بھیجا گیا اس وقت وہ فون پہ ماہین اور بچوں سے بات کرنے میں مصروف تھا۔ اماں کے ساتھ ڈالے کو دیکھ کر بری طرح بوکھلا اٹھا۔ کچھ بھی مزید بات کیے بغیر اس نے رابطہ منقطع کیا تھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کی سمت آیا۔

"آپ نے مجھے بلوا لیا ہوتا اماں سائیں! کیا ضرورت تھی بیماری کے باوجود اٹھ کر آنے کی؟"

اس کی بات سن کر اماں بہت نقاہت کے باوجود مسکرائی تھیں۔

"نہ پتر! تو نے تو میری بات مان کر میری بیماری بھی بھگا دی۔ تجھے کیسے بلا لیتی۔ دلہن کو تیرے کمرے میں چھوڑنے آئی ہوں نا۔"

اور سکندر کی نگاہ شرمائی سی ڈالے کی طرف اٹھ گئی۔ میرون شارٹ سلک کا سادہ سوٹ اور بھاری سی دوپٹہ تانے نازک سی بندیا ماتھوں میں گجرے پہنے بس یہ تیاری تھی دلہن کی مگر حسن اور دلکشی تھی کہ نگاہ ٹھٹک جائے۔ چھ سال قبل جب وہ یہاں سے گیا وہ بارہ تیرہ سال کی بچی تھی۔ وہ اس کی دلہن بن کر سامنے کھڑی تھی۔ اس کا دل عجیب سے احساسات سے بوجھل ہو کر رہ گیا۔

"یہ نمانی اب اللہ کے بعد تیرے حوالے ہے سکندر پتر! اس کا خیال رکھنا، میں جانتی ہوں، دو عورتوں کے مرد پر بہت ذمہ داریاں عائد ہو جاتی ہیں۔ تیرا یہ فیصلہ ناگزیر تھا۔ ایک ظلم کے سلسلے کو روکنے کو اٹھایا گیا ایک قدم۔ تیرے بابا کا غصہ بھی اب بہت کم ہے۔ [illegible] چاچا تو بہت خوش ہے۔ تجھ سے سب [illegible] معاف کر دیا تجھے۔ زرلالہ کے انجام نے سب کے دل نرم کر دیے [illegible] تھے۔ کوئی بھی ڈالے کے لیے [illegible] سوچتا تھا مگر برادری کے سامنے ناک [illegible] پڑتا مگر تیری ذرا سی قربانی برادری [illegible] ایک جان برباد ہونے سے بچالی ہے۔ اللہ [illegible]"

اماں [illegible] دعائیں دیتی رخصت ہو گئیں تب بھی وہ [illegible] مسکرا رہا تھا۔ کچھ فاصلے پہ موجود تھی دلہن اور [illegible] سے بجتا ہوا سیل فون کچھ بھی تو اس کی خاموشی کو توڑنے میں کامیاب نہ ہوا تھا۔ تب ڈالے نے مداخلت کی تھی۔

"مجھے پتا ہے، آپ نے یہ قدم مجبوری میں اٹھایا ہے اور مجبوریاں خوشی کا باعث نہیں ہوا کرتیں۔ آپ فکر نہ کریں۔ جتنا احسان آپ نے کر دیا ہے، میں اس

سے زیادہ کی طلب گار نہیں ہوں گی آپ سے۔"

سکندر نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ لڑکی کتنی بڑی بڑی باتیں کر رہی تھی جسے وہ بچی سمجھ رہا تھا۔

"ایسی بات نہیں ہے۔ دراصل یہ سب کچھ بہت اچانک ہوا ہے پھر مجھے اس قسم کی سچویشن کا اندازہ بھی تو نہیں تھا نا۔"

اس نے جیسے گڑبڑا کر توجیہ دی حالانکہ حقیقت تھی کہ ماہین کے متوقع ردعمل کو سوچ کر [illegible] اپ سیٹ تھا۔

"آپ اپنی بیوی سے بات کر [illegible] ابھی بھی ان کا ہی فون آ رہا ہے۔ [illegible] بات کر لیں۔" ڈالے کے کہنے [illegible] مسکرایا۔ پھر اس کی آنکھوں میں [illegible]

"حالانکہ [illegible] آپ کا دن ہے آپ کی رات ہے۔"

ڈالے "یقیناً" اس سے ایکدم ایسی شوخ بات کی توقع نہیں تھی جب ہی ایکدم جھینپ گئی۔ سکندر نے اس کا یہ روپ بہت محو ہو کے دیکھا پھر ہاتھ بڑھا کر سیل فون اٹھا لیا۔ کال بیک کی اور ماہین سے بات کرتا رہا۔

"یہاں آؤ ڈالے!" اس نے فون بند کر کے پکارا تو ڈالے جو اسے ہی دیکھ رہی تھی ایکدم سٹپٹا گئی۔

"مجھے آپ سے اک بات کہنا تھی۔" وہ انگلیاں چٹخاتے ہوئے کسی قدر نروس ہو کر بولی۔

"جو بھی کہنا ہے یہاں آ کر کہو۔" اب وہ بہت اطمینان سے بستر پہ بیٹھ گیا تھا۔

"میں یہیں ٹھیک ہوں اور مجھے آپ سے یہی کہنا ہے۔ آپ نے مجھے اپنا نام دے دیا یہی بہت بڑا احسان ہے اور پتہ نہیں آپ کی منزل کیا ہے سب جان کر اچھا نہ لگے تو بہتر ہے کہ آپ اس معاملے کو آگے مت بڑھائیں۔"

"بس آپ کہہ چکیں جو کہنا تھا؟" پلکیں جھکائے اٹک اٹک کر جب وہ اپنی کہہ چکنے کے بعد خاموش ہوئی تو سکندر نے پوچھا۔

"نکاح ایک [illegible] کام ہے۔ ایک ایسا کام جس میں مرد کی زندگی میں آنے والی عورت کے تمام تقاضے ہی کی نہیں بلکہ اس کے احساسات و جذبات سے لے کر اس کے حقوق کی ادائیگی کا مرد کو نگران اور ذمہ دار بنایا جاتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ذہنی طور پر میں دوسری شادی کے لیے ہرگز تیار نہیں تھا مگر جب یہ قدم اٹھایا ہے تو اس ذمہ داری کو نبھانے کا عہد کر کے اٹھایا ہے۔ تم کیوں یہ چاہتی ہو کل روز محشر اللہ مجھ سے تمہارے حقوق کے متعلق سوال کرے تو میں شرمندگی محسوس کروں۔"

آپ سے تم تک کا فاصلہ ہی نہیں گھٹا تھا۔ سکندر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بہت نرمی سے اسے اپنے نزدیک بھی کر لیا تھا۔ پھر اس کے ماتھے سے انگشت شہادت سے لے کر کھینچ کر ٹھوڑی تک لاتے ہوئے کسی قدر اس کے شرماتے کنفیوژ سراپے کو تک کر مسکرا کر بولا تھا۔

"ویسے میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ زرلالہ کی وہ بہن جو چند سال قبل تک میرے بازو سے لٹک کر مجھے لالہ کہتے ہوئے مختلف چیزوں کی فرمائش کیا کرتی تھی، ایک دن میری بیوی بھی بن جائے گی۔"

اپنی بات کے اختتام پہ وہ ہلکے سے ہنسا تو ڈالے نے بے طرح شرما کر اس کے سینے میں منہ چھپا لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"دیکھا میرا کہنا غلط تھوڑی تھا" آپ کا وہاں جانا مبارک ثابت ہوا۔ سب کی ناراضی ختم ہو گئی۔"

اماں نے واپسی پہ اس کے ساتھ ڈھیر ساری سوغاتیں ہی نہیں کافی رقم بھی دی تھی جسے پا کر ماہین بے حد مسرور تھی۔ خشک میوہ جات، تازہ پھلوں کے کریٹ سنبھالتے ہوئے رواں تبصرہ بھی جاری تھا۔ ڈالے نے اس کے ساتھ یہاں آنے سے انکار کر دیا تھا۔ اماں اور بابا سائیں کی مرضی بھی یہی تھی کہ ڈالے ان کے ساتھ حویلی میں رہے۔

"یہ یہاں رہے گی تو سکندر حویلی کا رستہ نہیں

بھولے گا کہ ہم نے اتنی موٹی زنجیر سے باندھ رکھا ہے اسے۔"

اماں سائیں کے لہجے میں شرارت کا رنگ تھا۔ ڈالے جھینپ گئی تھی اور جب اس کے حویلی کی طرف چکر بڑھنے لگے تب پہلی بار ماہین کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ اس کے استفسار پہ سکندر نے کچھ چھپائے بغیر جب ساری بات بتائی تو ماہین کو گویا سکتہ ہو گیا تھا مگر جب یہ سکتہ ٹوٹا تو پھر ایک بھونچال اٹھا دیا تھا اس نے۔ سکندر کی تاویلیں وضاحتیں صفائیاں سب بے کار گئیں اور وہ روٹھ کر میکے جا بیٹھی۔ سکندر کے منع کرنے منانے کے باوجود ایک ہی ضد تھی یا اسے رکھو یا مجھے اور سکندر عجیب مخمصے میں مبتلا ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

آتے ہوئے وہ بچوں کو بھی چھوڑ آئی تھی تاکہ سکندر کو جلدی عقل آئے۔ سکندر آیا بھی تھا اس کو منانے مگر وہ اینٹھی رہی تھی۔ اسی مطالبے کے ساتھ اسے طلاق دے دے۔

"میں اسے طلاق نہیں دے سکتا۔ تم میری اتنی سی مجبوری نہیں سمجھ سکتیں۔" وہ زچ ہوا تو لہجہ بھی خود بخود بلند ہونے لگا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ مجھے چھوڑ دو۔" اس کے پاس آسان حل تھا۔

"تم میرے بچوں کی ماں ہو' بچوں کا کیا ہو گا۔ تمہیں احساس ہے؟"

"مجھے پروا نہیں۔ تم نے سوچا یہ قدم اٹھانے سے پہلے؟" وہ حسب عادت چیخنے لگی۔

"یاد کرو' محض تمہاری وجہ سے میں اپنے سب رشتے چھوڑ چکا تھا۔"

"ہاں اب بچا لیے ہیں نا رشتے پھر مجھے چھوڑ دو۔ میں نہیں برداشت کر سکتی سوکن کا دکھ۔"

اور اس کی ضد کے سامنے سکندر کو ہار ماننی پڑی اور امی جو یہ سارا کچھ سن چکی تھیں اس کے گھر آ گئیں۔

"بے کار ضد ہے تمہاری امت کرو اپنا گھر برباد۔"

"وہ بھی تو ضد لگا کے بیٹھا ہے کیوں نہیں چھوڑ دیتا اسے۔" اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے امی زچ ہو گئیں اس کی رٹ سے۔

"خوامخواہ شور اٹھایا ہوا ہے۔ کوئی ایسا بھی طوفان نہیں آ گیا۔ شادی ہی کی ہے نا اس نے۔" امی کی بات پہ وہ سکتے میں رہ گئی۔

"آپ بھی ان کی طرف داری کر رہی ہیں۔ مجھ پہ سوتن کا عذاب ٹوٹا ہے یہ معمولی بات ہے۔"

"کون سے حقوق غصب کر لیے سوتن نے آ کر تمہارے؟ تمہارے بچوں پر قبضہ جما لیا یا گھر پہ؟ تمہیں کھانے پینے کو نہیں ملتا یا تمہارے شوہر کو صرف اپنے جوگا کر لیا۔ ماہین! ضد مت کرو۔ پہلے ہی تم اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے اپنا نقصان کر بیٹھی ہو۔ تمہارے ہی کہنے پہ گیا تھا نا وہاں وہ۔ اب تمہیں ہی سمجھوتا کرنا ہے ورنہ پچھتاؤ گی۔"

"مگر اس نے شیئر تو کر لیا ہے نا سکندر کو' یہی برداشت نہیں مجھ سے۔" اس نے باقی کی باتیں جیسے سنی ہی نہ تھیں۔

"وہ تمہیں اپنی مجبوریاں بتا چکا ہے اور ایک بات کان کھول کر سن لو ماہین! تم غلط بات کر رہی ہو۔ اگر عورت کی برداشت سے باہر کا ہوتا تو اللہ کبھی مرد کو ایک سے زائد عورتوں سے شادی کا حکم نہ فرماتا۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انسان کو اس کی برداشت سے بڑھ کر ہرگز نہیں آزماتا۔ اس طرف دیکھو۔ ان چند دنوں میں شوہر اور بچوں سے دور ہو کر بھی کیسی بکھری بکھری ہو۔ ساری زندگی اس اکیلے پن کے ساتھ گزار لو گی۔ سوچ لو پھر فیصلہ کرنا۔"

امی تو کہہ کر چلی گئیں۔ وہ خالی ذہن خالی نظریں لیے بیٹھی رہی پھر آہستگی سے اٹھی اور موبائل اٹھا کر پہلے سکندر کو فون کیا پھر اپنی تیاری کرنے لگی تھی۔ ہر پریشانی یا تکلیف آزمائش ہی ہو ضروری تو نہیں کبھی کبھار ہمیں اپنے اعمال کا بھی تو بھگتان بھگتنا پڑتا ہے وہ بھی اپنے بھگتان کو بھگتنے کو تیار تھی۔

نسیم آمنہ

معصومہ نے ڈنر کے لیے برتن ڈائننگ ٹیبل پر سجانے کے بعد ایک ناقدانہ جائزہ لیا اور مطمئن ہو گئیں۔ کراکری کے انتخاب سے لے کر ٹیبل نیپکن تک ہر شے ان کے ذوق اور سلیقے کا مظہر تھی۔ انھوں نے ہمیشہ ہی سے بڑی نفیس طبیعت پائی تھی اور ہر کام بڑے شوق سے کرتی تھیں' خاص کر اتوار کے شب ان کے گھر یونہی اہتمام سے ڈنر کیا جاتا تھا' پھر چاہے کھانے والے افراد دو ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسے کہ گھر میں اس وقت صرف وہ اور فیضان تھے۔

نعمان شاہ اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔ آج کل ان کے اسلام آباد کے چکر بڑے تواتر سے لگ رہے تھے۔ وہ برسرِاقتدار جماعت کے ایک اہم سیاسی رکن تھے۔ ان دنوں جب ملک میں زبردست سیاسی ہلچل مچی تھی' مبصرین کے مطابق ملک ہمیشہ کی طرح اپنے "نازک ترین" دور سے گزر رہا تھا۔ روزانہ ہی حکومت گرنے کی پیش گوئیاں کی جا رہی تھیں' ہر طرف بے یقینی کی سی کیفیت تھی۔ نعمان شاہ کی مصروفیات میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا تھا۔

ہر وفا شعار شوہر پرست بیوی کی طرح معصومہ کو بھی یہ ہی گلہ رہتا تھا کہ انھیں ان کی مخلصانہ خدمات کا

مکمل ناول

خاطر خواہ حصہ نہیں دیا جا رہا تھا۔ جبکہ نعمان شاہ کا خیال اس کے برعکس تھا۔ ابھی بلدیاتی نظام کے خاتمے تک وہ اپنے حلقے کے ضلعی ناظم بھی تو رہ چکے تھے۔ رہی صوبائی اور قومی سیٹ تو ایک ان کے اپنے بڑے بھائی اور ایک معصومہ کے بڑے بھائی کا ہی حق تھی۔

اس بار ان کا قیام طویل پکڑ گیا تو معصومہ کو فطری طور پر تشویش ہونے لگی تھی۔ ملک کے حالات کا کیا بھروسہ تھا۔ اچانک کہیں بھی' کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ لوگوں میں برداشت کا مادہ ختم ہو گیا تھا۔ ٹی وی اینکر پرسن بحران کے اختلافات کو اور ہوا دے کر تماشا دیکھتے تھے۔ نعمان شاہ بھی تقریباً" ہر شام کسی نہ کسی چینل پر حکومت کے دفاع میں دلائل دیتے دکھائی دیتے تھے۔ ان کی نظر اگلے انتخابات پر بھی تھی اور وہ ابھی سے اپنے لیے راہ ہموار کر رہے تھے۔ معصومہ کے دل میں طرح طرح کے وہم اٹھتے تھے۔

آج شام بھی ان سے بات ہوئی تو یہی موضوع چھڑ گیا تھا۔ اسے بالکل بھی اچھا نہیں لگتا تھا' جب ان پر تیز و تند سوالات کی بوچھاڑ ہوتی تھی۔

"آخر آپ کیوں اپنی جان ہلکان کر رہے ہیں' جب اتنے وزیروں' مشیروں کی فوج ظفر موج کچھ نہیں کر پا رہی تو آپ کیا تیر مار لیں گے۔" معصومہ نے کہا تھا۔ وہ ان کی جلد از جلد واپسی چاہتی تھیں۔ شام کی تنہائی اب انہیں کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی۔ فیضان کی تو اپنی الگ دلچسپیاں تھیں۔ وہ کہاں تک ٹی وی اور کتابوں' رسالوں سے دل بہلاتیں۔

"ہاں اب تو توپ و تفنگ کا زمانہ ہے۔ سوچتا ہوں وہی سیکھ لوں۔"

نعمان شاہ بڑے خوش مزاج قسم کے بندے تھے۔ بڑے سے بڑے مسئلے کو چٹکیوں میں اڑا دیتے تھے جبکہ دوسری طرف معصومہ کو چھوٹی سی بات پر کڑھنے کی عادت تھی۔ بہرحال اس [illegible] دونوں کی اچھی نبھ گئی تھی۔

"ویسے میں نے تو سنا ہے کوئی [illegible] ہوا کرتا ہے جو توپ چلانے کا کام کرتا ہے۔" معصومہ نے بھی شگفتگی برتی' جواب میں نعمان شاہ کا قہقہہ بہت جاندار تھا۔

"اور سنایئے کیا صورت حال ہے؟" معصومہ نے پوچھا' طرح طرح کی افواہوں نے انہیں پریشان کر رکھا تھا۔

"بس وہی چال بے ڈھنگی' صبح انقلاب کے نعرے سنتا ہوں کہ گرتی ہوئی دیوار کو ایک دھکا اور دو' شام تک صورت حال کچھ اور ہوتی ہے' دیکھیے کیا ہوتا ہے۔"

شاید زمانہ ہی کچھ تیز چال چل رہا تھا یا پھر لوگ عجلت پسند ہو گئے تھے۔ ہر لحہ بریکنگ نیوز کے منتظر رہتے تھے۔ گلابی نہیں سرخ انقلاب کی باتیں کرتے تھے۔

نعمان شاہ بڑے با مروت' معاملہ فہم اور مصلحت پسند قسم کے شخص تھے۔ اسی لیے ان کے ناقدین کی تعداد بھی کم تھی اور وہ خندہ پیشانی سے ہر تنقید برداشت بھی کر لیتے تھے۔

وہ اپنی سیاسی سرگرمیوں میں مصروف رہتے تھے اور گھر کے تمام سیاہ و سفید کی مالکن معصومہ کو بنا رکھا تھا۔ معصومہ نے بھی اپنی تمام تر ذمہ داریاں بڑی خوش اسلوبی سے نبھائی تھیں۔

اپنے اکلوتے بیٹے کی تعلیم و تربیت' گھر کی دیکھ بھال' ملازمین کی نگرانی' دوست احباب سے سماجی تعلقات نبھانا' میل ملاپ' تحفے تحائف کا تبادلہ' شادی غمی میں شرکت' [illegible] تمام سب کچھ وہ بڑے سلیقے سے نبھاتی آئی تھیں۔ مگر اب نہ جانے کیوں کچھ عرصے سے دل اچاٹ سا ہو گیا تھا۔ شاید زندگی کی شام بے رونق لگنے لگی ہے۔ ساری مصروفیات اور تگ و دو بے مصرف لگنے لگی تھی۔ تنہائی کا احساس دوچند ہونے لگا تھا۔

جب تک فیضان چھوٹا تھا' سارا دن اسی کے پیچھے گزر جاتا تھا۔ اس کے اٹھنے سونے' کھانے پینے کا دھیان کرنا' اس کی اسکولنگ' اس کے ٹیوٹر کا خیال

رکھنا' ڈھیروں مصروفیات تھیں۔ وہ بھی ماں کے پیچھے پیچھے لگا رہتا تھا۔ مگر جوں جوں وہ کم سنی سے نوجوانی کی حدیں طے کرتا گیا' اس کی ترجیحات بھی بدلتی گئیں۔ پھر نئے دور کی نت نئی ایجادات موبائل فون اور کمپیوٹر وغیرہ نے ہر نوجوان کی طرح اسے بھی اپنی محدود دنیا میں مگن کر ڈالا تھا۔ گھر میں آتا تو اپنے کمرے میں گھسا رہتا تھا۔

یہ وسیع و عریض سجا سجایا گھر' جس کا ایک ایک کونا معصومہ نے بڑے چاؤ سے سجایا تھا۔ کلر اسکیم' فرنیچر اور آرائشی اشیاء کا انتخاب انہوں نے بڑی باریک بینی سے کیا تھا' اب ایک دم سونا سونا لگنے لگا تھا۔ دل میں عجیب سی خواہشیں سر اٹھانے لگی تھیں۔

جی چاہتا کہ نعمان شاہ بھی فرصت کے طویل دن ان کے ساتھ گزاریں۔ وہ دونوں فراغت سے گرم گرم چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے دنیا جہاں کے موضوعات پر خوب لمبی لمبی گفتگو کریں' ایک دوسرے کی رفاقت کو محسوس کریں۔

بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں' چھوٹی چھوٹی خوشیاں تھیں' جو وہ ان کے ساتھ شیئر کرنا چاہتی تھیں مگر وقت ڈھونڈتی رہ گئی تھیں۔ نعمان شاہ کے پاس اتنا وقت ہی کہاں ہوتا تھا۔ کبھی کسی ارجنٹ سیاسی میٹنگ میں شرکت کرنا ہوتی تھی' کبھی کسی سے کوئی اہم ملاقات طے ہوتی تھی۔ کبھی کسی جگہ کا افتتاح' کبھی کسی سماجی ثقافتی تقریب میں شرکت' غرض کہ مصروفیت کا ایک لامتناہی سلسلہ چلا آتا تھا۔ ان کے برعکس معصومہ قطعی اتنی سوشل نہ تھیں نہ ہی ان کے اندر اتنی خود اعتمادی تھی اور نہ ہی انہیں بن سنور کر میاں کے ساتھ محفل محفل گھومنا پسند تھا۔ ان کے روایت پسند خاندان میں خواتین کا یوں بے حجاب پھرنا پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔

نعمان شاہ ان کے چچا زاد ہونے کے ساتھ ان کے بچپن کے منگیتر بھی تھے۔ وہ کافی پڑھے لکھے اور روشن خیال تھے' جبکہ معصومہ کے بھائی آج کے دور میں رہتے ہوئے بھی [illegible] جدت پسند تھے۔ اپنی خاندانی روایات پر سختی سے عملدرآمد کرتے تھے۔ برادری کی روایات سے انحراف کرنا ان کے یہاں بغاوت مانا جاتا تھا اور اس کی سزا کافی کڑی تھی۔ ان کے گھرانے کو ان کے علاقے میں سرکردہ حیثیت حاصل تھی۔ سیاست اور وزارت گویا ان کے گھر کی لونڈی تھی۔ خاندان کی پگ آج کل معصومہ کے سب سے بڑے بھائی کے سر تھی۔ وہ بڑی بارعب اور دبنگ شخصیت کے مالک تھے۔ برادری کے تمام اہم فیصلے وہی کیا کرتے تھے۔ معصومہ آج بھی اپنے بھائیوں کے سامنے جاتے ہوئے ننھی بچی کی طرح سہم جاتی تھیں۔ وہ اپنے ہر مسئلے کے لیے ان ہی کی طرف دیکھتی تھیں۔

معصومہ کی پرورش گاؤں کی آبائی حویلی میں ہوئی تھی' جہاں کی اونچی اونچی دیواروں میں پرندہ پر بھی نہ مار سکتا تھا۔ یوں ان کے اندر اعتماد پنپ نہ سکا تھا۔

اس کے برعکس اس کے چچا کا خاندان شروع ہی سے شہر میں رہائش پذیر رہا۔ کم از کم معصومہ نے ہوش سنبھالتے یہ ہی دیکھا تھا۔ دونوں گھرانوں میں ماحول کا فرق لازمی تھا۔ وہ نعمان شاہ کی بچپن کی منگ تھیں اور نعمان شاہ کتنے بھی روایت شکن سہی اس رشتے سے انحراف نہ کر سکے تھے۔

شادی کے شروع دنوں میں معصومہ پرانی حویلی سے شہر اپنے سسرال آئیں تو کافی دنوں تک ان کی حالت بن پانی کی مچھلی کی سی رہی۔ وہ ہر شے کو حیران نگاہوں سے تکتی تھیں۔ شہری طور طریقے ان کے لیے اجنبی تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیسے انھیں بیٹھیں کیسے لوگوں کا سامنا کریں۔ ساس نے تو خیر زیادہ تعاون نہیں کیا تھا' بلکہ الٹا ٹوکتی ہی رہتی تھیں' مگر نعمان شاہ کی توجہ اور محبت سے رفتہ رفتہ سب ٹھیک ہوتا چلا گیا۔

نعمان شاہ اور ان کی سوچ کا تضاد بھی فطری تھا۔ مگر معصومہ نے اپنے آپ کو نئے ماحول میں ڈھال ہی لیا۔ بہت جلد انہوں نے شہری طور طریقے بھی سیکھ لیے۔

نعمان شاہ ایک اچھے شوہر ثابت ہوئے' وہ معصومہ کی خوبیوں کو سراہتے تھے۔ انہیں شکایت تھی تو صرف یہ کہ وہ گھر سے باہر کی دنیا میں نئے تقاضوں کے مطابق ان کا ساتھ نہیں دے پاتیں۔ ان کے تمام دوستوں کی بیویاں نہایت تعلیم یافتہ اور فیشن ایبل تھیں۔ معصومہ ان سے ملنے سے کتراتی تھیں۔ انہیں احساس کمتری گھیر لیتا تھا۔ وہ ان کی مخلوط محفلوں میں شریک ہونے سے گھبرایا کرتی تھیں۔

نعمان شاہ کو ان کے جذبات کا احساس تھا۔ انہوں نے ان کی اس مجبوری سے سمجھوتا کر لیا تھا۔ یوں بھی وہ ان کی سادگی اور سلیقے کے معترف تھے۔ اسی لیے گھر کی طرف سے مطمئن ہو کر اپنی سیاسی مصروفیات میں لگ گئے۔

وقت کچھ یوں تیز رفتاری سے گزرا [illegible] احساس ہی نہ ہوا تھا۔ مگر اب جبکہ معصومہ [illegible] اس تنہا [illegible] دوڑتی بھاگتی زندگی سے [illegible] وہ چاہتی تھیں کہ نعمان شاہ گھر کو بھی وقت دیا کریں۔

شام کے جب وہ گھر آ کر اپنے کام نپٹا کر اپنے اپنے کواٹروں میں چلے جاتے تو معصومہ کو یاسیت اور قنوطیت کا دورہ پڑنے لگتا تھا۔ یہ محل سا گھر انہیں بھائیں بھائیں کرتا محسوس ہوتا تھا۔ فیضان یوں تو بڑا چونچال تھا مگر گھر میں ذرا کم ہی ٹکتا تھا۔ کالج سے آتا تو دوستوں میں نکل جاتا' وہاں سے فرصت ملتی تو کمرے میں گھس کر کمپیوٹر کھول کر بیٹھ جاتا۔

کبھی کبھی تو تنگ آ کر معصومہ کا جی چاہتا کہ پکڑ کر فیضان کی شادی کروا دیں' تاکہ گھر میں کچھ تو ہنگامہ آرائی ہو۔ بیوی بچوں کی رونق ہو تو فیضان کا جی بھی گھر میں لگے' مگر اپنے اس احمقانہ خیال کو وہ خود ہی رد کر ڈالتیں۔

ابھی فیضان کی عمر ہی کیا تھی' بمشکل تیئس برس کا ہوا تھا' دیکھنے میں لمبا چوڑا' مگر وہ ہی بچوں کی طرح کھلنڈرا سا من موجی' غیر ذمہ دار۔

ایم بی اے کے آخری سمسٹر میں آ پہنچا تھا' مگر احساس ذمہ داری چھو کر نہ گزرا تھا۔ اب بھی جو وہ بچوں کی طرح اس کی ایک ایک چیز کا خیال نہ رکھتیں تو وہ تو شاید وقت پر کھانا کھانا بھی بھول جاتا اور طرہ یہ کہ اب جدید نیا کھلونا کمپیوٹر تو ہاتھ لگا تھا' وہ تو گویا کام سے ہی گیا تھا۔ گھر میں ہوتا تو دنیا و مافیہا سے بے خبر گھنٹوں اس کے آگے بیٹھا رہتا تھا۔

جیسا کہ اس وقت ہوا [illegible] ہو رہا تھا۔ وقت نکلا جا رہا تھا اور صاحبزادے کو کچھ پتا ہی نہ تھا۔ جانتا بھی تھا [illegible] آج کی شب اس کے بغیر کھانا نہیں کھا [illegible]

[illegible] وال کلاک پر ایک نگاہ ڈالی' پھر کچھ سوچ کر ملازمہ کے ہاتھوں اسے پیغام بھجوانے کا ارادہ ترک کر کے خود ہی اوپر جانے کا فیصلہ کیا۔ جانتی تھیں کہ اگر ملازمہ گئی تو "بس ابھی آیا" کہہ کر پھر کمپیوٹر میں سر گھسا کر بیٹھ جائے گا۔

وہ نیم دائرے کی صورت بنی سیاہ ماربل کی چوڑی سیڑھیوں پر آہستہ آہستہ قدم دھرتی ہوئی اوپری منزل پر پہنچی آ گئیں۔

فیضان کے کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر وہ اندر داخل ہوئیں تو حسب توقع فیضان کو اپنی کمپیوٹر ٹیبل پر ہی پایا۔ انہیں دیکھ کر وہ چونکا۔

"بس میں ابھی آ رہا تھا۔" بے ساختہ ہنسا تھا۔

"جانتی ہوں تمہاری بیہ ابھی ابھی [illegible] ہو گی جب تک کان پکڑ کر نہ کھینچوں گی۔" معصومہ نے پیار سے ڈانٹا۔ "کچھ کھانے پینے کا ہوش بھی ہے یا نہیں؟"

"ایک ضروری اسائنمنٹ مکمل کر [illegible] تھا۔" فیضان جلدی جلدی اپنا کام [illegible] ہوئے بولا' پھر پوچھنے لگا۔

"اور آپ کیسی ہیں [illegible]"

وہ آج قدرے [illegible] کر رہا تھا' دروازہ ملازمہ نے کھولا تھا۔ [illegible] کے کھانے کے بعد آرام کرو [illegible] سلام [illegible] ہو سکی تھی۔

"[illegible] ٹھیک ٹھاک اور جی چاہتا ہے کہ تمہیں بھی SMS کر لوں۔"

فیضان حیران ہوا۔ "کیسا SMS؟"

"یہ ہی کہ بیٹا تم کیسے ہو؟ ہم سب بھی خیریت سے ہیں' تمہیں بہت مس کرتے ہیں' بس اب کمپیوٹر بند کرو اور نیچے کھانے کی میز پر آ جاؤ۔" معصومہ نے ایک لطیفہ دہرایا۔

فیضان نے ایک بے ساختہ قہقہہ لگایا' پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر پیار سے ان کے ہاتھ تھام کر بولا۔

"مام یو آر سو گریٹ مجھے فخر ہے کہ میں آپ جیسی ماں کا بیٹا ہوں' آپ کا سینس آف ہیومر غضب کا ہے' آپ عام ماؤں کی طرح اپنی اولاد کو ڈانٹتی ڈپٹتی نہیں ہیں' بلکہ ان کے مسائل کو سمجھتی ہیں اور ان کے مطابق اپنے اصولوں کو موڑ لیتی ہیں۔"

معصومہ نے پیار سے اس کے بال بگاڑے۔

"یہ اتنی زیادہ خوشامد کس خوشی میں ہو رہی ہے؟"

"نہیں ماں' یہ فیکٹ ہے اور میں ہر بار' ہر جگہ اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ میری ماں دنیا کی بہترین ماں ہے۔"

معصومہ سرشار ہو گئیں۔ ان کے جینے کے لیے ستائش کے یہ ہی الفاظ بہت تھے۔ ساری محنت وصول ہو جاتی تھی۔ فیضان یوں بھی باپ سے زیادہ ان کے قریب تھا اور وہ بھی ان سے لاڈ پیار کرتا رہتا تھا۔

"اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا بیٹا دنیا کا بہترین بیٹا ہے۔ میں چاہتی ہوں تم تمام تر محبتیں اپنے لہجے میں سمو کر رکھو۔ میں سمجھتی ہوں کہ انسان اصولوں کے لیے نہیں بلکہ اصول انسانوں کے لیے بنائے گئے ہیں۔ میں تم سے صرف یہ چاہتی ہوں کہ اس کے جواب میں تم اپنی اخلاقی اور معاشرتی ذمہ داریوں کو سمجھو اور پڑھائی میں مجھے بہترین رزلٹ لا کر دو۔" وہ یونہی باتوں ہی باتوں میں بیٹے کی ذہنی تربیت کرتی آئی تھیں۔

"جو کہ میں کر رہا ہوں۔" فیضان برجستہ بولا۔

"اچھا' اب جلدی چلو' مجھے بہت بھوک لگی ہے۔"

"شیور!" فیضان کمپیوٹر بند کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

سیڑھیوں سے اترتے وقت اس نے اپنا ایک بازو معصومہ کے شانے کے گرد لپیٹ لیا۔

اپنے جوان بیٹے کی ہمراہی میں چلتے معصومہ کو نامعلوم سے فخر و تحفظ کا احساس ہوا۔

ان کے ساتھ چلتے چلتے فیضان نے اچانک پوچھا۔

"مما! آپ کو چھوٹے ماما یاد تو آتے ہوں گے؟ مرسلین ماما؟"

معصومہ کا پیر لڑکھڑا گیا۔ فیضان نے جلدی سے انہیں سنبھالا۔ معصومہ کی رنگت متغیر ہو رہی تھی' آج مدت بعد اس نے کسی کے منہ سے یہ نام سنا تھا۔ ایک خاموش سمجھوتے کے تحت یہ نام لینا گویا جرم ٹھہرا تھا۔ وہ یہ ذکر کرتے ہوئے بھی ڈرتی تھیں۔

"کون؟"

"مرسلین ماما' وہ ہی جنہوں نے اپنی پسند کی شادی کی تھی اور حویلی چھوڑ گئے تھے۔" فیضان نے وضاحت کی۔ اس کے منہ سے یہ سب سننا ایک اور اچنبھا تھا۔ انہوں نے تو کبھی ارادتاً یہ قصہ فیضان کے سامنے نہیں دہرایا تھا۔ شاید خاندان میں کہیں سے کچھ کان

میں بدل گیا تھا۔

"وہ نہیں ہیں۔" معصومہ نے سختی سے کہا، پھر کچھ توقف کے بعد دوبارہ بولیں۔ "ہم انہیں بھول چکے ہیں۔"

"مگر کیسے۔ یہ کیسے ممکن ہے کوئی انسان کسی کو ایک دم کیسے بھول سکتا ہے، جبکہ اتنا قریبی رشتہ بھی ہو۔" فیضان کو آج نہ جانے کیا سوجھی تھی، شاید کسی سے یہ قصہ سن کر اس کے اندر تجسس جاگ گیا تھا۔

"چھوڑو تم بھی کیا قصہ لے بیٹھے ہو۔" معصومہ دو چار قدم آگے بڑھ گئیں۔

"ان کی کوئی اولاد بھی تو ہوگی؟" فیضان نے بھی اپنے قدم تیز کر لیے تھے۔

"مجھے نہیں معلوم، اگر ہو بھی تو ہمیں اس سے کیا لینا دینا۔" معصومہ نے بے رخی سے کہا۔ ان کے چہرے سے صاف جھلک رہا تھا کہ وہ اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتیں۔

"مگر مما!"

"فیضی! کیا ہم کوئی اور بات نہیں کر سکتے؟" معصومہ نے کچھ اس طرح کہا کہ فیضان شانے اچکا کر رہ گیا۔

پھر کھانے کی میز پر فیضان ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا اور معصومہ بے توجہی سے سنتے ہوئے کھانے کی ڈش اس کی طرف بڑھاتی رہیں۔ خود ان کی بھوک مر چکی تھی۔ انہوں نے زبردستی ہی دو چار نوالے حلق کے نیچے اتار لیے۔ وہ بھی فیضان پر یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ سب کچھ ٹھاک ٹھاک ہے۔ مگر سب کچھ ٹھیک نہیں تھا۔ اندر ایک تلاطم برپا تھا۔ ایک ہی سوال کی گردان تھی کہ کیا واقعی وہ سب کچھ بھول چکی ہیں۔

فیضان نے ان کے پرانے زخموں سے کھرنڈ اتار دیا تھا۔ اب اتنے برسوں بعد بھی سوچو تو وہ قصہ گویا کل کی ہی بات تھی۔

وہ قصہ جس کا اختتام ایک المیے پر ہوا تھا، مرسلین شاہ کی موت۔

رات کو وہ جوں توں اپنے روزمرہ کے معمول سے فارغ ہو کر بیڈ پر لیٹیں تو نیند ان سے کوسوں دور تھی۔ ان تمام سوچوں نے ایک ساتھ یلغار کر ڈالی جیسے وہ زبردستی اپنے ذہن سے جھٹک رہی تھیں۔ فیضان سچ ہی تو کہتا تھا۔ اتنے قریبی خونی رشتے کو اپنی زندگی سے نکال پھینکنا اتنا آسان تھوڑا ہی تھا۔

دنیا شاید انہیں دیکھ کر یہ ہی سمجھتی ہوگی، مگر حقیقت کا واقف کار صرف ان کا دل تھا۔ ماضی کا سفر منٹوں میں طے ہوا۔ وہ دور کہیں اپنی پرانی حویلی میں پہنچ گئیں۔

☼ ☼ ☼

ان دنوں فیضان پیدا ہونے والا تھا۔ پہلوٹی کی اولاد۔ پھر شروع کے ماہ ان کی ساس انہیں بڑی احتیاط کرایا کرتی تھیں۔ چند مہینوں تک تو انہیں اپنے میکے کا سفر کرنے کی بھی اجازت نہ دی گئی۔ وہ بھی اپنی جگہ کچھ غلط نہ تھیں۔ گاؤں تک جانے کا زیادہ تر راستہ کچے سے ہو کر گزرتا تھا اور اس حالت میں گاڑی میں ان اونچے نیچے راستوں پر سفر کرنا مناسب نہ تھا۔

مہینوں بعد میکے آنے کی خوشی بڑی نرالی تھی۔ اماں بھی اتنے عرصے بعد اسے دیکھ کر نہال ہو گئیں۔ سب سے چھوٹی اولاد ہونے کے ناتے وہ انہیں پیاری [illegible] بہت تھی۔ لاڈ پیار سے پرورش کر کے بڑے دھوم دھڑاکے سے شادی کروائی تھی۔ [illegible] جہیز کے ساتھ رخصت کیا تھا جب ہی [illegible] قدر کی جاتی تھی۔ دونوں ماں بیٹیاں [illegible] گھر کی باتیں کرتی رہیں۔ معصومہ [illegible] اماں وہ کافی کمزور اور تھکی تھکی سی [illegible]۔ آواز میں بھی وہ پہلے سی [illegible]

[illegible] رات کے کھانے سے فارغ ہو کر انہوں نے اپنی اماں سے [illegible] منقش موٹے موٹے پایوں والے جہازی سائز چھپر کھٹ پر ریشمی گاؤ تکیے کے سہارے دراز ہوتے یہ ہی پوچھا تھا۔ اماں جو اس کا یوں خیال کر رہی تھیں، جیسے وہ کوئی کانچ کی گڑیا ہو، اداس ہو گئیں۔

"ہاں بس کیا بتاؤں، وہمی! ابھی کچھ بھاری بھاری سا رہتا ہے۔ سب کہتے ہیں، تمہاری جدائی کا روگ لگا لیا ہے۔ مگر دھیاں تو پرائی ہی ہوتی ہیں۔ بس تمہاری بہنیں یا بھائی بھاوج آ جاتے ہیں تو طبیعت کچھ بہل جاتی ہے، ورنہ اتنی بڑی حویلی میں دم الجھنے لگتا ہے۔"

اس کے دونوں بڑے بھائی شادی کے بعد ایک ایک کر کے علیحدہ ہو گئے تھے۔ اب پرانی حویلی میں اماں رہتی تھیں اور بھائیوں میں سب سے چھوٹے مرسلین شاہ۔

"سوچتی ہوں، پتا نہیں، زندگی [illegible] گئی ہیں۔ اپنی حیاتی میں ہی مرسلین [illegible] بھی اپنے گھر بار کا کر دوں تو حویلی میں [illegible] کی رونق آ جائے گی۔"

معصومہ [illegible]

"ایسی باتیں [illegible] اماں، مجھے اچھا نہیں لگتا۔ دل بیٹھ جاتا ہے۔ تمہارے دم سے تو ہمارا میکہ آباد ہے، ورنہ [illegible] کو ساری زندگی اپنی زمینوں اور سیاست سے فرصت نہ [illegible] بھائیوں کا بھی یہ ہی حال ہے۔ اپنی اپنی [illegible] میں مگن ہیں۔ مہینوں نہ آؤ تو کوئی مڑ کر پوچھے بھی [illegible]"

واقعی یہ اماں ہی تو تھیں جو اسے ہر دوسرے تیسرے روز فون کھڑکاتی رہتی تھیں۔ کبھی کسی شہر کی طرف آنے والے کے ہاتھوں سندیسے بھجتیں تو کبھی گاؤں کی سوغاتیں۔ اماں پیار سے بال سنوارنے لگیں۔

"پگلی نہ ہو تو! ارے مردوں کو ایسی نزاکتوں کا بھلا کیا پتا۔ گھر کے باہر سو مصروفیتیں ہوتی ہیں۔ یاد تو تمہیں سب ہی کرتے ہیں۔ جب بھی آتے ہیں تمہارا ضرور پوچھتے ہیں۔"

معصومہ نے یقین کر لیا۔ باپ کے بعد بڑے بھائیوں سے بھی وہ اتنا ہی رعب کھاتی تھی۔ وہ حویلی آتے تو کونے کھدروں میں چھپ جاتی تھی۔ درمیان میں ان دیکھے فاصلے حائل رہے تھے۔ ہاں خود سے دو سال بڑے مرسلین شاہ سے وہ کافی بے تکلف تھی اور دل کی بات بے جھجک کر ڈالتی تھی۔ وہ بھی اسے بہت چاہتا تھا۔ یوں تو وہ بھی بڑا جوشیلا اور جذباتی تھا، مگر اس کا بہت خیال رکھتا تھا۔ شہر سے کتابیں منگوانی ہوں یا کپڑے جوتے [illegible] وہ ہمیشہ اسی سے فرمائشیں کرتی تھی۔

"[illegible] اماں! مرسلین کی شادی کی تم نے خوب کہی۔" معصومہ کشن کے بل نکالتے ہوئے دلچسپی سے بولی۔ "میرے خیال میں تو تم تنہائی کی وجہ سے اداس ہو۔ پوتا پوتی گود میں آ جائے تو سب بھول جاؤ گی۔ مگر دیکھو اماں! ابھی اتنی جلدی مت کرنا۔ میری حالت دیکھو۔ مجھے بھی اپنے ادا کی شادی کا خوب لطف لینا ہے۔ خوب ناچوں گی، گاؤں گی، [illegible]، سچ کتنا مزہ آئے گا۔" وہ بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی۔

باقی بہن بھائی تو عمر میں اس سے خاصے بڑے تھے۔ ان کی شادیاں اس کی کم سنی میں ہی ہو گئی تھیں۔ معصومہ کو تو ٹھیک طرح سے کوئی تقریب یاد بھی نہیں تھی۔ اب ان کے بچے بھی اچھے خاصے بڑے ہو گئے تھے۔ بھائیوں نے حویلی کے وسیع و عریض احاطے میں اپنی علیحدہ علیحدہ رہائش گاہیں تعمیر کر لی تھیں۔ سال سے ملنے آتے رہتے تھے، بھابھیاں بھی خوب [illegible] رہتی تھیں۔ ساس بہو والی روایتی گھریلو سیاست بھی جاری و ساری تھی، مگر سب پر اماں کا بڑا رعب تھا۔

اماں اس کا شوق دیکھ کر مسکرانے لگیں۔

"ہاں ہاں۔ تم خیر سے فارغ ہو جاؤ۔ شادی تو تب ہی ہوگی، مگر لڑکیاں دیکھنے میں کیا حرج ہے۔ یہ کام بھی کوئی اتنا آسان تھوڑا ہی ہے۔ میرے مرسلین کی دلہن ہر لحاظ سے اس کے جوڑ کی ہونی چاہیے۔ شکل و صورت، قد کاٹھ، تعلیم، خاندانی حیثیت، حسب نسب سب دیکھوں گی۔"

معصومہ کے تصور میں اپنا گبھرو جوان بھائی آ گیا۔ اس نے دل ہی دل میں اس کی بلائیں لیں۔ واقعی اس کا بھائی ہزاروں لاکھوں میں نمایاں دکھائی دیتا تھا۔ بھابھی بھی لاکھوں میں ایک ہونی چاہیے تھی۔

"تو پھر کوئی ہے نظر میں؟" اس کی بے تابی بڑھتی جا رہی تھی۔

اماں شاید کافی دنوں سے اسی بارے میں سوچ

بیٹھی تھیں۔ انہوں نے خاندان والوں' ملنے جلنے والوں کی کئی لڑکیوں کے نام گنوا ڈالے' جو ان کے ذہن میں تھیں۔ قریبی رشتے داروں میں تو مرسلین شاہ کی عمر کی کوئی نہ تھی۔

دونوں ماں بیٹی دیر تک سر جوڑے بیٹھی ان ہی پر تبصرے کرتی رہیں۔ نظر انتخاب کسی پر ٹھہری نہ رہی تھی۔ مرسلین شاہ کے مقابلے میں کوئی جچتی دکھائی نہ دیتی تھی۔ کسی کی صورت واجبی تھی تو کوئی بی دیہاتن لگتی تھی۔ کوئی قد میں مات کھاتی تھی تو کوئی رنگ روپ میں' جو کوئی خوب صورت تھی تو گھر سنبھالنے کا ڈھنگ تھا نہ سلیقہ' نری فیشن کی پتلی۔ یوں دیکھو تو ایک سے ایک اچھی لڑکی نظر پڑتی تھی مگر رشتہ ڈالنے کی نیت سے جنچنے بیٹھو تو ہر کسی میں کوئی نہ کوئی خامی نکل آتی۔ کوئی بھی تصور میں مرسلین شاہ کے برابر کھڑی موزوں نہ لگ رہی تھی۔

اماں صرف لڑکی کو ہی نہیں خاندان کو بھی بڑی اہمیت دے رہی تھیں۔ وہ اپنے بیٹے کا رشتہ کسی شریف نجیب الطرفین گھرانے میں جوڑنا چاہ رہی تھیں۔ آخر کو اس سے ان کی نسل آگے بڑھنا تھی۔

پھر بڑی مشکلوں سے جو ایک آدھ لڑکی دل کو لگی تو یا تو اس کی ماں تیز نکلتی' یا پھر اس کے خاندان کے مردوں کے طور طریقے شریفانہ نہ ہوتے اور اماں اخلاقیات کے معاملے میں بڑی سخت گیر تھیں۔ ان کے خاندان کے افراد صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے۔ مرد شراب و کباب سے کوسوں دور تھے جو کہ "عموماً" ان کے حلقے کے دوسرے امیر زادوں کا وتیرہ تھا۔

ایک کے بعد ایک' وہ دونوں ہر کسی کو رد کرتی چلی گئیں۔ تھک ہار کے فیصلہ یہ ہوا کہ اگلی بار اس کی باقی کی تینوں بہنوں کو بھی شامل کر کے اطمینان سے اس موضوع پر سوچا جائے گا۔

ان ہی باتوں میں شام ہو گئی تھی۔ کچھ دیر بعد ایک پندرہ' سولہ سالہ لڑکی آ کر ان کے درمیان [illegible] اور دیگر لوازمات کی بھری ٹرے رکھ گئی [illegible] پہلے ہی حکم دے رکھا تھا۔

"چھوری پانی بھی لے آ۔" اماں نے کہا۔

"جی بی بی!" وہ ان ہی پیروں واپس پلٹی تھی۔ اس کی چٹیا میں لگے گھنگھرو زور سے بج اٹھے تھے۔ معصومہ اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ یہ چہرہ اس کے لیے اجنبی تھا۔ مگر کوئی نہ کوئی بات ایسی تھی جو اسے چونکا گئی تھی۔ مشکی رنگت' کسا ہوا بدن' گھنگھریالے بالوں کی لٹیں چٹیا سے نکل کر ادھر ادھر چہرے پر بکھری تھیں۔ چہرے پر نوعمری کے بانکپن کے ساتھ بلا کی جاذبیت تھی۔ وہ اپنی ایڑی پر یوں لچک کر گھومی تھی جیسے کوئی ناگن بل کھا رہی ہو۔

معصومہ کو اس گہری رنگت اور عام سے نقوش والی لڑکی سے عجیب سی حیوانی کشش پھوٹتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

"یہ کون ہے؟"

"مراداں ہے' اپنی شاداں کی نواسی۔" اماں نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے بتایا۔

شاداں ان کی پرانی خدمت گزار تھی' مگر اسے وہ غالباً" پہلی بار دیکھ رہی تھی۔

"پہلے تو کبھی نہیں دیکھا۔"

"تم کہاں یہاں روز روز آتی ہو' شادی کیا ہوئی سسرال ہی کی ہو گئیں۔ مہینوں گزر جاتے ہیں [illegible] میں جھانکتے۔"

اماں نے گلہ کیا تو معصومہ [illegible] کر جھینپ گئی۔ کیسے بتاتی کہ نعمان [illegible] کمال [illegible] نظروں سے اوجھل ہونے دیتا [illegible] نئی شادی ہوئی تھی۔ ابھی بھی کتنی مشکل [illegible] ایک رات رکنے کی شرط پر اجازت [illegible] تھا کہ اب تمہارے بغیر کمرہ [illegible] کاٹنے کو دوڑتا ہے۔

ادھر اماں کا یہ خیال تھا کہ اس کی ساس اسے چنگل میں دبوچے بیٹھی ہے۔ یوں بھی دونوں جٹھانی' دیورانی کی آپس میں کم ہی لگتی تھی۔ ایک بیورو کریٹ کی بیٹی تھی' سو اسے اپنے شہری مہذب اطوار کا زعم تھا تو اماں کو یہ غرور کہ وہ گاؤں کی راجدھانی کی بلا شرکت غیرے حکمران ہیں۔

اگر گھر کے مردوں کی مرضی نہ ہوتی تو شاید یہ نوبت بھی نہ ہوتی۔

"ویسے تو یہ پہلے اپنے ددھیال میں رہتی تھی مگر اس کے باپ کے مرنے کے بعد شاداں دونوں ماں بیٹی کو اپنے پاس لے آئی۔ صدمے نے اس کی ماں کو تو کسی کام جوگا رکھا نہیں ہے' شاداں بچاری پڑ گئی تو اس نے اسے حویلی بھیج دیا ہے۔" اماں نے تفصیلی وضاحت [illegible]

معصومہ کچھ کہنے کو تھی کہ مراداں پانی [illegible] کشاں کشاں چلی آئی۔ معصومہ اپنی بات [illegible] اسے دیکھنے لگی۔ مراداں نے [illegible] اماں کو تھمایا' پھر معصومہ کو [illegible] طرف [illegible] اسی ادا کے ساتھ [illegible]

وہ اپنے انداز و اطوار سے ہی بڑی چلبلی لگ رہی تھی۔ [illegible] وقت بھی ایسے تھے جیسے موتیوں کی [illegible] رنگت اچانک دمک اٹھی تھی۔

"اس کی چال تو دیکھو اماں' جیسے ناچ رہی ہو۔" معصومہ بے ارادہ بول اٹھی۔ اماں نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"ہاں تو کیوں نہ ناچے گی' اس کی نانی شاداں میراثن' اس کی ماں رحماں میراثن' ہماری تقریبوں میں ناچ ناچ کر قالین گھس دیتی تھیں' یہ تو بچپن سے تھرکتی پھرتی ہے' مچھلی کے بچے کو بھلا تیرنا کون سکھا سکتا ہے' بڑی پھرتیلی ہے' سارا گھر سنبھال رکھا ہے۔ شاداں بیچاری کیسی سست تھی' پڑی اونگھتی رہتی تھی۔ ایک ایک کام میں گھنٹہ لگا دیتی تھی' ساری ساری رات [illegible] ہوتے ایک سانس نہیں چھوڑے گی مگر ذرا سا کام کر کے ہانپ جائے گی۔ اب مجھے تو بڑی سہولت ہو گئی ہے' ورنہ ان جوڑوں کے درد نے کسی کام کا نہ چھوڑا تھا' خاص کر مرسلین شاہ کے تو سارے کاموں کی ذمہ داری اسی کے سر ہے' اس کا مزاج سمجھ گئی ہے' مجھے بے فکر کر دیا ہے۔"

معصومہ کے کان کھڑے ہو گئے۔ ماں کی اتنی زیادہ بے فکری اسے اچھی نہیں لگی۔

"مگر اماں! ایسی جیتی جاگتی قیامت کو حویلی میں رکھنے کی کیا ضرورت [illegible]" وہ جھنجلا کر بولی۔

"ضرورت کیوں نہیں تھی؟" اماں نے الٹا پوچھا۔

"بھلا تو رہی ہوں' مجھے کتنا آرام دیتی ہے' سارے کام [illegible] جب سے یہ ددھیال سے آئی ہے' ورنہ تو چلنا پھرنا [illegible] کا ڈھنگ ہو جاتا تھا۔ میرا تو آدھا بوجھ اتر گیا [illegible]"

معصومہ کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ اس کی اتنی جہاندیدہ ماں اتنی نادان کیوں ہو رہی ہے۔

"اماں! تم سمجھ کیوں نہیں رہی ہو' مجھے تو یہ لڑکی بڑی فتنہ لگ رہی ہے' کچھ اور ہی طرح کے گن دکھائی پڑتے ہیں' ایسی لڑکیاں بڑی چالاک ہوتی ہیں' مردوں کو پھانس لیتی ہیں۔" اسے صاف صاف کہنا پڑا۔

"ارے ہٹو بھی' ہم زمین داریاں ایسے فتنوں کو دفن کرنا خوب جانتی ہیں۔" اماں بے پروائی سے بولیں۔ "موری کی اینٹ موری میں ہی پڑی رہنے دیتی ہیں۔ ایسا اندھیر نہیں چل رہا اور بی بی! تم جانتی ہو ہمارے یہاں کے طور طریقے اور ہیں۔ حویلی کے مرد اپنے یہاں کام کرنے والی عورتوں کی عزت کرتے ہیں۔ ان کی عزت پر ہاتھ نہیں ڈالتے۔ اللہ معافی دے اس حویلی کا یہ دستور نہیں ہے۔"

یوں تو معصومہ بھی اپنے بھائیوں کی شرافت کی گواہ تھی۔ مگر مراداں کو دیکھ کر جانے کیوں وہ کھٹک گئی تھی۔ ادھر اماں تو بس مراداں کی خدمت گزاری کی گرویدہ ہو چکی تھیں۔

"اور میرے ہوتے کس کی مجال ہے جو حویلی میں کچھ غلط کرنے کا سوچے۔" انہوں نے اپنی طرف سے بات ہی ختم کر ڈالی۔

اسی وقت باہر ہلچل سی مچی' ملی جلی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

"ارے مراداں! دیکھو تو کون ہے۔" لگتا تھا اماں اپنے چھوٹے بڑے ہر کام کے لیے اسی لڑکی پر انحصار کرنے لگی تھیں۔

وہ ہرنی کی طرح قلانچیں بھرتی گئی اور اسی طرح

وڈیری دوڑی دوڑی واپس لوٹی۔ پھولی پھولی سانسوں پر قابو پاتے بتایا۔
"چھوٹے سائیں زمینوں سے لوٹے ہیں۔"
"اچھا جا۔ جلدی سے اس کے غسل کا پانی گرم کروا' کپڑے نکال رکھ اور کھانے کا انتظام دیکھ' پتا نہیں زمینوں پر ڈھنگ سے کھانا پینا بھی ہو گا یا نہیں۔" اماں نے ایک سانس میں کئی کام گنوا ڈالے۔ مرسلین شاہ سب بھائیوں سے زیادہ ان کا لاڈلا تھا۔
"جی اچھا!" مراداں پھرتی سے پلٹ گئی۔ معصومہ ماتھے پر بل ڈالے اسے دیکھتی رہ گئی۔
مرسلین شاہ ہمیشہ کی طرح ہنستے مسکراتے اندر چلے آئے' حسب روایت جھک کر ماں کی قدم بوسی کی' بہن کے سر پر ہاتھ رکھ کر خیر خیریت پوچھی۔
معصومہ بھائی کو دیکھ کر کھل اٹھی تھی۔
اونچا لمبا ڈیل ڈول' مردانہ وجاہت کا شہکار' خاندانی جلال و جمال کا امتزاج اس کا بھائی جسے وہ نظر بھر کر دیکھتے ہوئے ڈرتی تھی کہ کہیں نظر نہ لگ جائے۔
"کیا بات ہے دونوں ماں' بیٹی بڑی خوش لگ رہی ہو؟" مرسلین شاہ نے پوچھا۔
معصومہ چہکی۔ "ہاں تو خوش کیوں نہ ہوں' سنا ہے بہت جلد حویلی میں شادیانے بجیں گے' تمہیں "موڑ" باندھا جائے گا۔"
"یہ بے پر کی کہاں سے سن لی؟" مرسلین شاہ نے دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
مرسلین نے ماں کی طرف دیکھا جو مسکرا رہی تھی' پھر بولی۔ "ہاں جب پری جیسی بھابھی اس گھر میں آئے گی تب پوچھوں گی۔"
وہ یونہی مرسلین شاہ کو چھیڑتی رہی اور وہ زیر لب مسکراتا رہا۔
مراداں اس اثنا میں پھرکی کی طرح ادھر سے ادھر پھرتے کام نپٹاتی رہی۔ اس نے بن کہے مرسلین شاہ کو پانی لا کر دیا۔ اس کے جوتے اٹھا کر جھاڑ [illegible] رکھے اور چپلی لے آئی پھر [illegible] دم ہو کر آیا تو جھٹ پٹ اس کے آگے گرم کھانا چن دیا۔
معصومہ بظاہر تو ماں کے ساتھ باتوں میں لگی تھی' مگر دزدیدہ نظروں سے جائزہ لیتی رہی تھی۔ سب کچھ معمول کے مطابق لگ رہا تھا۔ مرسلین شاہ کے رویے میں بھی کوئی غیر معمولی بدلاؤ نہ تھا۔ وہ یوں بھی بلا ضرورت کسی سے بات نہ کرتا تھا۔ مگر جانے کیوں معصومہ کو اندر ہی اندر بے چینی سی لگی تھی۔
شادی کے بعد جہاں نت نئی باتوں سے آگاہی ہوئی تھی' وہاں ایسے بھی ڈھیروں قصے سنے تھے جو اس وقت اسے یاد آ رہے تھے۔
لگتا تھا حویلی کے سارے ملازم یا مر گئے تھے یا بد حرام ہو گئے تھے جو مراداں چکوری کی طرح مرسلین شاہ کے گرد چکر کاٹ رہی تھی۔ ابھی بظاہر تو مرسلین شاہ اسے نظر بھر کر بھی نہ دیکھ رہا تھا۔ مگر کیا تنہائی میں بھی۔
یہ خیال اسے پہلو بدلنے پر مجبور کر رہا تھا۔
مراداں اس کی خدمت میں بھی آگے آگے رہی تھی مگر معصومہ کا رویہ اس کے ساتھ روکھا ہی رہا تھا۔ سسرال واپسی پر اماں نے ہمیشہ کی طرح اسے ڈھیروں دعاؤں اور تحائف کے ساتھ رخصت کیا۔ وہ کب جانتی تھی کہ یہ ماں سے اس کی آخری ملاقات ہو گی۔ وہ انہیں پھر کبھی نہ دیکھ پائے گی۔
ابھی اسے گئے چند روز [illegible] ہوئے تھے کہ اماں نے ہمیشہ کے لیے آنکھیں موند لیں۔ معصومہ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اس اچانک خبر نے اسے صدمے سے ایسا نڈھال کیا کہ [illegible] اس کی فکر [illegible]۔
جنازے [illegible] ایک دوسرے سے لپٹ کر خوب [illegible] یکساں کے دم سے ہی آباد تھا۔
[illegible] ان کے سسرال کے دکھ سکھ کی ساتھی اور سہارا دیتی [illegible] اب تو جیسے حویلی کی ساری رونق اجڑ گئی تھی۔ ویران گھر دیکھ کر دل میں ہول اٹھتے تھے۔ بھائی اپنے اپنے گھروں میں مست و مگن تھے۔ اب میکے جانے پر کوئی بھی اماں کی طرح والہانہ بانہیں پھیلائے ان کا استقبال نہ کرتا تھا۔ ایک مرسلین شاہ تھا وہ بھی چپ چپ رہنے لگا تھا۔ ماں کے بغیر میکے جانے کو جی بھی نہیں کرتا تھا۔
پھر سب سے بڑا بھائی اپنے خاندان سمیت پرانی حویلی اٹھ آیا تو در و دیوار اور اجنبی ہو گئے۔ اماں کے لیے چوڑے چھپر کھٹ پر اب بڑی بھابھی بڑے ٹھاٹ سے بیٹھ کر حکم چلاتی تھی۔
کئی مہینے تو خود کو سنبھالنے میں یوں گزر گئے [illegible] کی باتوں' اس کی یادوں کے تذکرے [illegible] کو کسی اور چیز کا ہوش بھی نہ رہا تھا۔ [illegible] ٹھہرا تو معلوم ہوا کہ ایک اور قیامت [illegible] ہے۔ مرسلین شاہ الگ تھلگ رہنے لگا تھا۔ [illegible] کو اس کی تنہائی کا احساس تھا [illegible] بالکل اکیلا ہو کر رہ گیا تھا۔ ماں کی برسی [illegible] اس کا گھر بسانے کے بارے میں [illegible] ہی رہی تھیں کہ مرسلین شاہ نے دھماکہ کر ڈالا۔ وہ اس معمولی ملازمہ مراداں سے شادی [illegible]۔
معصومہ کے خدشات بدترین حقیقت میں ڈھل چکے تھے۔ خاندان بھر میں بھونچال سا آ گیا۔ بہنیں سراسیمہ ہو گئیں اور بھائی آگ بگولہ۔ ایسا تو ان کی سات پشتوں میں بھی نہ ہوا تھا۔ جس نے سنا دانتوں تلے انگلی دبا ڈالی۔
خاندان کے تمام بڑے بزرگوں نے' چچا نے' پھوپھیوں نے فردا" فردا" مرسلین شاہ کو سمجھانے کی کوشش کی مگر بے سود' اس کے سر پر عشق کا بھوت سوار تھا۔ منت سماجت' دھونس دھمکی' لالچ' ڈراوا' سمجھانا بجھانا' کوئی بھی حربہ کارگر نہ گزرا اور مرسلین شاہ اپنی ہی ضد پر اڑا رہا۔
شاداں اور اس کی بیٹی نے تو بڑی صفائی سے اپنے آپ کو اس معاملے سے علیحدہ کر لیا تھا کہ وہ تو سیدوں کی جوتیاں سیدھی کرنے کو ہی سعادت سمجھتی ہیں۔ ان کا اس قصے سے نہ لینا ہے نہ دینا۔ انہوں نے لڑکی بڑی بی بی جی کے سپرد کی تھی اب وہ جانے یا حویلی والے۔
حویلی والوں کا بس چلتا تو شاید مراداں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیتے' مگر وہ مرسلین شاہ کی پناہ میں تھی اور مرسلین شاہ سے ٹکر لینا بھی کچھ آسان نہیں تھا' اس کی رسائی بھی اوپر [illegible]
مرسلین شاہ نے [illegible] کہہ دیا تھا کہ اب چاہے دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے اس نے نکاح کرنا ہے تو صرف مراداں سے۔
ان دنوں جب وہ اپنی ماں کی وفات کے بعد صدمے سے نڈھال شدید ذہنی و جسمانی تنہائی کا شکار تھا۔ مراداں نے اپنی خدمت' اداؤں کا جانے کیسا جال پھیلایا تھا کہ مرسلین شاہ اس میں بری طرح جکڑا جا چکا تھا۔
اپنے جذبات کی منہ زوری میں اسے نہ اپنی ماں کی آخری خواہش کا پاس رہا تھا' نہ حویلی کی عزت و آبرو کا احساس۔ اور تو اور اسے اس بات کی بھی کوئی پروا نہ رہی تھی کہ اس شادی کی صورت میں خاندان اور برادری والے اس سے سماجی تعلقات توڑ لیں گے۔ اس نے اپنے بھائیوں کی اس دھمکی کو در خور اعتنا ہی نہ سمجھا تھا۔
پھر وہی ہوا جو مرسلین شاہ نے چاہا' پہلے تو وہ گھر والوں کو اس شادی پر رضامند کرنے کی کوشش کرتا رہا' پھر ان کے صاف جواب پر ایک روز مراداں کے ساتھ حویلی چھوڑ کر چلا گیا۔ زمین و جائیداد تو شرعی طور پر اس کی ملکیت میں تھے۔ اسی کے تصرف میں رہے۔ پھر بہت جلد اس نے انہیں اونے پونے بیچ کر شہر میں مستقل سکونت حاصل کر لی۔
یہ اس کے بھائیوں کی عزت و غیرت کے لیے ایک اور تازیانہ تھا۔ اگر مرسلین شاہ کو ان کی عزت کا کچھ پاس نہ تھا تو اب انہیں بھی اس سے کوئی غرض نہ تھی۔ پنچایت بٹھائی گئی اور خاندان کے تمام سرکردہ افراد نے متفقہ فیصلہ دے دیا کہ اب مرسلین شاہ سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہے۔
معصومہ کے بڑے بھائیوں نے سب سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اب جس نے مرسلین شاہ سے کوئی رابطہ رکھا وہ اس سے کوئی تعلق نہ رکھیں گے۔ یہ ایک ایسا فیصلہ تھا جس کی کوئی روگردانی نہ کر سکتا تھا۔
شروع شروع میں مرسلین شاہ نے ناراض بہن'

بھائیوں کو منانے کی کافی کوشش کی تھی۔ دلائل سے، بحث و تکرار سے، محبت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ وہ شرعی اور قانونی طور پر کوئی ناجائز کام نہیں کر رہا۔ اس نے ایسا کوئی ناقابلِ معافی جرم نہیں کیا ہے، مگر یہ سارا معاملہ اتنا آسان نہیں تھا جتنا کہ وہ سمجھے بیٹھا تھا۔ اب یہ عزت و انا کی جنگ تھی۔ وہ کسی کو بھی قائل نہ کر سکا۔ وہ ایک آدھ سال کے وقفوں سے گاؤں چکر لگاتا رہا، مگر حویلی کے دروازے اسے بند ہی ملے۔ اس کے بھائیوں نے اس سے ملنا تک گوارا نہ کیا۔ وہ ان کے لیے ننگ خاندان تھا اور ننگ خاندان ہی رہا۔

پھر سنا کہ ایک سرد رات وہ بھی جیسے ضد میں آ کر پوری رات حویلی کے باہر کھڑا رہا کہ آج یا تو وہ نہیں یا اس کے بھائیوں کا عہد نہیں۔

لیکن اس کے بھائی اپنے قول کے پکے نکلے۔ حویلی کے قوی ہیکل پھاٹک بند ہی رہے۔ صبح دم وہ بوجھل قدموں سے وہاں سے پلٹا تھا اور پھر کبھی لوٹ کر نہیں آیا۔

کہنے والے کہتے تھے کہ اس رات اس کا دل کچھ ایسا ٹوٹا تھا کہ وہ لمبا چوڑا شخص اندر سے ڈھ کر رہ گیا تھا۔

پھر ایک اداس سی شام اس کی موت کی اطلاع آئی۔ دل کلیجے میں پھڑپھڑایا۔ تنہائی میں آنکھ سے آنسو بھی ابلے، مگر بڑے بھائیوں کا سپاٹ پتھریلا چہرہ دیکھ کر زبان سے اف کرنے کی بھی ہمت نہ ہو سکی۔ وہ بہنیں چھپ چھپ کر گھٹ گھٹ کر روتی رہیں، پھر چپ ہو گئیں۔

پھر آہستہ آہستہ اس واقعے پر وقت کی گرد پڑتی چلی گئی۔ مرسلین شاہ کا نام شجرِ ممنوعہ ٹھہرا تھا۔ دل کے ایک گوشے میں ایک قبر ضرور بنی تھی، مگر اس قبر پر ماتم کرنے کی کسی کو اجازت نہ تھی۔ یہ سب اس وقت کے قصے تھے جب فیضان اس کی گود میں [illegible] قصہ تازہ تھا اور ہر زبان پر یہی چرچا تھا۔ پھر کئی برس [illegible] گزر گئے۔ مرسلین شاہ کا ذکر کبھی [illegible] سرد آہ تو نکلتی تھی مگر درد کی [illegible] پھر ہوتے ہوتے سب اپنی زندگی میں گم ہوتے چلے گئے۔

معصومہ کو یاد نہیں تھا کہ فیضان کے شعور پکڑنے کے بعد کبھی اس نے اس کے سامنے مرسلین شاہ کا ذکر چھیڑا ہو، یوں بھی وہ خاندانی تقریبات وغیرہ سے دور بھاگتا تھا اور اپنے دوستوں کی سنگت میں ہی خوش رہتا تھا۔ اس کی اپنی تعلیمی مصروفیات بھی الگ سے تھیں، یوں اسے خاندان والوں سے زیادہ ملنے جلنے کا وقت ہی نہ ملتا تھا، پھر آج وہ یہ ذکر نہ جانے کہاں اور کس سے سن آیا تھا۔ اس نے اس سارے واقعے کو کسی اور زاویہ سے دیکھا تھا۔ اس لیے اس کے لہجے میں مرسلین شاہ کے لیے ہمدردی بھی، شاید وہ یہ احساس نہیں کر پا رہا تھا کہ کس طرح مرسلین شاہ نے اپنی خود غرضی میں سب خاندان والوں کو ایک مسلسل اذیت سے دوچار کیے رکھا تھا۔ وقتی خواہش سے مغلوب ہو کر وہ جذبات میں اتنا اندھا ہو گیا کہ ایک عام سی لڑکی کے لیے خاندان بھر سے رشتے ناطے توڑ لیے، پھر شاید وہ اپنے فیصلے پر پچھتایا بھی بہت تھا، جبھی تو حویلی کے چکر کاٹتا رہا تھا۔ اگر وہ لوگ ناخوش تھے تو مطمئن وہ بھی نہیں تھا اور یہی حسرت لیے اس دنیا سے چلا گیا۔ ساتھ ہی ان سب کے دل میں بھی ایسی خلش چھوڑ گیا جو مٹائے نہ مٹتی [illegible]۔ بہنیں کبھی سوچتے بیٹھتیں تو انہیں [illegible] ذمہ دار مرسلین شاہ سے زیادہ وہ [illegible] مرادوں [illegible] کی جس نے ان کے خاندان کا شیرازہ [illegible] کر دیا تھا۔

معصومہ نے پہلی نظر [illegible] ناپسندیدگی محسوس کی تھی [illegible] میں [illegible] گئی تھی اور وہ نفرت وقت گزرنے [illegible] عروج پر جا پہنچی تھی۔ مرسلین [illegible] شادی کر کے مرادوں کے دن بدل گئے [illegible] نے اسے فرش سے عرش پر بٹھا دیا [illegible] اسے زندگی کی ساری آسائشیں مہیا کی تھیں۔ [illegible] کی موت کے بعد بھی سنا تھا وہ بڑے ٹھاٹ سے زندگی گزار رہی تھی۔ اس کے بارے میں اڑتی اڑتی خبریں ان لوگوں تک بھی پہنچتی تھیں اور وہ سن کر نفرت سے منہ موڑ لیتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

فیضان نے کمپیوٹر آن کیا تو کنزی پہلے ہی سے لاگ ان تھی۔ شاید وہ اسی کا انتظار کر رہی تھی۔ ایک وقت سے لمبی لمبی چیٹ کے بغیر انہیں نیند ہی کہاں آتی تھی۔ فیضان کو لگتا تھا کہ وہ نشے کی طرح اس کا عادی ہوتا جا رہا ہے۔ اسے دن بھر کی روئیداد سنائے بغیر چین نہ ملتا تھا۔ فیضان نے لکھا۔

"آج میں نے ممّا سے تم لوگوں کا ذکر چھیڑا [illegible]"

"تو پھر انہوں نے کیا کہا؟" کنزی نے [illegible] سے پوچھا تھا۔ فیضان نے اس سے [illegible] رکھا تھا۔

فیضان اس کی [illegible] جواب میں کچھ لکھتے ہوئے ہچکچا [illegible] یہ کچھ حوصلہ افزا نہیں تھا۔ [illegible] کو ٹھیس پہنچانا نہیں چاہتا تھا۔ ابھی وہ [illegible] الفاظ سوچ ہی رہا تھا کہ کنزی نے لکھا۔

"[illegible] ہوں۔ انہوں نے کیا کہا ہو گا؟ یہ کون سی نئی بات ہے۔ میں اس نفرت کی عادی ہوں، بچپن سے دنیا کا یہی رویہ [illegible] آ رہی ہوں۔"

فیضان کو یوں لگا جیسے وہ اس کے سامنے بیٹھی پلکیں جھپک جھپک کر اپنے آنسو روکنے کی کوشش کر رہی ہو۔ چڑیا کا سا اس کا دل تھا، دنیا کے سامنے وہ بہت مضبوط بنتی تھی مگر ایک فیضان ہی تھا جس کے سامنے وہ اپنے سارے احساسات، ساری کمزوریاں کھول کر رکھ دیتی تھی۔ ایسے میں فیضان پر کیا گزرتی تھی یہ تو کچھ اس کا دل جانتا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ اس کے سارے آنسو سمیٹ لے، مگر اسے لڑکیوں کے آنسو پونچھنے کا کوئی تجربہ بھی نہ تھا۔ نہ ہی اس کی کوئی بہن تھی نہ ہی کسی کزن سے کوئی بے تکلفی تھی۔ وہ بچپن ہی سے خاندان والوں سے الگ تھلگ رہا تھا۔ کالج میں لڑکیوں سے سرسری سی دعا سلام رہتی تھی، پھر وہ اس سے ٹکرائی تھی۔

پہلی ہی نظر میں وہ اسے کچھ الگ سی لگی تھی۔ وہ عام لڑکیوں کی نسبت بہت بولڈ تھی۔ ہر کسی سے بڑے اعتماد سے بات کرتی تھی۔ اپنی گاڑی خود ڈرائیو کر کے کالج آتی تھی۔ [illegible] کار بن [illegible] ظاہر کرتا تھا کہ اس کا تعلق کسی اچھے [illegible] سے ہے۔ اس میں ایک عجیب سی کشش [illegible] سے پہلے تو اس کے [illegible] نے فیضان کو [illegible] تھا۔ پھر بعد میں چند ملاقاتوں کے بعد اس پر یہ [illegible] انکشاف ہوا کہ کنزی شاہ دراصل اس کے مرحوم چھوٹے ماموں کی بیٹی ہے، جن سے کچھ وجوہات کی بنا پر اس کے خاندان والوں نے قطع تعلق کر رکھا تھا۔

اب فیضان نے جانا تھا کہ اسے دیکھ کر ایک نامعلوم سی اپنائیت کا احساس کیوں ہوا تھا۔ شاید یہ خون کی کشش تھی۔

اس نے اپنے مرحوم ماموں کی "پیار کہانی" کے بارے میں تھوڑا بہت سن رکھا تھا۔ تفصیل جاننے کی کبھی خواہش ہی نہ ہوئی تھی، کیونکہ کبھی کسی کو اس موضوع پر بات کرتے ہی نہ دیکھا تھا۔ یہ کنزی ہی تھی جس نے اسے پوری تفصیل سے بتایا تھا کہ کس طرح اس کی ماں سے پسند کی شادی کرنے کی پاداش میں اس کے باپ کو خاندان سے الگ کر دیا گیا تھا۔ "بات کس طرح اس کے باپ کی قلبی اذیت کا باعث بنی تھی اور تو اور اس کے خاندان والے ان کی اکلوتی بیٹی تک کو قبول کرنے پر تیار نہ تھے جو کہ ان کا اپنا خون تھی۔"

فیضان کو سخت حیرت بھی ہوئی تھی اور افسوس بھی۔ اپنے دونوں بڑے ماموؤں کو تو وہ جانتا تھا کہ وہ کتنے سخت گیر اور اصول پرست ہیں۔ ان کی ایک اپنی ہی سوچ تھی، مگر اسے اپنی نرم مزاج ماں سے ایسی سنگ دلی کی امید نہ تھی۔ وہ تو ہمیشہ ہی اسے حقوق و فرائض کے بارے میں سمجھاتی رہتی تھیں۔ پسند کی شادی کرنا خود اس کی نگاہ میں ایسا کوئی ناقابلِ معافی جرم نہیں تھا کہ جیتے مرنے کے تعلق ہی توڑ لیے جائیں۔ آج کل تو بلکہ جہاں دیکھو یہی رواج چلا آ رہا تھا۔ اس کے اپنے خاندان میں اس کی کئی مثالیں تھیں۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ تم سے کیوں نفرت کریں گی۔ ان فیکٹ وہ تمہارے بارے میں کچھ جانتی تک نہیں ہیں۔" اس نے ماں کی حمایت کی۔

"مجھے تو لگتا ہے ان کے دل میں ماما کی بڑی محبت ہے، کچھ وہ مجبور ہو گئی تھیں۔ ویسے تم فکر مت کرو۔ میں نے تم سے کہا ہے ناکہ میں آہستہ آہستہ انہیں کونفس کر ہی لوں گا بہت پاور ہے میرے پاس۔"

"اچھا چلو دیکھ لیتے ہیں فیضان شاہ بخاری کی پاور بھی۔" "وہ یقیناً" آنسوؤں کے درمیان ہنسی تھی۔ بقول اس کے یہ صرف ایک فیضان ہی تھا جس سے وہ اپنے دل کی ہر بات بلا جھجک کر لیتی ہے کیونکہ وہ اس کے اپنوں میں سے تھا۔

فیضان محسوس کرتا تھا کہ خاندان سے الگ رہ کر اس کی شخصیت کچھ بکھری گئی ہے۔

اس کی نگاہ میں اپنی اہمیت فیضان کو مغرور سا کر ڈالتی تھی۔ جواب میں وہ بھی اسے یہ یاد دلانا نہیں بھولتا تھا کہ خود اس کی زندگی میں اس حد تک اثر انداز ہونے والی وہ پہلی لڑکی ہے۔

"دیکھو چیلنج مت کرو۔" اس نے کنزیٰ کی بات کے جواب میں کہا۔

"میں تو تمہیں کہتی ہی ہوں کہ آخر اس سب کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ہم یوں بھی ایک دوسرے کے اچھے دوست ہیں اور رہیں گے۔ تم ہی نے ضد پکڑ لی ہے۔"

"اور تم دیکھ لینا کہ میں اپنی ضد کا کتنا پکا ہوں۔" فیضان نے کہا۔ ایک بات تو وہ دونوں ہی جان چکے تھے کہ ان کے درمیان جو تعلق بن چکا ہے وہ دوستی سے کچھ بڑھ کر ہی ہے، مگر اپنے جذبوں کو زبان دینے کے لیے فیضان کسی مناسب موقع کے انتظار میں تھا۔ کافی دیر کی ادھر ادھر کی گفتگو کے بعد جب کنزیٰ اسے شب بخیر کہہ کر کمپیوٹر بند کر کے اپنی ریوالونگ چیئر پر پلٹی تو اس کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں عجیب سی چمک۔

"ضد کی پکی تو میں بھی ہوں فیضان بخاری اب دیکھنا یہ ہے کہ جیت کس کی ہوتی ہے میری [illegible] ان حویلی والوں کی۔" وہ بڑبڑائی۔

☼ ☼

وہ ایک خوشگوار شام تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے آوارہ جھونکے شاید بالکونی میں سجے گملوں کے سرسبز پتوں کو گدگداتے چلے جا رہے تھے جب ہی تو وہ دوہرے ہوئے جاتے تھے۔

جاتی سردیوں کے دن تھے شام قدرے خنک تھی اور دن معتدل ہوئے جا رہے تھے۔

مرادن بی بالکونی کی ریلنگ کے سہارے کھڑی نیچے جھانک رہی تھی۔ جدید طرز کے بنے اپارٹمنٹ کے احاطے میں ابھی ابھی رکنے والی گاڑی سے اترنے والی بلاشبہ اس کی بیٹی کنزیٰ تھی۔ اس نے جھک کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے بندے سے کچھ کہا، پھر ہاتھ ہلاتے ہوئے لفٹ کی طرف بڑھ گئی۔

مرادن بی کے ماتھے پر تفکر کی گہری لکیر تھی وہ بالکونی سے ہٹ کر اپنی آرام دہ کرسی پر آبیٹھی اور کنزیٰ کا انتظار کرنے لگی۔ کچھ ہی دیر میں اطلاعی گھنٹی بجی تو کم عمر ملازم لڑکے نے دروازہ کھولا۔ کنزیٰ پرس جھلاتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ اسے سامنے اپنے کمرے میں بیٹھے اپنی طرف متوجہ دیکھا تو وہیں چلی آئی۔ اس کے سلام کا جواب دے کر مرادن بی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"یہ آج تم کس کے ساتھ آئی ہو اور تمہاری گاڑی کہاں ہے؟"

کنزیٰ کافی خوش باش دکھائی دے رہی تھی ماں کے سوالات نے اس کا موڈ خراب [illegible] بیزاری سے بولی۔

"آخر تم میری جاسوسی کیوں کرتی رہتی ہو امی! جب تک گھر نہ آ جاؤں بالکونی میں کھڑی رہتی ہو۔"

ماں کی روک ٹوک اسے ہمیشہ ہی بہت بری لگتی تھی۔

"میں کہیں بھاگی تو نہیں جا رہی۔" وہ جب بھی یہ کہتی تھی مرادن بی کو ایک تیر سا لگتا تھا۔ ایسی دل جلانے والی باتیں وہ اکثر کرتی رہتی تھی۔

"اچھا چھوڑو یہ باتیں، آج میں بہت خوش ہوں۔" کنزیٰ پھر خود ہی بولی۔ "گاڑی تو میری خراب تھی۔ اس لیے گیراج میں ہے اور رہا یہ سوال کہ میں کس کے

ساتھ کتنی ہوں تو بوجھو تو جانوں۔" وہ دبے دبے جوش کے ساتھ بولی۔

یہ بے وقت کی شوخی مراد بی بی کو کچھ بھائی نہیں۔ اس کا دماغ ابھی وہیں اٹکا تھا۔ کنزیٰ کا یوں بے تکلفانہ کسی غیر لڑکے کی گاڑی سے برآمد ہونا اسے تشویش میں مبتلا کر گیا تھا۔ لاکھ اس نے کنزیٰ کو آزادی دے رکھی تھی مگر کسی جاننے والے کی نگاہ پڑ جاتی تو کیا کیا باتیں نہ بنائی جاتیں۔ لوگ تو یوں بھی موقع کی تلاش میں رہتے تھے۔

"میں بھلا کیسے بوجھ سکتی ہوں۔" اس میں اب مزید ذہن لڑانے کی سکت نہ رہی تھی۔ کبھی یہ ساری دنیا اپنے قدموں تلے دکھائی دیتی تھی وہ بے حد کرب جو سن میں آ کر گزرتی تھی مگر اب قدم پھونک پھونک کر اٹھانا پڑتا تھا' آخر اب وہ ایک جوان بیٹی کی ماں تھی۔ اور بیٹی بھی کنزیٰ جیسی منہ پھٹ' خود سر اور من مانی کی عادی۔

"ہاں تم بھلا کیسے بوجھ سکتی ہو۔ تم میں اتنی سمجھ ہوتی تو۔ خیر چھوڑو۔ سنو میں جس لڑکے کے ساتھ آئی ہوں اس کے بارے میں تو تم واقعی سوچ بھی نہ سکو گی کہ کون ہو سکتا ہے۔"

مراد بی بی کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کون سی پہیلیاں بجھوا رہی ہے۔

"میری سگی چھوٹی پھوپھی کا بیٹا' فیضان شاہ بخاری' معصومہ پھوپھی کا بیٹا۔" کنزیٰ نے ڈرامائی انداز میں اپنی بات مکمل کی تو مراد بی بی کو حیرت کا ایک جھٹکا لگا۔

کنزیٰ اپنی کامیابی پر واقعی بہت خوش تھی۔ آج فیضان نے ڈھکے چھپے انداز میں سہی یہ جتا ہی دیا تھا کہ وہ اسے چاہنے لگا ہے۔ وہ نہ صرف اصرار کر کے اسے گھر تک ڈراپ کرنے آیا تھا بلکہ اس کی ماں سے بھی ملنا چاہتا تھا مگر کنزیٰ کے خیال میں یہ ابھی قبل از وقت تھا۔ ماں کا بھروسہ بھی کیا' اسے کون سا بات کرنے کا سلیقہ آتا تھا جانے کیا بول بیٹھے۔

"معصومہ بی بی کا بیٹا۔" مراد بی بی نے دہرایا۔ اس کے لہجے میں عقیدت و احترام کے ساتھ ساتھ بے یقینی اور ملال تھی۔ کنزیٰ جو ابھی چند لمحے پہلے خوشی دکھائی دے رہی تھی ایک دم بجھ گئی۔ اس کا موڈ یونہی پل پل بدلتا رہتا تھا۔

"اف امی! آپ اپنے لہجے سے یہ عاجزی اور مسکینی ختم کرو۔ اب وہ تمہاری مالکن نہیں ہے' نند ہے نند' بلکہ رشتے کے حساب سے دیکھا جائے تو تمہارا مرتبہ بڑا ہے۔ ہم کیا کسی سے کم ہیں۔ ہونہہ! تمہارا یہ کمپلیکس کبھی ختم نہ ہو گا۔ تمہیں اپنی عزت کروانی نہ آئی تو نہ آئی۔"

مراد بی بی حیرت سے اسے دیکھنے لگی کہ اب اس سے کیا قصور سرزد ہو گیا ہے۔ کنزیٰ جب سے بڑی ہوئی تھی بس اس میں خامیاں ہی ڈھونڈتی رہتی تھی۔ سچ تو یہ تھا کہ وہ اب اس کی عادی ہو چکی تھی' اس لیے اس وقت بھی اس کے لب و لہجے کو نظر انداز کر کے بولی۔

"اچھا اچھا۔ مگر یہ بتاؤ کہ وہ تمہیں کہاں سے مل گیا؟"

"ہمارے کالج میں پڑھتا ہے' اور ملا نہیں ہے بڑی مشکلوں سے ڈھونڈا ہے میں نے اسے۔"

"لیکن وہ یہاں تمہارے ساتھ کیوں آیا تھا؟" مراد بی بی سے یہ گتھی نہ سلجھ رہی تھی' حویلی والے تو ان کے سائے سے بھی بھاگتے تھے۔

"کوئی لڑکا کسی لڑکی کے [illegible] کیوں آتا ہے؟" کنزیٰ نے آنکھیں نچائیں۔ "ظاہر ہے وہ مجھ سے دوستی بڑھانا چاہتا ہے [illegible] تو بس ایک بہانہ تھا اس [illegible] بے وقوف ذرا نہ سمجھا۔ اف آج میں بہت خوش ہوں' جی چاہتا ہے خوب ناچوں۔"

کنزیٰ نے دونوں بازو پھیلا کر ایک چکر کھایا۔ مراد بی بی نظریں چرا گئی۔ کنزیٰ کے قدم کسی ماہر رقاصہ کی طرح تھرکتے تھے اور ایسے میں وہ اس کی ناراضی کی پروا کیے بغیر بڑی سختی سے اسے روک دیتی تھی۔ مگر آج نہ روک سکی۔

"تم۔ اس سے دوستی کرو گی؟" اس نے کمزور سے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں' دشمن کو زیر کرنا ہو تو اس کی کمزوری پر ہاتھ ڈالنا پڑتا ہے۔"

مراد بی بی کو اس کے ارادوں سے کسی خطرے کی بو آنے لگی' یقیناً وہ اس لڑکے کو یہاں بے مقصد نہیں لائی تھی۔ حویلی والوں سے کسی ممکنہ ٹکراؤ کے خیال سے اس کے رہے سہے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ [illegible] کیفیت میں ہاتھ مسلنے لگی۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارے ذہن میں یہ کیا خناس سمایا ہے۔ کس چیز کی کمی ہے [illegible] گاڑی سب [illegible] نے پھر آخر کیا چاہتی ہو تم [illegible]"

"تم ابھی [illegible] میں کیا چاہتی ہوں۔" کنزیٰ نے [illegible] "میں وہ سب چاہتی ہوں جو مجھ سے [illegible] ہے' عزت' اپنی شناخت' وہ سب [illegible] کے بھرتے ہیں۔ میں بھی اسی خاندان [illegible] ہوں' میری رگوں میں بھی وہی خون دوڑتا ہے' پھر کیوں مجھے اچھوتوں کی طرح نکال کر ایک طرف پھینک دیا گیا ہے۔" وہ مراد بی بی کی کرسی کے گرد گھوم کر دوبارہ اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔ "کیوں خاندان میں' برادری میں کوئی ہمیں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ کیوں کوئی ہمیں خاندانی تقریبات میں نہیں بلاتا' اگر بلاتا بھی ہے تو حویلی والوں کو جلانے کے لیے' پیٹھ پیچھے ہمارے بارے میں سو سو باتیں کرتا ہے۔"

اس کے یہ شکوے نئے نہیں تھے۔ مراد بی بی ایسے موقعوں پر ہمیشہ چور سی بن جاتی تھی۔ اس وقت بھی منمناتے ہوئے بولی۔

"لوگوں کی تو عادت ہوتی ہے باتیں کرنا' ہم کہنے والے کی زبان تو نہیں پکڑ سکتے۔ لوگ تو بادشاہوں کے پیچھے بھی باتیں کرتے ہیں' ہم اپنی چھوٹی سی دنیا میں خوش ہیں' ہمیں کیا۔"

"نہیں' میں خوش نہیں ہوں۔" کنزیٰ نے کہا۔ "میں کیوں اپنا حق نہ مانگوں' خالی روپیہ پیسہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا جو تم اتنے آرام سے ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ گئی ہو۔ تمہارے لیے تو یہ ہی بڑا احسان ہو گا کہ بابا نے تمہیں اپنی بیوی کا درجہ تو دیا' مراد بی بی نام کر دیا مگر میرے لیے [illegible] ہے' میری طلب کچھ اور ہے۔ بابا نے تم سے نکاح کیا تھا کوئی گناہ تو نہیں کیا۔ اور اگر تم دونوں نے کوئی غلطی بھی کی تھی تو اس کی سزا میں کیوں بھگتوں۔"

اس نے نفرت سے آنکھیں سکیڑ کر اپنے سامنے بیٹھی سانولی رنگت والی اس دبلی پتلی عورت کو دیکھا جو اس کی تمام تر کوششوں کے باوجود خود پر سے غربت اور گنوار پنے کی چھاپ نہ مٹا سکی تھی۔ اس وقت بھی اس نے تیز رنگوں کا پھول دار سوٹ پہن رکھا تھا' بے تحاشا گھنگھریالے بالوں کی لٹیں کانوں پر بکھری تھیں جن میں بڑی بڑی بالیاں جھول رہی تھیں۔

وہ اپنی ماں کے بارے میں عجیب متضاد جذبات کا شکار تھی۔ کبھی وہ اسے مظلومیت کا پیکر لگتی تھی' کبھی اپنی تمام تر محرومیوں اور ذہنی انتشار کا باعث لگنے لگتی تھی۔

اسے اپنے بچپن کے دن دھندلے سے یاد آتے تھے' جب عجیب چیختے چنگھاڑتے رنگوں کے کپڑے پہن کر' بے تحاشا میک اپ کر کے' زیور لاد کر وہ اپنی طرف سے رانی کی طرح سج دھج کر اسے اپنے ساتھ تقریبات میں لے جاتی تھی۔ خاندان میں جن جن لوگوں سے حویلی والوں کے تعلقات ٹھیک نہیں تھے انہوں نے محض ٹوہ لینے' حویلی والوں کو چڑانے اور اس چٹ پٹے قصے کا چسکہ لینے کے لیے مراداں سے تعلقات بڑھانے شروع کر دیے تھے۔ وہ خوب کرید کرید کر اس سے اس کی عشقیہ داستان سنتے' اس کے بھونڈے پن کا خوب مزہ لیتے تھے۔ مرسلین شاہ کے لحاظ کے مارے عورتیں اسے منہ پر کچھ نہ کہتی تھیں' مگر پیٹھ پیچھے خوب ٹھٹھا اڑاتی تھیں۔ کنزیٰ کی موجودگی کو وہ اس کی کم سنی کی وجہ سے نظر انداز کر جاتی تھیں۔ مگر کنزیٰ کے ذہن میں وہ سارے منظر' وہ سارے تبصرے نقش ہو کر رہ گئے تھے۔ اب بھی سب یاد آتا تو اندر کڑواہٹ سی کڑواہٹ بھر جاتی تھی۔

"لیکن آخر تم کرنا کیا چاہتی ہو؟"

"حویلی والوں کو اپنے سامنے جھکانا چاہتی ہوں۔" کنزیٰ نے کہا۔ "بابا ان لوگوں کی منت سماجت کرتے رہے مگر ان ظالموں کا دل نہ پسیجا۔ انہوں نے تمہیں قبول نہ کرنا تھا نہ کیا، مگر انہیں مجھے قبول کرنا ہو گا کیونکہ میں تمہاری طرح کوئی کمزوری نہیں دکھاؤں گی۔ وہ خود آئیں گے مجھے لینے، سر جھکائے، منت کرتے، اپنے بیٹے کی زندگی کی بھیک مانگتے۔ یہ ہی میرا خواب ہے۔ اپنے بیٹے میں جان ہے ان کی، چلو باپ کا گھر نہ سہی، پھوپھی کا گھر سہی، خاندان تو ایک ہی ہے نا! میں اسے اپنا اتنا عادی کرلوں گی کہ وہ میرے بغیر نہ زندہ رہ سکے گا نہ مر سکے گا۔"

اس کی اس درجہ بے باکی مرادبی بی کو خائف کر گئی۔

"کچھ تو حیا کرو، یہ تم کیسی باتیں کرنے لگی ہو؟"

"کیوں، کیا تم نے ایسا نہیں کیا تھا؟" کنزیٰ نے الٹا پوچھا۔ کبھی کبھی وہ یونہی بدتمیز ہو جاتی تھی۔ "تم نے کون سا دنیا کا خیال کرلیا تھا۔ مگر میں تمہاری طرح بے وقوف نہیں ہوں۔ اگر تم نے یہ شرط رکھی ہوتی کہ بابا یوں چوروں کی طرح نہیں، بلکہ پورے خاندان کے ساتھ پوری عزت کے ساتھ تمہیں بیاہنے آئیں تو شاید آج ہم حویلی میں ہوتے، مگر نہیں تم تو بڑی جلد باز نکلیں۔ زیور، کپڑا دیکھ کر ریجھ گئیں۔ اب تم نے جو کانٹے میرے راستے میں بوئے ہیں، وہ تو مجھے چننے ہی پڑیں گے۔"

اس کی صاف گوئی دل شکنی کی حد کو چھوتی تھی۔ مرادبی بی ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔

باپ کی لاڈلی اور ضدی تو وہ بچپن ہی سے تھی مگر جوان ہو کر اور بھی سرکش ہو گئی تھی۔ ہر بات میں اپنی منواتی تھی۔ شاید یہ اس کی رگوں میں دوڑتے بھاگتے خون کا اثر تھا جو وہ اتنی زود رنج، انا پرست اور ہٹ دھرم تھی۔

جب سے جوان ہوئی تھی ماں کی ساری طنابیں اپنے ہاتھ میں لے لی تھیں۔ مرادبی بی اس کے سامنے دب کر رہ جاتی تھی۔

"یوں مت اٹھو، یوں مت بیٹھو، یوں مت بولو، یوں مت ہنسو، یہ مت پہنو۔"

وہ ہر وقت اس کے پیچھے پڑی رہتی تھی۔ اس کا بس چلتا تو شاید کوئی جادو کی چھڑی لے کر اسے سرتاپا بدل ڈالتی۔ اس پر بھی اس کا کہنا تھا کہ وہ گویا کسی پتھر سے سر پھوڑ رہی ہے۔

مرادبی بی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس کی تمام کوششوں کے باوجود بھی وہ اتنی ناراض اکھڑی اکھڑی کیوں رہتی ہے۔ زندگی میں سب کچھ تو حاصل ہے پھر کیوں اتنی بے چین رہتی ہے، کیوں دیوانوں سی حرکتیں کرتی پھرتی ہے اور اب نیا کیا سوجھا ہے، یہ معصومہ بی بی کے لڑکے کا نہ جانے کیا قصہ ہے اور جانے کس قماش کا لڑکا ہے۔

کہیں یہ سودائی لڑکی آگ سے کھیلتے کھیلتے اپنا دامن نہ جلا بیٹھے۔

مگر یہ سب اسے کون سمجھائے۔ وہ کسی کی سنے بھی تو سہی۔ بس خود کو عقل کل سمجھتی تھی۔ نہیں جانتی کہ جب عشق کا سودا سماتا ہے تو ساری عقل دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔

عشق دل سے نہیں دماغ سے کیا جاتا تو پھر رونا ہی کس بات کا تھا۔

وہ تجربے کی بھٹی سے گزر کر آئی تھی۔ اسی لیے کنزیٰ کے حوالے سے خدشات ستاتے رہتے تھے اور کنزیٰ چڑ جاتی کہ وہ اس [illegible] کرتی ہے۔

"سوچتی ہوں [illegible] تمہاری شادی کردوں۔" تنہائی اور فراغت [illegible] آخر اس روز معصومہ کہہ ہی بیٹھیں۔

سردی کی رات میں دونوں ماں، بیٹے کھانے سے فارغ ہو کر گرما گرم کافی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ خاندان میں حال ہی میں ہونے والی ایک شادی کی شاندار تقریب کا تذکرہ نکلا تھا۔

"مما! ڈاکٹر نے آپ کو ٹینشن سے دور رہنے کو کہا ہے۔" فیضان شرارت سے بولا۔

پچھلے دنوں معصومہ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں رہی تھی۔ سستی اور تھکاوٹ رہنے لگی تھی۔ بیٹھے بٹھائے عجیب گھبراہٹ سی طاری ہونے لگتی تھی۔ کبھی سر بھاری ہونے لگتا تو کبھی ہاتھ پیروں میں جان نہ رہتی۔ معمول کا چیک اپ کروایا تو معلوم ہوا کہ بے احتیاطی کی وجہ سے بی پی کے ساتھ ساتھ اب کولیسٹرول بھی بڑھ گیا تھا۔ ڈاکٹر نے علاج اور پرہیز کے ساتھ ساتھ ذہنی دباؤ سے دور رہنے کا مخلصانہ مشورہ بھی دیا تھا۔ معصومہ وضاحتیں ہی کرتی رہ [illegible] زندگی میں مالی آسودگی، خوشگوار [illegible] زندگی نہ کوئی حسرت نہ محرومی [illegible] دباؤ۔ یہ یقیناً آج کی آرام [illegible] طرز زندگی کا شاخسانہ تھا۔

"ہاں [illegible] کی کیا بات ہے۔ یہ تو بلکہ خوشی کی بات ہے [illegible] خوب ہنگامہ، ناچ گانا ہو گا، شادیانے بجیں گے۔"

"[illegible] مگر جب چند مہینوں بعد یہ خمار اترے گا تو ساس بہو کے جھگڑے شروع ہوں گے پھر ٹینشن تو ہو گا نا مام جی!" فیضان دور کی کوڑی لایا تھا۔

سامنے ڈائننگ ٹیبل صاف کرتی ملازمہ سبحانی منہ دبا کر ہنسی کرنے لگی پھر معصومہ کے گھورنے پر وہ دوبارہ اپنے کام میں جت گئی۔

معصومہ ملازماؤں کو سر چڑھانے کی قائل نہیں تھیں، یوں بھی وہ بڑی چھان پھٹک کے بعد ملازماؤں کا انتخاب کرتی تھیں۔ خاص کر کسی نوجوان لڑکی کو تو کام پر رکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ ایک بار کا تلخ تجربہ عمر بھر کے لیے کافی تھا۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں، میں تو خوب دیکھ بھال کر لڑکی لاؤں گی۔ آخر میری اکلوتی بہو ہو گی، میں بھلا کیوں کوئی لڑاکا لڑکی پسند کرنے لگی۔ خوش مزاج، ہنسنے ہنسانے والی معصوم سی ہو گی۔" معصومہ کسی من موہنی سی لڑکی کے تصور سے سرشار ہو گئیں۔

فیضان مزے سے سن رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کسی خیال کے تحت چمک لہرائی۔

"اگر میں کہوں کہ ایسی ہی ایک لڑکی ہے میری نظر میں تو؟" وہ [illegible] سے بولا۔

"تو میں [illegible] اس کی انگلی میں انگوٹھی پہنا آؤں [illegible]" معصومہ برجستہ بولیں، پھر فوراً شوق سے "مگر وہ لڑکی ہے کون؟"

[illegible] تو فیضان کے حلقہ احباب میں ایسی کوئی لڑکی نظر نہیں آ رہی تھی جس سے اس کی اتنی بے تکلفی ہو کہ شادی تک نوبت پہنچ جائے، یوں بھی ان کے خاندان میں صنف مخالف سے دوستی معیوب سمجھی جاتی تھی۔

"مرسلین ماما کی بیٹی!" فیضان نے ایک دم کہا۔ معصومہ کے سر پر گویا کمرے کی چھت آ گری۔ ہاتھوں میں تھامے کپ سے کافی چھلکتے چھلکتے بچی تھی۔

"کک۔۔۔ کیا کہا تم نے؟" انہیں لگا جیسے کہ انہوں نے سننے میں کوئی غلطی کی ہو گی۔

"مرسلین ماما کی بیٹی کنزیٰ۔" اس بار فیضان سنبھل سنبھل کر بولا تھا۔ معصومہ بے یقینی سے اسے دیکھے گئیں۔

"آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ کیا ماما کی کوئی بیٹی بھی ہے؟"

"اس لیے کہ میں جانتی ہوں ان ماں، بیٹیوں کے بارے میں۔" معصومہ ٹھنڈے لہجے میں بولیں۔ "کہاں ہیں اور کیا کرتی پھرتی ہیں، جانتی ہوں، کتنی آزادی دے رکھی ہے اس کی ماں نے اسے، دوپٹہ گلے میں ڈال کر ادھر ادھر پھرتی ہے۔ محفلوں میں جا جا کر ہمیں بدنام کرتی ہیں، ظلم کی داستان سناتی ہیں، ہمارے نام الٹی سیدھی باتیں بناتی ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ تم اسے کیسے جانتے ہو؟"

اس روز فیضان کے منہ سے مرسلین شاہ کے ذکر نے اسے چونکایا ضرور تھا مگر یہ ان کے سان گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کی بیٹی تک بھی رسائی ہو گی اور صرف یہ ہی نہیں اتنی بڑی خواہش کا اظہار۔

لگتا تھا وہ کسی گہری سازش کا شکار ہو گئی ہیں۔ جانے یہ بالا ہی بالا یہ چکر کب سے چل رہا تھا کہ نوبت یہاں تک آ گئی تھی۔ انہیں سب کچھ جتانے والا بیٹا اتنی بڑی بات

چھپا گیا تھا۔

اپنی بے خبری اور یوں بے وقوف بنائے جانے کے احساس سے ان کی بری حالت ہونے لگی۔ گرم کافی کے بڑے بڑے گھونٹ بھرے تو اندر یہاں سے وہاں ایک آگ سی بھر گئی۔ فیضان خاموش بیٹھا۔ ان کے چہرے کے بدلتے رنگوں کا جائزہ لیتا رہا۔

"وہ میری کلاس فیلو ہے۔" اس نے کہا۔ "مجھ سے جونیئر ہے۔ اصل میں شروع میں تو ہمیں اس رشتے کے بارے میں کچھ پتا ہی نہ تھا مگر پھر اتفاق سے...."

"اوہ تو اسی لیے تم اس روز ان کے بارے میں اتنی کرید کر رہے تھے۔" معصومہ نے کپ قریبی تپائی پر پٹخ ڈالا۔ "تمہیں ہمدردی کا اتنا بخار چڑھ رہا تھا۔ اسے جانتے ہو تو ساری کہانی بھی جانتے ہوئے اور اس کے باوجود بھی! یہ صلہ دیا ہے تم نے میری تربیت کا۔" بہت دنوں بعد ان کا خاندانی جلال عود آیا تھا۔ انہوں نے فیضان کو بے شک بہت لاڈ پیار سے پالا تھا۔ مگر کچھ اخلاقی حدود تھیں جن کی وہ اس سے پاسداری چاہتی تھیں۔

فیضان کو شاید ان کے اتنے شدید ردعمل کی توقع نہ تھی۔ وہ پشیمان سا ہو کر بولا۔

"آئی ایم سوری مما! کہ میں نے آپ کو ہرٹ کیا مگر وہ بہت اچھی لڑکی ہے' بالکل بھی ایسی نہیں جیسا ابھی آپ نے اس کے بارے میں کہا ہے۔ اور پھر اس سارے میں اس کا کیا قصور ہے۔ اور... اور وہ میری بہت اچھی دوست بھی ہے۔"

"اور اس اچھی سی لڑکی نے بہت اچھی طرح میرے بیٹے کو اپنے جال میں پھانس لیا ہے' یہی نا' یہ ان ماں بیٹی کی کوئی نئی چال معلوم پڑتی ہے۔ اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئی ہیں۔ جیسی ماں ویسی چلتر بیٹی ہے' بلکہ ماں سے دو ہاتھ آگے ہی ہو گی۔" معصومہ تلملا کر بولیں۔

ان کی عمر بھر کی کمائی ان کی آنکھوں کے سامنے لٹی جا رہی تھی۔ وہ چپ رہتیں بھی تو کیسے۔ فیضان پہلو پہ پہلو بدل رہا تھا۔ یکدم بول پڑا۔

"اف... پلیز مما! یہ آپ کیسی جاہل عورتوں جیسی باتیں کر رہی ہیں۔"

"ہاں ہاں' ابھی تو صرف دوستی ہے اور یہ حال ہے کہ تمہیں اپنی ماں جاہل لگنے لگی ہے۔" معصومہ ضبط کھو کر چیخ پڑیں۔ فیضان نے اتنی حجت پہلے کبھی کی تھی جو نہ کی۔

اس بحث و تکرار پر سجاگی کچن سے جھانکنے لگی تھی۔ ان ملازماؤں میں کن سوئیاں لینے کی عادت عام تھی۔

فیضان سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا' پھر کھلا کر اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کے صوفے کی پشت پر آ کر ان کے کندھے دبانے لگا۔

"او ماں پلیز! پلیز کول ڈاؤن' کیا ہو رہا ہے آپ کو' سب کیا سوچیں گے' یہ کوئی ایسی غصہ کرنے والی بات تو نہیں ہے' یوں بھی آپ کو ٹینشن لینا منع ہے۔ سوری مما! میں تو صرف مذاق کر رہا تھا' یونہی آپ کو چھیڑ رہا تھا' وہ میری کالج فیلو تو ضرور ہے' مگر بس اور کچھ بھی نہیں' ہماری تو زیادہ بات بھی نہیں ہوتی' مجھے کیا پتا تھا آپ اتنا دل پر لے جائیں گی۔"

وہ دھیرے دھیرے ان کے کندھے دباتے ہوئے انہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ معصومہ کے تنے ہوئے اعصاب آہستہ آہستہ ڈھیلے پڑنے لگے۔ "سچ کہہ رہے ہو؟"

"میری توبہ جو اب [illegible] مما۔" فیضان نے کان پکڑا۔

"تو پھر وعدہ کرو آئندہ اس سے بات بھی نہ کرو گے۔" معصومہ وہ یقین چاہتی تھیں' اگر جو یہ سچ مچ حقیقت نکلتی تو ان کی عمر بھر کی ریاضت خاک میں مل جاتی۔ وہ اپنے بھائیوں کو کیا منہ دکھاتیں۔

دوسری طرف خاندان میں بھی حاسدوں کی کمی نہ تھی۔ ہر جگہ ان کے بیٹے کی سعادت مندی کے چرچے تھے۔ جانے کتنی نگاہیں ان کے گھر کے خوشگوار ماحول پر لگی تھیں۔ ان کے کلیجوں میں تو خوب ٹھنڈک پڑتی۔ ابھی بھی سجاگی کم بخت نے جانے کتنا کچھ سنا تھا اور اس میں مزید نمک مرچ لگا کر آگے پہنچائے گی۔ معصومہ اپنی جذباتیت پر متاسف تھیں' مگر وہ بھی کیا کرتیں' اس اچانک انکشاف نے ہوش و حواس گم کر ڈالا تھا۔

اتنے برسوں بعد مرتضیٰ شاہ کی بیٹی کا فیضان سے ٹکراؤ بے سبب اور بے معنی نہ تھا۔ اسے اتنی سہولت سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ ہمدردی [illegible] دوستی کا دعوا اس کے در پردہ کچھ بھی [illegible] کرنا ضروری تھا۔ ان کا خاندان [illegible] متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ کسی انجانے خوف [illegible] انہیں ہولا ڈال رہا تھا۔

"وعدہ [illegible]" فیضان [illegible] چالاکی برتی۔ "میرا جھوٹا وعدہ ہوا تو [illegible] آمنا سامنا تو ہو جائے گا [illegible] پڑ جائے گی مگر اس سے زیادہ [illegible] آپ یقین کیوں نہیں کر رہیں' میں جو کہہ رہا ہوں [illegible] کیا میں آپ سے جھوٹ بولوں گا' اچھا [illegible] بولوں گا کہ سامنا ہی نہ ہو' خوش؟"

معصومہ خوش تو خیر کیا ہوتیں' مگر انہیں یقین کرتے ہی بنی۔

☼ ☼ ☼

فیضان نے اپنی طرف سے تو انہیں مطمئن کر لیا تھا۔ مگر معصومہ کی جان سولی پر اٹک کر رہ گئی تھی۔

فیضان کالج سے لوٹتا تو وہ کھوجتی ہوئی نظروں سے اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کرتیں۔ اس کی غیر موجودگی میں اس کے کمرے کی تلاشی لیتیں۔ بہانوں سے اس کا سیل فون چیک کرتیں۔ فیضان شاید جان کر انجان بن جاتا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک جامد خاموشی ہوتی تھی۔ اس کی ہنسی کھو گئی ہو گئی تھی' ساری شوخیاں دم توڑ گئی تھیں۔

وہ بہت محتاط ہو کر بات کرتا تھا۔ یوں بظاہر تو وہ اپنے آپ کو ہمیشہ کی طرح ظاہر کرنے کی کوشش کرتا تھا مگر معصومہ ماں تھیں' اس کے بدلاؤ کو جان رہی تھیں مگر دانستہ کوئی ذکر نہ چھیڑتی تھیں۔

پھر فیضان نے یہ کوشش بھی چھوڑ دی۔ وہ چپ چپ رہنے لگا تھا۔ اور بس نگاہوں سے انہیں دیکھتا جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو مگر کہہ نہیں پا رہا ہو۔ پھر خاموشی سے اٹھ جاتا۔ وہ دوستوں کی محفلیں' وہ ہنگامہ بازی' وہ فرمائشیں کر کے کھانے پکوانا' سب ختم ہو گیا تھا۔ گھر میں ہوتا تو دن بھر اپنے کمرے میں پڑا رہتا۔

معصومہ پوچھتیں تو پڑھائی کا بہانہ کر کے ٹال جاتا۔ معصومہ پہلے تو خاموشی سے جائزہ لیتی رہیں' مگر پھر جب یہ سلسلہ طول پکڑ گیا تو صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

اس صبح ناشتے کی میز پر اسے بے دلی سے انڈہ کاٹتے دیکھ کر وہ بولے بغیر نہ رہ سکیں۔

"یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے تم نے؟"

فیضان نے اداس نظروں سے انہیں دیکھا' پھر سادگی سے بولا۔ "کچھ بھی تو نہیں۔"

"ناشتا ڈھنگ سے کیوں نہیں کرتے؟"

"کہا تو تھا کہ بھوک نہیں ہے۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"کیا ہو گیا ہے تمہاری بھوک کو فیضی! کیوں مجھے پریشان کرتے ہو' کب سے دیکھ رہی ہوں' نہ وقت پر سوتے ہو' نہ جاگتے ہو' نہ کھانے کا ہوش' نہ پینے کا۔ ساری ساری رات تمہارے کمرے کی بتی جلتی رہتی ہے۔"

"ماں! اتنی فکر کرتی ہیں میری اور ایک چھوٹی سی بات..." فیضان نے عجیب سے لہجے میں کہہ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

معصومہ نے ایک گہری سانس کھینچی تو ان کا اندازہ درست نکلا تھا۔ یہ نالہ وہیں بہہ رہا تھا۔ فیضان اب تک انہیں دھوکا دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

"وہ چھوٹی سی بات نہیں ہے فیضی! سمجھا کرو۔" انہوں نے تحمل سے کہا۔ "تم تب بہت چھوٹے تھے' ساری کہانی نہیں جانتے تھے' صورت حال کی سنگینی کا احساس ہی نہیں ہے۔ میں اپنے خاندان سے' اپنے بھائیوں سے کٹ جاؤں' یہ میرے لیے بہت مشکل ہے۔ میر ان کے علاوہ اور ہے ہی کون؟"

چچا یعنی ان کے سسر کے انتقال کے بعد سب ان کے بڑے بھائی کو ہی خاندان کا سربراہ مانتے تھے اور ان کے سب فیصلوں کا احترام کرتے تھے۔ معصومہ بھی ابھی تک ہر مسئلے کے لیے اپنے بھائیوں کی طرف دیکھتی تھیں۔ جواباً "انہوں نے ہمیشہ سر پر ہاتھ رکھا تھا۔"

فیضان کو امید سی بندھی۔ "کیا مشکل ہے کیا فرق پڑ جائے گا اگر چند سالوں تک آپ کے بھائیوں نے آپ سے تعلق نہیں رکھا تو۔" آپ کچھ غلط تو نہیں کریں گی' بلکہ مما! مجھے کہنے دیں غلط انہوں نے کیا ہے بے شک چھوٹے ماما نے بھی ایک جذباتی فیصلہ کیا تھا مگر اتنی بڑی سزا' بتایئے بھلا یہ کوئی انصاف تھا۔ وہ بے چارے تنہائی کا شکار ہو کر اس دنیا سے چلے گئے۔"

وہ غالباً بہت دنوں سے اس موضوع پر بات کرنا چاہتا تھا' مگر ان کی ناراضی کے خیال سے منہ نہ کھولتا تھا۔

"اور تم چاہتے ہو کہ میں بھی اسی تنہائی کا شکار ہو جاؤں۔" معصومہ نے شاکی انداز میں کہا۔

"آپ تنہا کیوں ہونے لگیں' میں ہوں' بابا ہیں' مجھے یقین ہے وہ میرا ساتھ دیں گے۔ بابا دی گریٹ وہ ہرگز بھی اتنے کنزرویٹو نہیں ہیں' انہیں حق ناحق کی پہچان ہے' اور انسان کو زمانے کے ساتھ چلنا چاہیے' آج وقت کچھ اور ہے' قدریں بدل گئی ہیں اور ماما لوگ بھی دیکھ لینا زیادہ دنوں تک ناراض نہیں رہ سکیں گے۔ وہ آپ سے' مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ انہیں اپنی سوچ کو بدلنا ہو گا' اور آپ ہی تو کہتی ہیں کہ ناخن گوشت سے جدا نہیں ہو سکتے۔" فیضان نے اچھا خاصا جذباتی لیکچر دے ڈالا تھا۔

"بات جب انا اور غیرت کی آ جائے' فیضی تو سر تن سے جدا ہو جاتا ہے۔ میرے بھائی بہت ضدی اور غیرت مند ہیں۔"

"تو پھر آخر آپ کب تک ان کے [illegible] رہیں گی' کب تک ایک ایک بات [illegible] ان کی طرف دیکھتی رہیں گی' بابا کو بھی یہ [illegible] لگتا ہو گا' آپ کی

اپنی فیملی ہے' اپنے مسائل ہیں' جن کے فیصلے آپ نے کرنے ہیں نہ کہ انھوں نے' یہ آپ کا حق ہے۔"

آج فیضان کے پاس دلائل کے ڈھیر تھے' وہ پہلے ہی سے سب سوچے بیٹھا تھا۔ "آپ کب تک مروت نبھائیں گی؟"

"نہیں نہیں' میں بہت کم حوصلہ ہوں' مجھ میں اپنے بھائیوں کی مخالفت مول لینے کا حوصلہ نہیں ہے' اور انہوں نے صاف کہہ دیا ہے کہ جس نے ان لوگوں سے تعلق رکھا' وہ ہم سے کوئی تعلق نہ رکھے۔"

"مما! وی ویری فرینک' جو رشتے یوں دھونس دھمکی اور خود غرضی پر مبنی ہوں' جو تعلق اتنے ہی کمزور ہوں' ان کا پھر ٹوٹ جانا ہی اچھا ہے۔"

یہ انداز' یہ اطوار دیکھے بھالے لگ رہے تھے۔ معصومہ کو بہت کچھ یاد آنے لگا۔ فرق یہ تھا کہ فیضان یہ سب ادب کے دائرے میں کہہ رہا تھا اور مرسلین شاہ جوش و جذبات سے مغلوب ہو جاتے تھے۔

"لگتا ہے تمہاری آنکھوں پر بھی تمہارے ماما کی طرح عشق کی پٹی بندھ گئی ہے۔" معصومہ نے طنز کیا' فیضان نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"عشق تو مما بادشاہوں نے بھی کیا' ابھی کسی دھوبی سے' کبھی کسی مچھیرن سے اور انہیں تو [illegible] لوگ کہانیوں کا حصہ بنا لیں' ان کی [illegible] محفلوں میں ان قصے دہراتے [illegible] رہیں اور اصل میں۔"

"یہ سب قصے کہانیاں [illegible] اچھی ہیں اور ان ہی میں [illegible]" معصومہ نے اس کی بات کاٹی۔ "اور ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے' یہ عشق و عاشقی کے چکر چھوڑو اور اپنی اسٹڈی پر دھیان دو' یہ تمہاری عمر ہے شادی کی۔" وہ بھول گئیں کہ ابھی کچھ دنوں پہلے وہ اس کی بارے میں پرجوش ہو رہی تھیں۔

"میں کون سا آپ کو اپنی شادی کا کہہ رہا ہوں' شادی نہ سہی انگیجمنٹ سہی۔" فیضان وضاحتی سے بولا۔

"نہ شادی' نہ انگیجمنٹ' سوال ہی نہیں پیدا

ہوتا۔" معصومہ نے صاف صاف کہا۔ "خاص کر اس لڑکی کا نام تمہارے نام کے ساتھ جوڑنے کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتی۔"

"مگر کیوں مما! یہی تو میں جاننا چاہ رہا ہوں' ماما نے پیار ہی تو کیا تھا' کوئی ایسا کام تو نہیں کیا تھا جسے ہم ان کے لیے کلنک کا ٹیکہ بنا دیں' بالفرض انہوں نے کوئی ناقابل معافی گناہ بھی کیا تو اس کی سزا ان کی بیٹی کو کیوں دی جائے۔"

فیضان جیسے تہیہ کر کے آیا تھا کہ آج [illegible] چھوڑے گا۔ معصومہ کو لگا جیسے [illegible] پھٹ جائے گا۔ فیضان ہر بار ان سے [illegible] یہ جانے بغیر کہ وہ کس قدر [illegible] رہی ہیں۔ یوں ہی تو مرسلین شاہ [illegible] کرتے تھے۔ مگر انجام کیا ہوا تھا۔ [illegible]

"[illegible] وہ اس عورت کی بیٹی ہے' جس نے ہمارے بھائی کو ورغلا کر ہم سے جدا کیا تھا۔" وہ بھرپور [illegible] کے ساتھ بولیں۔ "اسے پیسے کا لالچ تھا' جو اسے [illegible] عزت اسے درکار ہی نہیں تھی۔ میرے بھائی کو تنہا کسی اور نے نہیں اس نے کیا تھا۔ اس کی موت سے اس کے کلیجے میں ضرور ٹھنڈک پڑ گئی ہو گی۔ میرے جوان بھائی کو ہم سے چھین کر' اکیلا کر کے مار ڈالا' تمہاری آواسے ضرور لگے گی' وہ جو ہم بہنوں سے اتنی محبت کرتا تھا' بھائیوں کی اتنی عزت کرتا تھا' حویلی سے ایک رات باہر نہیں گزارتا تھا۔ اسے کس طرح پاگل بنایا کہ ایک معمولی سی نوکرانی کے لیے ہمیں چھوڑ کر چلا گیا۔ فیضی! تم نہیں جانتے کہ ان دنوں ہمارے گھر کا کیا حال تھا' ہمارے دل پر کیا بیتتی تھی۔ یوں اپنے ماں جائے سے رشتہ توڑ لینا اتنا آسان نہیں ہوتا' کوئی تو زخم دل پر ایسا لگتا ہے جو انسان کو مجبور کر ڈالتا ہے۔ تم یہ باتیں ابھی نہیں سمجھو گے۔ تم تو شاید اب ان ہی لوگوں کے کانوں سے سنتے ہو اور ان ہی کی زبان بولتے ہو' مگر میں نے جو کہنا تھا کہہ چکی' وہ عورت مجھ سے بار بار نہیں جیت سکتی' مجھے تم سے بہت محبت ہے میری جان! اگر تم یوں مجھے ایموشنل بلیک میل

نہیں کر سکتے' جو تم چاہتے ہو وہ ناممکن ہے' کم از کم میری زندگی میں تو [illegible] نہیں ہو سکتا' بس اتنا جان لو۔" انہوں نے [illegible] انداز میں کہتے ہوئے جیسے حجت تمام کر [illegible]

فیضان [illegible] کے عالم میں ان کے چہرے پر چھائی خیالوں سی سختی کو دیکھتا رہ گیا۔ اس کے پاس اب کہنے کو کچھ نہ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼
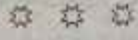
نعمان شاہ بظاہر بہت مصروف رہتے تھے۔ مگر گھر سے اتنے بھی لاتعلق نہیں تھے۔ فیضان کے بدلے ہوئے اطوار ان کی نگاہ سے بھی پوشیدہ نہ رہ سکے۔ اس بار آئے تو تشویش کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکے۔

"یہ فیضی کو کیا ہوا ہے' سست سا رہتا ہے' کسی چیز میں دلچسپی ہی نہیں لیتا' کمرے میں پڑا رہتا ہے' کیا ماں بیٹے میں کوئی جنگ ہو گئی ہے؟"

"نہیں تو' خوامخواہ کیوں' ہم ماں بیٹے کی محبت کو نظر لگاتے ہیں۔" معصومہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔

"تو پھر کیا مسئلہ ہے؟"

"نہیں' مسئلہ کیا ہو گا۔ یونہی پڑھائی کا ذرا بوجھ ہے۔ اس کے امتحانات بھی تو ہونے والے ہیں۔"

معصومہ نے بودا بہانا تراشا۔ سب جانتے تھے کہ فیضان نے کبھی بھی امتحانات کو اعصاب پر سوار نہیں کیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں یہ ہی دعائیں مانگتی تھیں کہ فیضان کے امتحانات جلد از جلد ہو جائیں' تاکہ کالج کے بہانے جو ملاقاتیں ہوتی ہیں ان سے تو بچاؤ ہو سکے۔

"پھر بھی مجھے لگتا ہے' وہ کچھ ڈسٹرب ہے۔" نعمان شاہ مطمئن نہ ہوئے تھے۔ "تم اس کی سوسائٹی پر نظر رکھا کرو' اس کے دوست کون ہیں' کیسے ہیں' کہیں خدانخواستہ کوئی ڈرگ وغیرہ کا چکر تو نہیں ہے۔"

وہ کچھ زیادہ ہی دور تک سوچ رہے تھے۔ معصومہ شکوہ بھی نہ کر سکیں کہ کیا یہ فرض آپ کا نہیں ہے' جو بڑی دیر سے یاد آیا ہے' انہوں نے صرف اتنا کہا۔

وہ میرا بیٹا ایسا نہیں ہے۔"

"وہ تو ہے مگر احتیاط ضروری ہے۔ تم ماں ہو تم سے وہ زیادہ قریب ہے۔ دل کی بات کر لیتا ہے۔ تم پوچھ کر تو دیکھو۔"

معصومہ تنی کہہ کے رہ گئیں۔

وہ سوچ رہی تھیں کہ اگر نعمان شاہ فیضان کے دل کی بات جان لیں تو ان کا ردعمل کیا ہو گا۔ کیا ان کی روشن خیالی اور حقیقت پسندی برقرار رہے گی یا وہ بھی اسے انا کا مسئلہ بنالیں گے۔ جانے کیوں انہیں لگتا تھا کہ نعمان شاہ بیٹے کی حمایت کریں گے۔ وہ یوں بھی خاندانی بکھیڑوں سے الگ رہتے تھے۔ ان کا بے خبر رہنا ہی اچھا تھا۔

☼ ☼ ☼

ایک عجیب ستم گر سے دن کا سورج طلوع ہوا تھا۔ نعمان شاہ کے میلے کپڑوں کی جیب سے نکلنے والے خوشبو میں لپٹے زنانہ رومال نے انہیں آسمان سے زمین پر لا پٹخا تھا۔ رومال کے کونے پر دہکتے انگارے جیسا لپ اسٹک زدہ ہونٹوں کا نشان ساری کہی ان کہی داستان کہہ رہا تھا۔

نعمان شاہ کی پرسکون سمندر جیسی گہری شخصیت کی تہ میں کوئی تلاطم چھپا ہو گا۔ یہ تو انہوں نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا۔

تن من طوفان کی زد میں تھے۔ کس صفائی اور سفاکی سے وہ ترازو کے دونوں پلڑوں میں توازن قائم رکھے ہوئے تھے اور کس سادگی سے وہ دھوکا کھاتی چلی آرہی تھیں۔ ان کی یہ بار بار کی اسلام آباد یاترا بے سبب نہیں تھی اور کون جانے وہ اس بہانے کدھر جایا کرتے تھے۔ لوٹتے تو کس قدر ہشاش بشاش اور شانت ہوتے تھے۔ جانے کب سے وہ اس کی امانت میں خیانت کیے جارہے تھے اور وہ محبت کی خوش گمان ٹھہری سینے سے لگائے خدشوں [illegible] جھولتی ان کا گھر، ان کا بچہ سنبھالتی [illegible] گزار آئی تھیں۔

ستم یہ تھا کہ وہ اسے سراہنے میں بھی بخیل نہ تھے۔ اس سے محبت کا اظہار کرتے نہ تھکتے تھے۔ مگر شاید وہ ان کے دل کی تھاہ کو پا ہی نہ سکی تھیں۔ جانے وہ کسے دھوکا دے رہے تھے انہیں یا اس دوسری عورت کو۔

کسی دوسری عورت کے تصور سے کلیجے میں چھری اترتی چلی گئی تھی۔ چھٹی حس یونہی تو کسی انہونی کا احساس نہ دلاتی تھی۔ پچھلے پہر کے سناٹے یونہی تو نہ ستاتے تھے۔ کچھ کھونے کا احساس بے سبب تو نہ تھا۔ یہ بے چینی، یہ اداسی بے نام نہیں تھی۔

پہلے فیضان اور اب نعمان شاہ، کتنا تھا تقدیر ان کا امتحان لینے پر تلی بیٹھی تھی۔

بڑے ضبط سے وہ یہ مرحلہ گزار آئی تھیں۔ مگر اصل المیہ یہ تھا کہ انہیں اس حقیقت کو کسی کڑوے گھونٹ کی طرح پی جانا تھا۔

محبت کے اس بھرم کو توڑنے کا حاصل ازدواجی زندگی کو ایک بھونچال سے دوچار کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ نعمان شاہ جیسے ٹھنڈے مزاج کے ذہین و فطین بندے کے پاس سو جواز نکل آتے۔ پھر اپنی ذات کو ہلکا کرنے سے حاصل ...

ہو سکتا تھا کہ لحاظ اٹھ جانے پر وہ شیر بھی ہو جاتے [illegible] جگ ہنسائی اور رسوائی الگ ہو۔

ہائے اس عمر میں انہیں [illegible] عشق سوجھا تھا مگر [illegible] عشق [illegible] جیسے بندے کو زیب دیتا تھا۔ [illegible] کیا۔ یا پھر فیضان، جس [illegible] کی منزل کو بے جا تھا، جب [illegible] پھسل رہا تھا۔ نعمان شاہ جیسا [illegible] جیسا درجہ رکھتی چلی آئی [illegible] ان کی خاک پا کے برابر نہ تھا۔

دل کو نہ جانے کیا خیال آیا تو وہ اٹھ کر فیضان کے کمرے میں چلی آئیں۔ خفگی کے مارے ان دنوں انہوں نے فیضان کو اپنے حال پر چھوڑ رکھا تھا۔ کتنے دنوں کے بعد آج اس کے کمرے میں قدم رکھا تھا۔

کمرے کی فضا میں وہی اداسی رچی تھی، جس نے

آج کل فیضان کی آنکھوں میں بسیرا کر رکھا تھا۔ شاید مکان واقعی اپنے مکین کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ہر شے بکھری پڑی تھی۔ جیسے انہیں کوئی ترتیب نہ رہی تھی۔ ملازمہ بھی شاید صفائی کے بہانے یونہی ادھر ادھر دو چار ہاتھ مار کر چلی آتی تھی۔

معصومہ کا دماغ خود اس وقت اپنے ٹھکانے پر کہاں تھا۔ وہ بے دھیانی سے چیزیں اکٹھی کرنے لگیں۔

"اللہ میرے تو نے خاک سے انسان [illegible] نے خود کو حسب نسب ذات پات [illegible] دیا۔ یوں جیسے ڈھیر سارے دھاگے [illegible] الجھ جائیں کوئی سرا [illegible] اپنی انا کی جنگ لڑتے لڑتے [illegible] ہیں۔ انا کی جنگ میں تو جیت [illegible] ہوتی ہے۔ خود کو ہار گئے [illegible] یہ میں کسی کو کیسے سمجھاؤں۔ میں [illegible] پیار کرتا ہوں۔ ان فیکٹ میں یہ [illegible] دنیا میں سب سے زیادہ مما سے پیار کرتا ہوں مگر۔

میں انہیں دکھ بھی نہیں دینا چاہتا میں ایک کمزور سا بندہ، میرے فیصلے کمزور تر، اللہ میرے مجھے کسی دوراہے پر مت ڈالنا۔

تو نے عشق دیا، جدائی دی، درد دیا تو اسے سہنے کا حوصلہ بھی دے۔"

بہت سی بے ربط لکیروں کے درمیان لکھی فیضان کی تحریر تھی، جو اس کے بکھرے ہوئے کاغذات اکٹھے کرتے ہوئے معصومہ کے ہاتھ میں آگئی تھی۔

اف دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں بھینچ ڈالا، درد کی ایک لہر رگ و جاں میں پھیلتی چلی گئی۔

"خدایا! کیا تاریخ اپنے آپ کو دہرانے چلی تھی۔"

انہوں نے اپنی ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں زور سے میچ ڈالیں، عشق کے اس ظالم کھیل میں جب مرتضیٰ شاہ جیسا جی دار جان سے ہار گیا تھا تو فیضان تو پھر بہت ہی نرم و نازک احساسات رکھنے والا احساس بندہ تھا۔

ابھی تو وقت ان کی دسترس میں تھا۔

ابھی تو فیصلے کی ڈور ان کے ہاتھ تھی پھر کہیں کسی روز ایسا المیہ نہ ہو جائے کہ یہ وقت ان کی گرفت سے پھسل جائے کہ [illegible] ان چاہا پل زندگی میں ایسا آئے جب [illegible] کوئی اختیار باقی نہ رہے۔ خوشیاں دور کنارے [illegible] کھڑی منہ چڑا رہی ہوں اور وہ اپنی تمام تر دولت، محبت، چاہت، منت، ریاضت کے باوجود اپنے بیٹے کی خوشی بھیک میں بھی نہ پا سکیں۔

کیسی مجبوری سی مجبوری ہے اور بے بسی سی بے بسی۔ اس خیال سے دل کو ایک گھونسہ اور لگا۔

ابھی تو وہ پہلے دھچکے ہی سے نہ سنبھل سکی تھیں۔

ایک ماں کے لیے اس سے بڑا المیہ بھلا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کا بیٹا زندگی میں نہ کھل کر کبھی ہنس سکے گا نہ کھل کر خوش ہو سکے گا۔

وہ جو اسے دیکھ دیکھ کر جیتی ہیں، دیکھ دیکھ کر مرتی رہیں گی۔

آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھانے لگا۔ تو وہ نچلی منزل پر آئیں اور لاؤنج میں پڑے صوفے پر ڈھ سی گئیں۔

آنکھ کھلی تو فیضان کو خود پر جھکا پایا، وہ انہیں پکار رہا تھا انہیں آنکھیں کھولتا دیکھ کر بولا۔

"تھینک گاڈ، خیریت تو ہے، ابھی آیا تو بھائی نے بتایا کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، میں نے بابا کو بھی فون کر دیا ہے، ابھی آتے ہوں گے۔"

معصومہ نے اٹھنے کی کوشش کی۔

"یونہی ذرا تھکن سی ہو رہی تھی اور کچھ نہیں ہے۔ خواہ مخواہ تم نے اپنے بابا کو فون کیا۔" وہ کمزور سی آواز میں بولیں۔ "جانے کس ضروری کام سے گئے ہوں گے۔" کہتے کہتے دل سے ایک آہ نکلی، آنکھ کی نمی چھپانا مشکل ہو گئی۔

"خواہ مخواہ کیوں، یہ تو ان کا فرض ہے اور کام کیا آپ سے زیادہ ضروری ہے۔"

یہ وہی ان کا فیضان ہی تو تھا۔ ان پر جان چھڑکنے والا ان کا فرماں بردار بیٹا، ان کی ڈھلتی عمر کے بڑھاپے کا سہارا، سب غم بھلا کر معصومہ اندر تک نہال ہو گئیں، یاد رہا تو صرف یہ کہ وہ اسے کسی بھی قیمت پر

کھونا نہیں چاہتیں۔

انہوں نے بے اختیار فیضان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں جکڑ لیے۔

"ممّا! آر یو آل رائٹ؟ سب ٹھیک تو ہے نا اور یہ آپ کے ہاتھ اتنے ٹھنڈے کیوں ہو رہے ہیں۔"

"فیضی! میرے دل پر بہت بوجھ ہے۔ وعدہ کرو تم اس لڑکی کو بھول جاؤ گے۔" معصومہ نے ایک دم کہا۔

فیضان کو اس وقت ان کے منہ سے اس جملے کی توقع نہ تھی۔ ایک لمحے کے لیے وہ چپ رہ گیا۔ چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا، پھر وہ نظریں چراتے ہوئے بولا۔

"بھول تو چکا ہوں ماما!" معصومہ جانتی تھیں کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

"کھاؤ میری قسم!"

فیضان ایک بار پھر چپ ہو رہا۔

"بھول جاؤ گے نا فیضی! بولو۔" معصومہ کی جان گویا اس کی ہاں یا ناں میں اٹکی ہوئی تھی۔

"آپ کی کیوں، میری جان کی قسم!"

فیضان نے کہنا چاہا تھا، معصومہ نے بے اختیار اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

☼ ☼ ☼

بہت دنوں کے بعد وہ دونوں کالج کینٹین میں اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھے تھے۔ ان کے آس پاس کی میزوں پر نوجوان لڑکے لڑکیاں ٹولیوں کی صورت میں اپنی اپنی خوش گپیوں کے ساتھ ساتھ کھانے پینے میں مصروف تھے۔ کینٹین میں کام کرنے والا نو عمر لڑکا پھرتی سے درمیان میں چکراتا پھر رہا تھا۔

بائیں طرف کی ٹیبل پر پرجوش نوجوانوں کا ایک گروہ زور و شور سے کسی سیاسی بحث میں الجھا تھا۔ فیضان کو اس قسم کے لاحاصل بحث و مباحثوں سے ہمیشہ ہی بڑی کوفت ہوتی تھی۔ [illegible] جانتا تھا کہ سوائے وقت کے ضیاع کے ان کا حاصل وصول کچھ نہیں ہوتا تھا بلکہ اکثر تو لڑائی جھگڑوں کی نوبت بھی آجاتی تھی۔

ایک سیاسی خانوادے کا فرد ہونے کے باوجود اس کا اس طرح کا رویہ اوروں کو عجیب ہی لگتا تھا۔ اس کا ماموں قومی وزیر تھا۔ تایا صوبائی رہنما، سیاسی میدان میں باپ کی خدمات بھی کچھ ڈھکی چھپی نہ تھیں اور وہ سیاست کو منافقت کا دوسرا نام دیتا تھا۔

اس نے اپنے بابا سے ایسے کئی قصے سن رکھے تھے کہ کس طرح دنیا کے سامنے ایک دوسرے سے جھک جھک کر ملنے والے نجی محفلوں میں ایک دوسرے کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے ہیں، چپکے چپکے دوسروں کی جڑیں کاٹنے کی فکر میں رہتے ہیں۔

ملک کی سیاست مفادات کی سیاست بن چکی تھی، میڈیا میں بیان بازی کا بازار گرم تھا اور یہ سب فیضان جیسے حساس طبیعت کے نوجوان کے لیے ناقابل قبول تھا۔ خود اس کا دل آئینے کی طرح شفاف تھا۔ اندر اور باہر سے یکساں صاف۔

کنزیٰ بھی کہتی تھی کہ وہ اپنے دل کی کوئی بات نہیں چھپا سکتا۔ ساری کہانی اس کے چہرے سے عیاں ہو جاتی ہے۔ اور شاید وہ کنزیٰ سے اپنے دل کا [illegible] حال چھپانے کے لیے پچھلے کئی دنوں سے چھپا چھپا پھر رہا تھا۔ مگر آج کنزیٰ نے اسے جا ہی لیا تھا۔

اس کے پاس ڈھیروں شکوے تھے [illegible] فیضان کے پاس جواب میں کہنے کے [illegible] تھا۔ سچ وہ بولنا نہیں چاہتا تھا اور جانتا تھا [illegible] فوراً پکڑا جائے گا۔ اس لیے [illegible] جھگڑتے دیکھتا رہا۔ اس کا یوں [illegible] جتانا اچھا تو بہت لگتا تھا، مگر وہ [illegible] ٹھنڈی [illegible] کر رہ گیا۔

[illegible] کینٹین میں چلے آئے۔

[illegible] فرار کی کوئی راہ نہ رہی تھی۔

کنزیٰ نے اب آ کر غور سے اس کا جائزہ لیا تھا۔ وہ اس کی تھکی تھکی غلافی آنکھوں کو دیکھ کر بولی۔

"لگتا ہے جناب کو رات بھر نیند نہیں آئی۔"

"ہاں، جناب جو رات بھر خوابوں میں آتی رہی ہیں۔" فیضان نے برجستہ کہا۔

"اوہ تو یوں کہو نا میرے خوابوں نے راتوں کی نیند اڑا دی ہے۔"

کنزیٰ اترائی۔ یہ بے تکلفی اس کے مزاج کا خاصا تھی، وہ بڑے دھڑلے سے اپنے جذبات کا اظہار کر جاتی تھی، جبکہ فیضان لڑکا ہوتے ہوئے اکثر اس کی باتوں پر جھینپ جاتا تھا۔

"تو اترائی جو رہی ہو۔" فیضان نے شوخی [illegible] کنزیٰ اسے گھورنے لگی۔ وہ اپنے [illegible] سینڈوچز کا آرڈر دے چکی تھی [illegible] کے ساتھ انصاف کرتے پوچھنے لگی۔

"تم نے بتایا [illegible] تمہارا [illegible] سے بات ہوئی یا نہیں؟ [illegible]"

"میرا [illegible] کچھ خراب ہے۔" فیضان کو بروقت بہانہ سوجھ گیا۔

"[illegible] کی جب ہی، اچھا تو پھر تمہاری ممی کیا کہتی ہیں [illegible] بابا کے بارے میں کیا سوچتی ہیں؟"

کنزیٰ پلیٹ تقریباً خالی کر چکی تھی۔ فیضان نے تو بھوک نہ ہونے کا عذر دے دیا تھا۔ وہ البتہ بڑی دلچسپی سے اسے کھاتے ہوئے دیکھتا رہا تھا۔ جانے کیا بات تھی اسے کنزیٰ کی ہر ادا اچھی لگتی تھی۔

"نہیں چھوڑو۔" وہ بولا۔ "کبھی کبھی میرا جی تمہارے بابا کو سیلوٹ کرنے کو ضرور چاہتا ہے۔"

"کیوں؟" وہ چونکی۔

"وہ اتنے بہادر جو تھے۔ کس طرح انہوں نے ساری دنیا سے ٹکر لے کر اپنا وعدہ نبھایا۔"

"مگر میری امی تو انہیں ایک بزدل انسان سمجھتی ہیں۔" کنزیٰ سادگی سے بولی۔ "جو کہ اپنے خاندان والوں سے الگ ہونا برداشت ہی نہ کر سکے، انہیں بیچ منجدھار میں چھوڑ کر چلے گئے۔"

"یہ ایک الگ بات ہے، مگر اتنا حوصلہ بھی کسی کسی میں ہوتا ہے۔ میں سوچتا ہوں تو حیران ہو اٹھتا ہوں۔ یوں جن لوگوں میں انسان رہتا ہو، اٹھتا بیٹھتا ہو، وہ گھر جس میں زندگی گزاری ہو، ایک عہد کی خاطر وہ سارے رشتے ناتے توڑ لینا آسان نہیں ہوتا۔ یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں [illegible] پھر دنیا کا سامنا کرنا [illegible]!"

فیضان [illegible] کچھ ایسا ضرور تھا جس نے کنزیٰ کو [illegible] کھوکھلے پن کا احساس دلایا۔ اس نے [illegible]

"[illegible] تم کیسی پہیلیوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔ کیا میں اس کا مطلب یہ سمجھوں کہ تم حوصلہ چھوڑنے لگے ہو؟ بس اتنی سی ہمت تھی تمہاری اور دعوے اتنے بڑے بڑے۔"

"میں نے ایسا تو نہیں کہا کنزیٰ۔"

"اگر مگر پہلے تو تمہاری باتوں میں نہیں آتے تھے۔" کنزیٰ نے ٹوکا۔ "اگر ایسا ہی کچھ ہے فیضی! تو پلیز صاف صاف کہہ دو، پلیز پلیز میں تمہیں فورس نہیں کروں گی۔ تم اپنے قدم پیچھے ہٹا لو۔"

"میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا۔"

"مگر تم ایسا کہنا چاہ رہے ہو اور کہہ نہیں پا رہے کہ میرا دل نہ ٹوٹ جائے اس خیال سے۔" کنزیٰ روہانسی سی ہو گئی۔ "اس کی فکر مت کرو میں سچ سننے کے لیے تیار ہوں، کون سی نئی بات ہو جائے گی۔ جہاں اتنا سہا ہے یہ غم بھی سہہ جاؤں گی۔"

فیضان بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ وہ انتہائی بے بس دکھائی دے رہا تھا۔

"میں کوشش کر تو رہا ہوں۔" وہ آس پاس کے ہجوم کے خیال سے دھیمی آواز میں بولا تھا۔

"اور مجھے نہیں لگتا کہ تمہاری یہ کوشش کامیاب ہونے والی ہے۔"

کنزیٰ اپنے شولڈر بیگ سے ٹشو نکال کر نزاکت سے آنکھوں کے گوشے صاف کر رہی تھی۔ "تمہیں تو اپنی منوانے کے لیے ڈٹ کر کھڑے ہو جانا چاہیے تھا اور یہاں اتنی کمزور کوشش۔" اس کی آواز میں شکستگی در آئی۔ "میں تو تمہیں پہلے ہی کہتی تھی کہ یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔ مگر یاد ہے تم نے کیا کہا تھا؟"

فیضان کو سب کچھ یاد تھا۔ وہ واقعی بہت پرجوش، پریقین تھا۔ یہ سب تو اسے بہت آسان لگتا تھا۔ اپنی ممّا کو منانا اسے چٹکیوں کا کھیل لگتا تھا اور باپ کی طرف

سے وہ بے فکر تھا ہی۔ اس نے سوچا تھا کہ تھوڑے سے وائلن تھوڑے سے جذباتی ڈائیلاگ بات بن جائے گی۔ مضمرات کے بارے میں تو سوچنے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔

اس کے دل پر ایک چوٹ سی لگی۔ اس نے تو کنزیٰ کے ہونٹوں پر دائمی مسکراہٹ بکھیرنے کے خواب دیکھے تھے بجائے یہ کہ وہ خود اس کی آنکھ کے آنسو کا سبب بن جائے۔

وہ آہستہ سے بولا۔ "آئی ایم سوری میں نے اپنی زندگی میں دانستہ کبھی کسی کو دکھ دینے کا نہیں سوچا' تمہیں بھی نہیں اور خاص کر اپنے ماں' باپ کو دکھ دینے کا تو میں کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کروں؟"

"جہنم میں جاؤ۔" اپنے بہاؤنی آنسوؤں کو خشک کرتے ہوئے کنزیٰ نے سلگ کر دل ہی دل میں کہا۔ "کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اپنی محبت یوں اکارت ہونے دوں گی۔ تم میرے آنسوؤں کی قیمت نہیں جانتے فیضان شاہ بخاری' اس کی قیمت ہے تمہارا گھر یا تمہارا سر' میں تم سے اپنی منوا کر چھوڑوں گی' چاہے اس کے لیے مجھے خودکشی کا چھوٹا موٹا ڈراما ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ بس تھوڑا سا انتظار اور کر لو۔"

"میں تم سے کوئی شکوہ تو نہیں کر رہی۔ میری قسمت ہی کچھ ایسی ہے۔" اس نے سسکی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے زبان سے کہا تھا۔

فیضان متاسف بیٹھا تھا۔ "لیکن تم سے کیا وعدہ مجھ پر قرض ہے۔" اس نے کہا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا چلتا ہوں' ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے۔" پھر اسے جانے کیا سوجھا جو جاتے جاتے پلٹ کر زبردستی کی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"اگر کبھی میرے برین ہیمرج کی خبر ملے تو حیران مت ہونا۔"

کنزیٰ جانے کیوں دھک سے رہ گئی۔

✻ ✻ ✻

بات کرنے کی ٹھانی۔ نوید نہ صرف ان کا بھتیجا داماد تھا بلکہ فیضان کے بچپن کا دوست بھی تھا۔ دونوں نے تعلیمی مدارج ساتھ طے کیے تھے۔ اب تو نوید کو گھر کے ایک فرد کی سی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔

معصومہ کا خیال تھا کہ وہ فیضان سے کہیں زیادہ ذمہ دار اور عقل مند تھا اور یقیناً" وہی تھا جو فیضان کو سمجھا سکتا تھا۔ نوید نے پورے اطمینان سے سارا قصہ سنا پھر ہچکچاتے ہوئے بولا۔

"ہاں ایک لڑکی کنزیٰ ہے تو سہی جو آج کل فیضان کے ساتھ دیکھی جاتی ہے۔ مگر آنٹی آپ جانتی تو ہیں کہ فیضان کوئی فلرٹ ٹائپ لڑکا نہیں ہے۔ وہ یقیناً" سیریس ہی ہو گا۔ اور کنزیٰ بھی اچھی سلجھی ہوئی لڑکی لگتی ہے۔ دونوں کی اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہے۔ تو پھر آخر کیا حرج ہے کہ آپ نے فیضان کی کبھی تو شادی کرنی ہے اور ظاہر ہے اس کی مرضی کے بغیر تو نہیں کریں گی۔ اب جبکہ آپ خود ہی کہہ رہی ہیں کہ وہ آپ کے مرحوم بھائی کی بیٹی بھی ہے تو پھر۔"

شاید اس کی سمجھ میں روایتوں کے گورکھ دھندے نہیں آ سکتے تھے۔ معصومہ کا سر پیٹ لینے کو جی چاہا۔ نئی نسل کی آزاد خیالیاں گویا کوئی بڑی بات ہی [illegible] ہے۔

"ساری کہانی سن کر کہتے ہو کہ [illegible] لڑکی یا عورت۔ ساری بات تمہارے سامنے ہی تو ہے۔ اس لڑکی کو کبھی ہم نے اپنے بھائی کی اولاد نہیں سمجھا۔ اور نہ [illegible] اپنے خاندان میں شمار کرتے ہیں۔ ہم [illegible] شادی میں شریک تھا نہ کوئی [illegible] تلملا اٹھی تھیں کہ فیضان کنزیٰ [illegible] کھلے بندوں پھرتا ہے۔ وہ لڑکی تو حیا سے عاری [illegible] ہی فیضان کو بھی اپنی روایات کا پاس نہ با۔ ایسی بھی کیا جوانی کی منہ زوری۔ دل ایک بار پھر فیضان کی طرف سے برا ہو رہا تھا۔

"تمہارے بھی میرے بڑے بھائی کبھی راضی نہیں ہوں گے' انہیں معلوم ہوا تو ایک طوفان اٹھا دیں گے اور میں اسی بات سے ڈرتی ہوں۔"

✻ ✻

معصومہ کو کسی پل چین نہ آیا تو انہوں نے نوید سے

نوید ان سے متفق ہوا یا نہیں' بہرحال اس نے ان سے وعدہ ضرور کیا کہ وہ فیضان کو سمجھانے کی پوری پوری کوشش کرے گا۔

✻ ✻ ✻

ابھی کچھ دیر پہلے نوید اٹھ کر گیا تھا۔ معصومہ نے ان دونوں کو تنہائی میں بیٹھنے کا پورا موقع دیا تھا۔ [illegible] وہ ڈنر کا کھانا لگانے کی تیاری کر رہے تھے [illegible] اجازت چاہی۔ معصومہ اور فیضان نے [illegible] رکنے کے لیے اصرار کیا مگر نوید کو [illegible] تھا۔

ہر بار نوید کے جانے کے بعد معصومہ کھوجتی ہوئی نظروں سے فیضان کا چہرہ [illegible] تکتی تھیں کہ نوید اپنی کوشش میں [illegible] تک کامیاب ہوا ہے مگر آج بھی ہمیشہ [illegible] ان پر خاموشی طاری تھی۔ کبھی فیضان کا [illegible] معصومہ کو کھلی کتاب کی طرح لگتا تھا۔ وہ [illegible] اس کے چہرے ہی سے اس کا دکھ درد' تکلیف' کوفت' بھوک پیاس جان لیتی تھیں۔ مگر اب فیضان نے اپنے احساسات جانے کن تہوں میں چھپانے شروع کر دیے تھے۔

سعادت مند تو وہ پہلے ہی بہت بڑھ کر ہو گیا تھا۔ بحث کرنا بالکل ہی چھوڑ دی تھی۔ جو انہیں بلا چوں چراں مان لیتا' یوں جیسے کوئی روبوٹ ہو' مگر وہ پھر بھی ناخوش تھیں۔

انہیں یہ سب مصنوعی پن نہیں چاہیے تھا۔ انہیں تو اپنا پہلے جیسا فیضان درکار تھا' ہنستا کھیلتا' ہر فکر کو ٹھوکروں میں اڑاتا ہوا۔

وہ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گھرے چپ چاپ لنچ کرتے رہے۔ ابھی وہ فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ گارڈ نے انٹرکام پر کسی کنزیٰ شاہ کی آمد کی اطلاع دی جو بیگم معصومہ نعمان سے ملنا چاہتی تھی۔

ایک لمحے کے لیے وہ دونوں اپنی جگہ بت بن گئے۔ پھر معصومہ کے اندر غصے کی ایک لہر اٹھتی چلی آئی۔ تو وہ لڑکی اتنی دیدہ دلیر ہو گئی تھی کہ ڈھٹائی سے ان [illegible]

[illegible] اشتعال [illegible] انہوں نے فیضان کو دیکھا کہ یقیناً [illegible] کی سی جھلک تھی اور وہ اس کی شہ پر یہاں [illegible] ہو گی مگر انہوں نے اسے خود سے بھی زیادہ حیران پایا۔

"فیضی! یہ یہاں کیوں آئی ہے؟" معصومہ نے فیضی سے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا۔" فیضان کے لہجے میں سچائی تھی۔ "مگر مما اسے اندر تو بلا لیں۔"

معصومہ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگیں کہ وہ یہاں کیوں آئی ہو گی۔ شاید ان سے اپنی محبت کی بھیک مانگنے' ان کے اندر جذبہ ہمدردی جگانے یا پھر انہیں متاثر کرنے کی کوشش کرنے۔ کچھ بھی ہو وہ اس کے جھانسے میں نہیں آنے والی تھیں۔

ادھر فیضان شاید یہ موقع گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ سو ملتجی سا بولا۔

"مما پلیز! اب اگر وہ خود یہاں آ ہی گئی ہے تو ایک بار اس سے مل لیں۔ آئی سویئر' اس کے بعد آپ جو اس کے بارے میں فیصلہ کریں گی مجھے منظور ہے۔"

معصومہ چونک پڑیں۔ سودا مہنگا نہیں تھا۔ انہیں اور وہ لڑکی پسند آ جائے' سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ پھر جب فیضان زبان دے رہا تھا تو ملنے میں مضائقہ کیا تھا۔ اچھا ہے آج یہ فیصلہ ہو ہی جائے' بیٹے کی نگاہ میں بھی سرخرو ہو جائیں گی۔

کچھ سوچ کر انہوں نے گارڈ کو مہمان کو اندر بھیجنے کا حکم دے دیا۔ فیضان ان کے کہنے پر برابر والے کمرے میں چلا گیا تھا۔ وہ خود بھی ان دونوں کو تنہائی میں ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع دینا چاہتا تھا۔ اس کی خام خیالی معصومہ کو اس پر ترس آ گیا۔ اس کی آنکھوں پر تو کیوپڈ نے پٹی باندھ دی تھی۔ مگر معصومہ شاہ کا ذوق ابھی اتنا گرا نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد کوریڈور میں ہائی ہیل کی ٹک ٹک سنائی دینے لگی۔ وہ ملازمہ کی رہنمائی میں اندر چلی آ رہی تھی۔ معصومہ کے اعصاب تن گئے۔

پھر چند ہی لمحوں بعد وہ ان کے سامنے کھڑی تھی جس سے ان دنوں وہ دنیا میں سب سے زیادہ نفرت کرتی تھیں۔ اس "دوسری عورت" سے بھی زیادہ۔

مگر جس بات نے انہیں حیران کیا وہ اس کی شان بے نیازی تھی۔ ان کے سجے سجائے عالی شان بنگلے سے مرعوب ہونے کے بجائے اس نے محض ایک طائرانہ نگاہ اطراف میں ڈالی تھی پھر یوں تمکنت سے کھڑی رہی' جیسے کہ اس گھر کی مالکن معصومہ شاہ نہیں' وہ خود ہو۔

بڑے اعتماد سے وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھ رہی تھی۔ معصومہ نے بھی پلک جھپک کر اپنی کوئی کمزوری ظاہر نہیں کی۔ آخر کنزیٰ نے لب کھولے۔

"بیٹھنے کے لیے نہیں کہیں گی؟" بڑا جتانے والا انداز تھا۔

"اب آہی گئی ہو تو بیٹھ بھی جاؤ۔" معصومہ نے بھی سنبھل کر نپے تلے انداز میں جوابی وار کیا۔

وہ یوں دندناتی ہوئی یہاں تک تو چلی آئی تھی مگر اتنی آسانی سے تو وہ اسے اپنا ارتیاب سونپنے والی نہیں تھیں۔ وہ بڑے طمطراق سے ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گئی۔

معصومہ کھڑی پیچ و تاب کھاتی رہیں' فیضان تو کہتا تھا کہ بڑی بھولی' مظلوم سی لڑکی ہے' لیکن اس کے انداز ہی نرالے تھے۔

"لگتا ہے مجھے دیکھ کر آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟"

"اوہ تو تمہیں خوشی ہونی چاہیے۔" معصومہ نے اپنی ناپسندیدگی چھپانے کی کوئی ضرورت نہ سمجھی۔

"ہاں' فلموں میں تو یہی دیکھا ہے' آخر اتنے برسوں بعد بچھڑی ہوئی پھوپھی بھتیجی مل رہی ہیں۔ وہ کیا کہتے ہیں کہ ماں بیٹی الگ ذات' پھوپھی بھتیجی ایک ذات مگر لگتا ہے آج کل خون سفید ہو گیا ہے۔"

معصومہ کو عجیب سی سبکی کا احساس ہوا۔ وہ تو سمجھے بیٹھی تھیں کہ وہ یہاں ان کی [illegible] لڑانے آئی ہو گی' فیضان نے اس کی [illegible] کا کچھ ایسا ہی نقشہ کھینچا تھا مگر وہ تو طنز کے تیر برسائے جا رہی تھی۔

"تم یقیناً" یہاں خون کی رنگت پر بحث کرنے نہیں آئی ہو گی۔" وہ نخوت سے بولیں۔

"آف کورس نہیں۔"

"تو پھر کیوں آئی ہو؟"

"ہو سکتا ہے مجھے یہاں آپ سے ملنے کی چاہ کھینچ لائی ہو۔ آخر میں آپ کے مرحوم بھائی کی آخری نشانی ہوں اور آپ ان کی وہ چہیتی بہن' جن پر وہ جان چھڑکتے تھے۔"

یادوں کے کتنے دریچے کھل گئے۔ اس کے انداز' اس کے لہجے' اس کے لہجے میں مرسلین شاہ کی کتنی جھلک تھی۔ معصومہ نے بے اختیار اس کا ناقدانہ جائزہ لیا۔

رنگ و روپ' قد کاٹھ میں اس نے کوئی بھی شے اپنی ماں سے نہ لی تھی۔ دل میں ایک عجیب سا احساس جاگا۔ انہوں نے خود پر جبر کرتے ہوئے کہا۔

"وہ باب ہم کب کا بند کر چکے ہیں۔"

"مگر کیسے؟" وہ ایک دم تڑپ سی گئی تھی۔ "وہ رشتہ کیا اتنا ہی ناقص' اتنا کچا تھا کہ آپ لوگ اتنی آسانی سے کتاب زندگی سے وہ ورق پھاڑ کر پھینک دیں جیسے کہ میرے بابا کوئی جیتا جاگتا وجود ہی نہ رکھتے ہوں۔"

یوں ایک دم بھڑک اٹھنا [illegible] کی عادت بھی تو تھی۔ معصومہ ناگواری سے اسے دیکھنے لگیں۔ جانے فیضان کو [illegible] اپنے باپ کا مقدمہ لڑنا۔

"تم اپنے [illegible] کے دائرے میں رہ کر بات کرو' اور کیا تم یہاں صرف یہی [illegible] دہرانے آئی ہو؟"

"نہیں' وہ تو الگ حساب ہے' وہ الگ کھاتا کھول رکھا ہے میں نے' وقت آنے پر اس کا بھی حساب ہو گا۔"

عجیب سر پھری لڑکی تھی' اوٹ پٹانگ باتیں کیے جا رہی تھی۔ پھر آخر وہ مطلب کی بات پر آہی گئی۔

"ابھی تو میں صرف یہ انفارم کرنے آئی ہوں کہ آپ میرے اور فیضان کے بیچ سے ہٹ جائیں' ورنہ بہت برا ہو گا۔"

اس دھمکی پر معصومہ اچھل ہی تو پڑیں۔ "کیا بکواس ہے یہ؟"

چھٹانک بھر کی لڑکی سر پر چڑھی آ رہی تھی۔ وہ بھی خوامخواہ اسے دیکھ کر چند لمحوں کے لیے جذباتی ہو گئی تھیں۔ اگر اس نے رنگ و روپ باپ کا لیا تھا تو [illegible] سارے اپنی چالاک چلتر ماں کے لیے ہوں گے۔ [illegible] ہی ہو گا کہ وہ اسے اتنی لفٹ کرانے کے بجائے [illegible] ہی نہ گھسنے دیتیں۔ مگر خیر یہ بھی ایک [illegible] ہوا جو فیضان اس وقت [illegible] کنزیٰ کی اتنی تعریفیں کرتا تھا' سارا [illegible] آنکھوں سے دیکھ لیتا۔

"میں بکواس نہیں [illegible]" کنزیٰ خائف ہوئے بغیر بولی۔ "میں [illegible] کہہ رہی ہوں کہ آپ کا بیٹا بہت [illegible] وہ آپ کو یقیناً" چاہتا ہو گا مگر وہ مجھ سے [illegible] کرتا ہے۔ اچھا تو یہ ہے کہ آپ [illegible] کرنا چھوڑ دیں' ورنہ وہ بے چارہ لڑکا [illegible] نہیں کر پائے گا۔ وہ مجھ سے خود کمٹ کر گیا ہے [illegible] کے برین [illegible] ہو جائے گا۔"

"اللہ نہ کرے۔" معصومہ دہل گئیں۔ کیسے منہ بھر بھر کر منحوس باتیں کیے جا رہی تھی اور وہ بھی اس درجہ اطمینان سے۔ صاف لگتا تھا کہ وہ فیضان سے پیار کا ناٹک رچا رہی ہے۔ اس کے لہجے میں اس بات کا غرور تو تھا کہ فیضان اسے بہت چاہتا ہے مگر فیضان کے لیے کوئی دلی لگاؤ ظاہر نہ ہوتا تھا' بلکہ اس نے خاصے تمسخرانہ لہجے میں اسے بے چارہ لڑکا کہا تھا۔

"اگر آپ کو اس کی زندگی اتنی ہی عزیز ہے تو جیسا میں کہتی ہوں ویسا ہی کریں' کیونکہ اب میں تو پیچھے ہٹنے والی نہیں ہوں' اتنی مشکل سے' اتنے انتظار سے تو یہ دن آیا ہے۔ ساری پلاننگ خراب ہو جائے گی۔"

اس کے اگلے الفاظ معصومہ کے اندازوں کی تصدیق کے لیے کافی تھے۔

"تو یوں کہو کہ محبت کا یہ سارا کھیل تم نے ایک پلاننگ سے رچایا تھا۔"

"اور نہیں تو کیا میں شکل سے اتنی احمق لگتی ہوں کہ آپ کے اس بے وقوف سے بیٹے سے محبت کر بیٹھوں گی۔ یوں [illegible] محبت و حبت تو ساری قصے کہانیاں ہیں۔

آج کل تو [illegible] Give and take (کچھ لو' کچھ دو) کا دور ہے۔"

اب تو [illegible] کسی شک و شبے کی گنجائش ہی نہ رہی تھی۔

معصومہ کو ایک گونا گوں اطمینان ہوا۔ سر سے ایک بوجھ اترتا محسوس ہوا' خدا بھی کس قدر مہربان اور کارساز ہے۔ آج اس نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر ڈالا تھا۔ اچھا تھا فیضان پر اس ڈھونگی لڑکی کے فریب کا پردہ چاک ہو گیا۔ وہ اگر خود سے بتاتیں تو شاید وہ کبھی یقین نہ کرتا مگر اب اس نے اپنے کانوں سے سن لیا تھا۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مصلحت تھی کہ وہ آج فیضان کے ہوتے ہوئے چلی آئی تھی اور فیضان اس کے سامنے نہیں آیا تھا۔

وہ اندازہ کر سکتی تھیں کہ فیضان اس وقت کس صدمے سے دوچار ہو گا۔ اس کے دل پر کیا قیامت گزر رہی ہو گی' مگر جو بھی ہوا بہتری ہوا تھا۔ اصل حیرت تو کنزیٰ کی بے خوفی پر تھی' سب کچھ کہہ گئی تھی اور اسے یہ ڈر بھی نہ تھا کہ وہ ساری حقیقت فیضان سے کہہ دیں گی۔ شاید وہ ضرورت سے زیادہ پراعتماد تھی۔

"اور اگر میں یہ سب کچھ فیضان کو بتا دوں تو تمہاری پلاننگ تو دھری کی دھری رہ جائے گی۔" وہ سرد نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔

کنزیٰ نے بھی کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔

"ایسی غلطی بھی مت کرنا' کیونکہ وہ کبھی بھی یقین نہیں کرے گا۔ میری محبت میں وہ اتنا ہی دیوانہ ہے اور اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ پچھتائیں گی' میں اسے آپ سے چھین کر اتنی دور لے جاؤں گی کہ آپ ساری عمر اس کی صورت کو ترسیں گی۔"

اس نے کچھ ایسی بے دردی سے کہا کہ معصومہ بلبلا اٹھیں۔ "جیسا کہ تمہاری ماں نے کیا تھا۔"

تیر نشانے پر لگا۔ کنزیٰ کا چہرہ سرخ ہونے لگا مگر

جواب میں کچھ کہے بغیر وہ ایک تیکھی نگاہ ان پر ڈال کر شاید جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"چلتی ہوں ویسے سنا تھا آپ بہت اچھی میزبان ہیں۔"

جاتے جاتے بھی وہ طنز کرنا نہ بھولی تھی۔ معصومہ سے برداشت کرنا دوبھر ہو گیا' دل کی بھڑاس نکالے بغیر وہ اسے کیسے جانے دیتیں' جی تو چاہ رہا تھا طمانچوں سے اس کا چہرہ سرخ کروا لیں۔

"اونہہ 'بن بلایا مہمان۔" وہ تنفر سے بولیں۔

"عجیب لڑکی ہو تم مفت میں گلے کا ہار بن رہی ہو' کتنا ہے تم میں ذرہ بھر غیرت نہیں ہے اور غیرت ہو گی بھی کیوں' آخر تمہاری ماں بھی تو۔"

کنزیٰ ایک جھٹکے سے پلٹی۔ اس کے چہرے پر کچھ ایسا تھا کہ معصومہ کے باقی الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ مگر پھر بھی وہ بولیں۔

"میں پوچھتی ہوں آخر تم یہ سب کیوں کر رہی ہو' میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ اگر یہ کوئی انتقام کی کہانی ہے تو اس کے لیے تم نے میرا ہی گھر کیوں چنا ہے میں تو نہ کسی کے لینے میں نہ دینے میں۔"

کنزیٰ ہونٹ بھینچے انہیں دیکھتی رہی۔ اس کا چہرہ طرح طرح کے رنگ بدل رہا تھا۔ کمرے میں ایک جامد خاموشی طاری تھی' بالآخر وہ غم و غصے سے پھٹ پڑی۔

"اس لیے کہ میں ڈار سے بچھڑی ہوئی وہ کونج ہوں جو ہر صورت اپنے اصل تک پہنچنا چاہتی ہے۔

by hook or by crook

اور میں ایسا کر کے رہوں گی' یہ میرا میرے مرحوم باپ سے وعدہ ہے۔" اس کا تنفس تیز تر ہونے لگا۔

"میرا باپ پہاڑ جیسا تھا' مگر آپ بہن بھائیوں کی بے رخی نے اسے مٹی کا ڈھیر بنا ڈالا۔ خاص کر آپ پر تو اسے بڑا مان تھا کہ آپ ضرور اس کا ساتھ دیں گی اور آپ نے کیا کیا؟"

معصومہ کی نظریں لڑکھڑا کر جھک گئیں' ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ مرتضیٰ شاہ نے ان کی منت بھی کی تھی' ان پر غصہ بھی ہوا تھا' مگر وہ اپنے بڑے بھائیوں کے خوف سے اس کے نکاح میں شریک ہونے پر تیار نہ ہوئی تھیں۔

"آج بھی آپ نے میری ماں کو طعنہ بنایا ہوا ہے۔ بابا نے اپنی محبت تو پالی' مگر آپ لوگوں نے انہیں خوش نہ رہنے دیا' کیسے ظالم لوگ ہیں آپ' نکاح کے مقدس رشتے کو بھی نہیں مانتے' اسے ایک شرمناک تعلق بنا دیتے ہیں۔ ارے اپنی ذات پر اتنا غرور۔ ہاں اگر میرے باپ نے کوئی غلطی' کوئی گناہ کیا تھا تو اس میں میرا کیا قصور تھا' بولیں؟" وہ سوال کی صورت کھڑی جواب طلب کر رہی تھی۔

"کیوں آپ کے سید زادے کم ذات کی عورتوں کو اپنے دل میں تو جگہ دے دیتے ہیں' مگر حویلی میں جگہ نہیں دے پاتے۔ کیوں ہمارے ماتھے پر رکھی ہوئی دو نمبر کی عورت کی اولاد ہونے کا لیبل چسپاں کر دیا جاتا ہے؟ یہ کیسا تضاد ہے' یہ کیسا انصاف ہے؟"

کس سفاکی سے اس نے آئینہ اٹھا کر سامنے رکھ دیا تھا۔ معصومہ اس کی جرأت گفتار پر دنگ تھیں۔

وہی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کا انداز' وہی باغیانہ تیور' وہی جوش بیان' وہ بالکل اپنے باپ کا پرتو تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ مرتضیٰ شاہ کی ہر کوشش صدا بہ صحرا ثابت ہوئی تھی اور وہ دل [illegible] ہو کر اس رات حویلی کے در سے ایسا اٹھا کہ پھر [illegible] لوٹ کر نہ آیا۔ آئے تھے تو صرف [illegible] گریبان میں جھانکنے کی بھی ہمت [illegible] لیے اس کے کمرے سے [illegible] تھا۔

"مجھے جو کہنا تھا [illegible] بات ختم کر کے وہ دوبارہ پرسکون [illegible] اپنے اعصاب پر کمل کا کنٹرول حاصل [illegible] معصومہ کے بدن میں ابھی تک لرزہ طاری [illegible]

"[illegible] آپ کے ہاتھ میں ہے۔" یہ کہہ کر وہ جس طرح آئی تھی اسی طرح گردن اٹھائے اپنی جیل پر [illegible] چلی گئی۔

معصومہ نے آہٹ پر پلٹ کر دیکھا۔ فیضان کمرے کے دروازے پر کھڑا تھا۔ دونوں نے فیصلے کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں دے دی تھی' مگر اب کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہ رہی تھی' فیصلہ فیضان کے چہرے پر رقم تھا۔

☆ ☆ ☆

فیضان نے خود کو کمرے میں تقریباً مقید کر رکھا تھا۔ معصومہ نے بھی چھیڑنا مناسب نہ سمجھا' جانتی تھیں ابھی زخم تازہ ہے' چوٹ گہری لگی ہے' سنبھلتے سنبھلتے آتے آئے گا۔

نوید کا فون آیا تھا' وہ فیضان کے بارے میں پریشان تھا کہ وہ اپنا سیل فون کیوں بند رکھے [illegible] اسے کیا پتا تھا کہ فیضان اپنی محبت [illegible] رہا ہے۔ وہ پچھلے دنوں شہر سے [illegible] ہوا تھا اور [illegible] پہنچا تھا۔

"تم ایسا کرو نوید جلدی سے یہاں آ جاؤ۔ فیضان کو اس وقت تمہاری سخت ضرورت ہے۔ تمہیں سن کر حیرت تو ہو گی [illegible] نے میری دعائیں سن لیں' سب کچھ خود بخود ٹھیک ہو گیا ہے۔ فیضان کو اس لڑکی کی ساری اصلیت پتا چل گئی ہے۔"

معصومہ سے صبر نہ ہو رہا تھا۔ انہوں نے دبے دبے ہیجان کے ساتھ نوید کو ساری تفصیل سنا ڈالی۔ مگر نوید الٹا حیران و پریشان ہو گیا۔

"لیکن آنٹی! اس روز تو کنزیٰ اچھی طرح جانتی تھی کہ فیضان اس وقت گھر پر ہے' میری اس سے اسی وقت بات ہوئی تھی اور میں نے اسے بتایا تھا کہ میں ابھی فیضان کے گھر سے نکل رہا ہوں اور شاید وہ چیک کرنے لگا ہے۔"

معصومہ کا سارا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"اوہ اب سمجھا' تو اسی لیے وہ مجھ سے بار بار وعدہ لے رہی تھی کہ میں فیضان کو اس کے فون کے بارے میں کچھ نہ بتاؤں۔"

نوید معاملے کی تہہ تک جا پہنچا تھا۔ اسے کنزیٰ سے ہمدردی تھی۔ اس لیے اس نے اپنے کیے وعدے کا پاس رکھنے کی کوئی ضرورت نہ سمجھی۔

معصومہ گم صم ہو گئیں۔

سوچا تو جگسا پزل کے سارے ٹکڑے ایک ایک کر کے اپنی جگہ بیٹھتے چلے گئے۔

وہ لڑکی ایک بار پھر انہیں بے وقوف بنا گئی تھی۔

وہ خوب جانتی تھی فیضان گھر پر ہے۔

وہ جان بوجھ کر اس وقت آئی تھی اور جان بوجھ کر سارا کچا چٹھا کہہ سنایا تھا۔ اس میں کتنا سچ تھا اور کتنا جھوٹ' یہ تو وہی جانتی تھی' مگر اس کا مقصد فیضان کو خود سے متنفر کرنے کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا۔

اگر فیضان سامنے ہوتا تو شاید وہ کوئی اور طریقہ آزماتی۔

یہ تو کچھ اور ہی طرح کی محبت تھی' محبوب کے راستے کے سارے کانٹے چن لینا' چاہے اپنے ہاتھ لہولہان کیوں نہ ہو جائیں۔

وہ فیضان کو کسی دوراہے سے بچانا چاہتی تھی۔

ذہنی دباؤ سے نکالنا چاہتی تھی۔

اپنا مقصد حیات پانے کے لیے' وہ جو اتنی پُراعتماد تھی' جیتی ہوئی بازی ہار کر چلی گئی تھی۔ اپنی ذات کو آپ بے مول کر گئی تھی' صرف اس لیے کہ فیضان اس سے نفرت کرنے لگے' پلٹ جائے' اس کی زندگی سہل ہو جائے۔

لاکھ وہ فیضان سے محبت سے انکاری تھی' مگر جو قربانی وہ دے کر چلی تھی۔ اس کی تہہ میں کہیں نہ کہیں کوئی جذبہ تو ضرور تھا۔

فیضان اداس تھا' دل گرفتہ تھا' اسے کسی ساتھی کی ضرورت تھی' جو اس کے زخمی دل پر پھاہے رکھ سکے۔ انہیں اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے جلد از جلد کوئی لڑکی دیکھنی تھی۔

ایک ایسی لڑکی جو کھری ہو' جو پُراعتماد ہو' ان کی طرح کم حوصلہ نہ ہو' اپنے حق کے لیے لڑنا' اپنے فیصلے خود کرنا جانتی ہو۔

ایسی لڑکی جو قربانی دینا جانتی ہو' جس میں شاہانہ تمکنت ہو' جو حسب نسب سے خاندانی ہو۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جو فیضان سے محبت کرتی ہو۔

اور ایسی لڑکی بھلا کنزیٰ کے علاوہ اور کون ہو سکتی تھی۔

☆

کی نگاہ تو تم نے کبھی جی بھی نہیں۔"
"لیکن میں نے تو کبھی ایسا نہیں سوچا۔" سحر نے غصے سے کہا۔
"اچھا! سچ کہو یہ اس قدر وارفتگی بے سبب تھی؟ کس کی پردہ داری ہے؟"
"اوہو! ایسی کوئی بات نہیں، مجھے تو امان سخت ناپسند ہے۔" اس نے منہ بنایا۔
"خدا کا خوف کرو ناشکری لڑکی! اتنا چند سم، اعلا تعلیم یافتہ، خالہ کا بیٹا، امی کا لاڈلا، ابو کا پیارا!" صدف بولی۔
"ہوتا رہے جو بھی ہو، مجھے نہیں کرنی اس سے شادی۔"
"پاگل ہو گئی ہو، ویسے تو ہر وقت خالہ خالہ کرتی رہتی ہو اور اب امان سے شادی سے انکار؟"
"تو خالہ خالہ کرتی ہوں نا! امان امان تو نہیں۔"
"اف سحر! تم کس قدر بے وقوف ہو۔" صدف نے ماتھا پیٹا۔ "خالہ کے ساتھ رہنے کا اس سے اچھا اور کیا موقع ہے، دوسری طرف وہ امی کی دوست کا بیٹا ہے امی تو دل و جان سے وہاں راضی تھیں اگر جو خالہ یہ بات نہیں کرتیں۔ وہاں کرو گی تو آسٹریلیا چلی جاؤ گی، سوچو کب کب آنا ہو گا پاکستان اور آؤ گی تو سسرال کی مصروفیات نند، دیور وغیرہ وغیرہ پھر ہم لوگ... کب ملو گی خالہ سے؟" صدف نے خوف ناک نقشہ کھینچا تو اسے جھرجھری آگئی۔
"اور..." سیما نے مزید کہا "خالہ کون سا تمہارے انتظار میں بیٹھی ہوں گی، امان کی شادی ہو جائے گی کسی اور سے، خالہ تو ویسے ہی اتنی سویٹ ہیں بہو کی دوست بن جائیں گی فوراً" پھر ان کے پوتے اور پوتیاں ہوں گے، وہ کیسی لگیں گی سحر؟ اچھا وہ!"
"نہیں نہیں۔" سحر نے بے ساختہ کہا۔
"تو اور کیا بے وقوف یہاں تو [illegible] نہیں رہو گی۔ امان سارا دن تو آفس ہو گا تم اور خالہ مزے کرو گی۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" اس نے کچھ سوچ کر سر ہلایا۔
اسی وقت امی اور خالہ اندر داخل ہوئیں تو ابھی ابھی کیے گئے فیصلے کی وجہ سے خود بخود اس کی نگاہیں جھک گئیں۔ خالہ نے اسے گلے سے لگا کر اس کی پیشانی چوم لی۔

☼ ☼ ☼

کمرے میں مختلف قسم کی خوشبوئیں پھیلی ہوئی تھیں۔ باسی پھولوں کی مہک، مختلف قسم کے پرفیومز، کاسمیٹکس، نئے فرنیچر، ریشمی ملبوسات اور سب سے بڑھ کر نوبیاہتا دلہن کے وجود کی خوشبو اور تازہ موتیا کے گجرے جو امان اس کی کلائی میں باندھ رہا تھا اور نہایت وارفتگی سے اسے دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔
قدموں کی چاپ سنائی دی تو وہ ذرا سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ مسکراتی ہوئی خالہ کمرے میں داخل ہوئیں۔
"ماشاءاللہ۔" انہوں نے سحر کو دیکھ کر کہا۔
"ماما!" امان نے ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔
"آپ نہیں تیار ہوئیں اب تک؟"
ماحول کا سارا فسوں یک لخت اڑ گیا اور عجیب سی کوفت نے سحر کو گھیر لیا۔
"میری جان! تم لوگ جاؤ [illegible] ذرا آرام کا موڈ ہے۔"
"ماما! آپ تھک [illegible]" امان محبت سے ان کے ہاتھ [illegible] دونوں ماں بیٹے اپنے لاڈ و پیار میں [illegible]
سحر [illegible] ہوئی۔ اس نے خوامخواہ مسکرانے کی [illegible] پھر بے وجہ ڈریسنگ ٹیبل پر کھٹاک [illegible] ادھر ادھر کرنے لگی، سامنے آئینے میں [illegible] امان نے ماں کی گود میں سر رکھا ہوا تھا اور وہ اس کے بال سنوار رہی تھیں۔ جھنجلاہٹ کی ایک لہر سحر کے وجود میں دوڑ گئی اور اس نے نہایت بیزاری سے سوچا۔
"اب یہ جائیں گی بھی یا یوں ہی سر پر سوار رہیں گی۔"

☼

نایاب جیلانی

"وے کوی۔" لحاف میں سے ایک ٹھٹھرتی آواز برآمد ہوئی تھی۔

"کیا ہے خالہ؟" کوی نے لحاف میں منہ دیے دیے دہاڑ کے پوچھا۔

"کوی پتر! دیکھ تو برساتی میں کوئی لکڑی بچی ہے۔" عصر کے وقت سے لے کر اب تک خالہ نے کم و بیش سولہویں دفعہ ٹھٹھرتے، کانپتے ہوئے پوچھا تھا۔ خالہ کا بار بار لکڑیوں کے بارے میں سوال کرنا کوی کو بری طرح سے تپا گیا۔

"کب سے ٹیپ بجائے جارہی ہو خالہ! ایک ہزار ایک مرتبہ تو بتا چکی ہوں۔ صبح کا چولہا جلانے کے لیے لکڑی رکھی ہے۔ کل وحشت خان سے کہوں گی، بالن کاٹ کر دے جائے۔ یہ کمینہ بھی نہ جانے بغیر بتائے کہاں دفعان ہو گیا ہے۔"

"وحشت خان کہاں گیا ہے؟" خالہ نے سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے خود کو لحاف میں دبا لیا تھا مگر ٹھنڈ تھی کہ ہڈیوں پسلیوں میں گھس رہی تھی۔ باہر برف باری کی شدت میں جیسے ہی اضافہ ہونے لگتا تھا۔ کمرے کی چھت اور دیواریں تک برف کا بلاک بن جاتی تھیں۔ ایسے موسم میں لکڑی ان جیسے سفید پوشوں کے لیے

مکمل ناول

کسی نعمت سے کم نہیں تھی۔ پہلے تو دہشت خان خاصی ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بالن روزانہ ہی تقریباً لے آتا تھا۔ مگر پچھلے ایک دو روز سے وہ بھی نہ جانے کہاں تھا۔

"کوی!" خالہ نے ایک مرتبہ پھر نحیف سی آواز میں پکارا۔ کوی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"پتر! سو گئی ہو کیا؟"

"بولو خالہ! کانوں سے سنتی ہوں۔ ناس ماری نیند اس ٹھنڈ میں بھلا آئے گی۔" لحاف سے ایک سلگتی آواز برآمد ہوئی۔

"دہشت خان اتنے روز سے کہاں ہے؟" خالہ کی سوئی اب دہشت خان میں اٹک چکی تھی اور اب کوی جانتی تھی کہ نہ جانے کتنے ہی گھنٹے دہشت خان کی گردان ہو گی۔

"مجھے بتا کر نہیں گیا۔" وہ جل بھن کر بولی۔

"کہیں بیمار نہ پڑ گیا ہو' بغیر بتائے تو کہیں نہیں جاتا۔" خالہ کے لہجے میں واضح پریشانی تھی۔ اور اس پریشانی کی اصل وجہ یہ تھی کہ دہشت خان اگر سویرے بھی نہ آیا تو لکڑیاں کہاں سے آئیں گی۔ انگیٹھی کیسے تپے گی؟ چولہا کیسے چلے گا؟

"ارے نہ تو میں نے بھی نہیں خیال کیا۔ وہ بیمار نہ ہو۔" کوی سوچ میں پڑ گئی۔

"نمونیہ ہوا ہو گا۔ پچھلے سال بھی ہوا تھا۔" خالہ بے حد وثوق سے بول رہی تھیں۔

"اللہ نہ کرے۔" وہ دہل کر رہ گئی۔ "دہشت خان بیمار ہوا تو سچ مچ ہماری قلفی جم جائے گی خالہ! اب میں کم از کم کلہاڑی لے کر درخت کاٹنے تو نہیں جاؤں گی۔" اس نے گویا وارننگ دے ڈالی تھی۔

"رب خیر کرے۔" خالہ نے لرزتی آواز میں کہا۔ "تو صبح اس کے گھر پتا کر کے آنا۔"

"جاؤں گی' ضرور جاؤں گی اب سو جاؤ خالہ۔" کوی نے شاید کروٹ بدل لی تھی۔ چارپائی [illegible] کی آواز آئی تھی۔

"نیند نہیں آ رہی پتر!" خالہ نے گویا بے بسی کی آہ بھری۔ "ٹھنڈ تو لگتا ہے میری رضائی میں گھس گئی ہے' تو اطمینان سے پڑی ہے' واہ کیسی موج ہے۔"

"تو میں کیا کروں؟" کوی کو بھی غصہ آ گیا۔ ویسے بھی اس کا غصہ تو ناک پر دھرا رہتا تھا۔

"مجھے چائے بنا کر دے۔"

"چینی نہیں ہے۔" کوی نے سلگ کر کہا۔

"بغیر چینی کے پی لوں گی' پہلے بھی تو پی ہے۔ یہاں کون سا چینی کی بوریاں دھری رہتی ہیں۔" خالہ نے تیکھے انداز میں جتایا۔

"میرے باپ کی شوگر مل چلتی ہے نا۔ بوریاں میں نے اسٹور کر رکھی ہیں۔ برے سوکھے ویلے (وقت) کے لیے۔" وہ بھی کوی تھی۔ ادھار رکھنے کی قائل ہرگز نہیں تھی۔

"وہ نشئی تو اپنے جوگا نہیں تھا۔ کوئی ایک گن بھی نہیں تھا تیرے باپ میں' اسی لیے رب نے اسے رزق بھی ترسا ترسا کر دیا تھا۔ کمبخت 'ناشکرا' بے قدرا۔" ہمیشہ والا راگ الاپنے کے لیے خالہ فل موڈ میں آ چکی تھیں۔

"بس کرو خالہ! بخش دو میرے باپ کو' اس کی روح تلملا رہی ہو گی۔" کوی کو ہنسی آ گئی۔

"جیسا جہنمی' دوزخ میں سڑ رہا ہو گا [illegible]"

"تم تو کیا اس سے ملاقات [illegible] خالہ!" کوی نے [illegible] سکھ کا سانس لیا تھا [illegible] خالہ [illegible] گیا ہے۔

"کوی! آ [illegible]" وہ سادگی سے کہہ رہی تھیں [illegible] اور [illegible] تا وجود کسی اور بات کو سوچنے [illegible] دے رہے تھے۔

[illegible] پڑتی ہے' ٹھنڈ تو ہو گی۔" کچھ سوچ [illegible] لحاف ہٹا کر اٹھ بیٹھی۔ کمرے کے ایک کونے [illegible] بہت پرانی دادی کے وقت کی پیٹی رکھی تھی۔ وہ شرر [illegible] کرتی پیٹی تک آئی۔ پیٹی کے اوپر سے سامان اتارا۔ لکڑی کی صندوق' پلاسٹک کی ٹوکری جس میں بیسیوں کپڑے رکھے تھے۔ پالی کا کور شہر سے نئی نکور منگوائی گئی استری۔ اور خالہ کی دوائیاں وغیرہ۔ پھر پیٹی کھول کر ایک اور رضائی نکال کر خالہ کے اوپر پھیلا دی۔

"کوی پتر! یہ تو نے کیوں نکالی؟ اگر کوئی پروہنا (مہمان) آگیا تو کیا پڑوسیوں سے مانگیں گے۔ نئی نکور ویلوٹ کی رضائی ہے۔ لے کے میرے اوپر ڈال [illegible]" خالہ نے گرم اور بھاری سی چیز خود پر محسوس [illegible] لحاف سے باہر منہ نکال کر دیکھا تھا۔ "[illegible] رکھ دے۔ گھر میں نیا بستر تو داری [illegible]

"تمہاری کتنیا میں کس سے [illegible] خالہ! اگر کوئی آ بھی گیا بھوکے [illegible] تو اور کھا جی ہے۔" وہ اطمینان سے دوبارہ لحاف میں گھس گئی۔

"اگر ایک [illegible] مہمان ہوئے تو۔"

"[illegible] کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب آرام سے سو جاؤ!" کوی نے بیزاری سے کہا۔

"[illegible] تو سو ہی سکوں گی۔" خالہ اس سے بھی زیادہ بے زار تھیں۔

"کیوں؟ اب کیا مصیبت ہے۔ ٹھنڈ کا انتظام تو کر دیا ہے۔" کوی نے ناگواری سے کہا۔

"دل گھبرا رہا ہے۔" خالہ نے ایک اور شگوفہ چھوڑا۔

"تو میں کیا کروں؟ ٹھنڈ کا علاج تو کر دیا ہے۔ اس گھبراتے' اوازی کرتے دل کا کیا کروں؟" کوی کو غصہ آ گیا۔ صاف پتا چل رہا تھا کہ خالہ جان بوجھ کر گفتگو کو طول دے رہی ہیں' تاکہ نیند کی رسیا کوی سو ہی نہ جائے۔

"کوی! او کوی۔" خالہ نے دو تین مرتبہ آواز لگائی تھی مگر کوی بھی شاید جان بوجھ کر سوتی بن گئی تھی۔

"ایک تو آنکھ بند کرتے ہی دھت ہو جاتی ہے' سن تو۔" خالہ نے گویا التجا کی۔

"کیا ہے خالہ! خود تو دن کو لحاف میں دبک کر سوئی رہتی ہو' مجھے مرغ کی بانگ کے ساتھ اٹھنا ہوتا ہے' پتا تو ہے تمہیں پھر بھی۔" وہ لمبی لمبی جمائیاں روکتے ناگواری سے بولی۔

"میرا دل [illegible] رہا ہے' ذرا اٹھ کر دیکھ تو۔" خالہ [illegible]

"[illegible] ہوں' نہ ڈاکٹر' تو پھر کیسے سینے کے اندر [illegible] دل کو دیکھ کر بتاؤں کہ رات کے اس پہر یہ کیوں پھڑک رہا ہے۔" وہ عاجزی سے بولی۔

"مجھے کچھ کھانے کو دے' شاید بھوک کی وجہ سے گھبراہٹ ہو رہی ہے۔" خالہ نے گھبراہٹ کا اصل متن بیان کر ہی دیا۔

"تمہارا معدہ رات دن نہیں دیکھتا۔ بس مچل جاتا ہے کچھ نہ کچھ کھانے کو۔" کوی کی بےزاری عروج پر پہنچ گئی۔

"چل رہنے دے' خالی پیٹ پہاڑ جتنی رات گزار لوں گی۔" خالہ نے خود پر مظلومیت طاری کر لی۔

"کیا دوں؟" وہ سوچ میں پڑ گئی۔ "انڈا تو عصر کے وقت کھا لیا تھا آپ نے' پاپے بھی چائے کے ساتھ نوش فرما لیے تھے۔"

"ٹین میں دیکھ نا' میٹھے بسکٹ رکھے ہوں گے۔"

خالہ کی یادداشت کھانے پینے کے معاملے میں غضب کی تھی۔

"دیتی ہوں۔" گرم لحاف سے نکلنا کسی عذاب سے کیا کم تھا۔ مگر خالہ بھی بغیر پروا کیے رات دن اس کی پریڈ کرواتی رہتی تھیں۔ کوئی نے مین کھول کر اندر جھانکا۔ نمکو اور تھوڑی سی مونگ پھلی بھی رکھی تھی۔ دو عدد دیسی انڈے بھی تھے۔ خالہ کے ناشتے کے لیے اس کی تگ ہلکی ہو چکی تھی۔ ایک پلیٹ میں بسکٹ نکال کر اس نے خالہ کو تھمائے تھے اور پھر خود چارپائی کی طرف بڑھنے لگی تھی، جب خالہ نے مری مری آواز میں کہا۔

"سوکھے بسکٹ حلق میں پھنس جائیں گے کوئی۔"

"پانی دوں۔" اس نے جان بوجھ کر جگ اٹھا کر گلاس میں پانی بھرا۔

"ٹھنڈا ٹھار پانی پی کر میں نے مرنا ہے۔" خالہ نے شاید منہ بچلا لیا تھا۔

"تو پھر؟" وہ کلس کر رہ گئی تھی۔ جانتی تھی کہ خالہ کو چائے کی طلب ستا رہی ہے۔

"مجھے چائے بنا کر دے۔" انہوں نے بچوں کی طرح مچل کر کہا۔

"بغیر چینی کے۔" اس نے گہرا طویل سانس خارج کیا۔ "آپ کے حلق سے میٹھے کے بغیر چائے اتر جائے گی؟"

"تو کیا ہوا۔" خالہ نے اس کے سارے بودے بہانے چٹکی میں اڑا دیے۔ "میٹھے بسکٹ جو ہیں۔"

"بنا دیتی ہوں۔" وہ جلتی بھنتی رسوئی کی طرف بڑھ گئی۔ رسوئی کا دروازہ برآمدے میں کھلتا تھا۔ وہ باہر نکلی تو شدید تیز کٹیلی ہوا نے اس کے بدن کو ٹھٹھرا کر رکھ دیا۔ برف روئی کے گالوں کی طرح آسمان سے گر رہی تھی۔ چھوٹا سا صحن جس کی چھوٹی سی [illegible] کے پار کا منظر بھی خاموش اور [illegible] ہوا تھا۔ وہ تقریباً بھاگتے ہوئے رسوئی میں گھس گئی۔ دروازہ بھی بند کرلیا۔ مگر آگ جلانے [illegible] اسے ہمیشہ کی طرح وقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ لکڑیاں اگرچہ سوکھی ہوئی تھیں۔ تاہم سردی کی شدت کے باعث ان میں موجود نمی کی وجہ سے آگ جلانا مشکل تھا۔ تھوڑا سا تیل ڈالا تب جاکر آگ روشن ہوئی تھی اور کچھ دیر بعد سکون دینے والی حرارت نے ٹھنڈ کی شدت میں کمی کردی۔

خالہ کے بڑے سے پسندیدہ پیالے میں چائے ڈال کر وہ کمرے میں داخل ہوئی تو خالہ کو اپنا منتظر پایا۔

"اتنی دیر لگا دی؟" خالہ نے طنزیہ کہا۔ "میں نے سمجھا کہ سو جانے لگی ہو۔"

"گیس کے چولہے پر بنا کر لا رہی ہوں۔ اسی لیے دیر ہوگئی۔" وہ گیلی لکڑی کی طرح سلگ گئی۔

"اپنے لیے بھی بنا لاتی۔" خالہ چائے کی طرف متوجہ تھیں۔

"مجھے رات بھر جاگ کر سونا نہیں دینا۔" وہ رضائی میں دبک گئی تھی۔

"ایک بسکٹ ہی کھالے۔"

"مجھے کچھ بھی نہیں کھانا۔"

"سونے لگی ہو؟"

"نہیں۔" وہ طنزیہ بولی۔

"اچھا۔" خالہ بے طرح سے خوش ہو گئیں۔ [illegible]

"ٹھیک ہے ذرا تک باتیں کریں [illegible] بعد میں [illegible] پہلے [illegible]"

"[illegible] طاری ہونے لگی تھی۔"

[illegible] سوچ میں گم ہو گئیں۔ "کوئی! وحشت [illegible] پھر سے ساتواں مہینہ ہے۔"

[illegible] کوشش کے بعد انہوں نے ڈھونڈ ہی لیا

"تو میں کیا کروں؟" وہ غنودگی میں جھنجھلا گئی۔

"یہاں کی عورتوں کی تو مت ہی ماری گئی ہے۔ دو ماہ بعد بیٹی بھی بچہ جنے گی اور ماں بھی۔ دونوں کا چھلہ آگے پیچھے ہوگا قطعی [illegible]۔" خالہ نے آخری بسکٹ چائے میں ڈبویا تھا مگر بدقسمتی سے وہ چائے میں ہی رہ گیا۔

"ہائے یہ کیا ہوا؟ کیسے نکالوں؟" وہ سخت بدحواس ہو گئیں۔ "کوئی او کوئی!" خالہ نے یکے بعد دیگرے کئی آوازیں دیں۔

"کوئی! مر گئی ہے کیا منحوسی کھول نہیں۔" خالہ کو سخت تاؤ آگیا۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"دیکھ تو بسکٹ چائے میں ڈوب گیا۔ اب کیا کروں۔" وہ بے حد غم زدہ تھیں۔ سوال [illegible] سوچ چکی تھی۔

"مجھے اور دے نا۔" [illegible] "کوئی! اے کوئی! [illegible]" انہیں شدید غصہ آگیا۔ ذرا سا جھک [illegible] سے جوتا اٹھایا تھا۔ پھر کچھ سوچ کر [illegible] وہ لحاف میں دبکی ہوئی تھی۔ انہوں نے [illegible] نہ دیکھا۔ چارپائی کے پاس ان کی [illegible] جو ہمیشہ ان کے قریب ہی پڑی رہتی [illegible] اٹھا کر لحاف کے اوپر دے ماری۔ کوئی دہل کر اٹھ بیٹھی تھی۔

"کیا ہوا خالہ؟ ہائے ربا میرے اوپر کیا گرا۔" وہ بدحواسی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی تھی۔ پھر خالہ کے ہاتھ تک نظر گئی تو گویا سب کچھ سمجھ میں آگیا۔

"اب کیا ہے؟" کچی نیند کی سرخی لیے آنکھیں غضب ناک ہو گئیں۔

"یہ پیالے میں بسکٹ گر گیا ہے، کیسے نکالوں؟" انہوں نے معصومیت سے کہتے ہوئے پیالہ آگے کر دیا۔

"مجھے نہیں پتا۔" وہ تکیے پر سر رکھ کے دوبارہ لیٹ گئی۔ سارا دماغ ایک دم چکرا کر رہ گیا تھا۔

"اسے کیا کہتے ہیں جس سے تو حلوہ کھلاتی ہے مجھے اور دلیہ بھی۔" انہوں نے بہت زور ڈالا تھا ذہن پر مگر کمبخت کا نام یاد ہی نہیں آیا۔

"چمچہ چاہیے؟" کوئی چارپائی سے اٹھ گئی۔ جانتی تھی جب تک انہیں مطلوبہ چیز نہ ملی اسی طرح وقفے وقفے سے آوازیں لگاتی رہیں گی۔ رسوئی کے بجائے اس نے بڑے سے خالی ڈبے کو کھول کر پلاسٹک کے ڈنر سیٹ کا نیا چمچہ [illegible] کر دیا۔

"یہ کیوں دیا ہے؟ یہ برتن تو مہمانوں کے لیے ہیں۔" خالہ نے [illegible] کی طرح چیخ پکار شروع کردی۔

"ابھی اپنا کام چلاؤ اس چمچے سے۔" وہ غصے سے پھنکاری۔

"غصہ کیوں کھاتی ہے، سو جا نا۔" خالہ نے نرم اور پلپلے سے بسکٹ کو چائے میں سے نکال کر کھا لیا تھا۔ پیالہ بھی خالی کرکے رکھ دیا۔ اب وہ اطمینان سے لیٹ چکی تھیں۔ ان پر غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔ جیسے کوئی پر بھی احسان عظیم کیا گیا تھا۔ کوئی نے جلتے بھنتے کروٹ بدل لی۔

☆ ☆ ☆

نہ جانے رات کے تیسرے پہر کا کون سا وقت تھا۔ جب دروازے پر شدید قسم کی دستک ہوئی۔ یوں لگتا تھا دروازہ کھٹکھٹانے والا اسے توڑنے کے ارادے سے آیا ہے۔

"یہ کون آگیا؟" وہ دونوں ہی ہڑبڑا کر اٹھ گئیں۔

"اس وقت کون ہو سکتا ہے؟" کوئی نے پاس رکھا چھوٹا سا ٹائم پیس اٹھا کر وقت دیکھا تھا۔

"کوئی ضرورت نہیں دروازہ کھولنے کی۔" خالہ پر شدید خوف طاری تھا۔ "کوئی چور اچکا نہ ہو۔"

"چور اچکا دیوار پھلانگ کر آتا ہے، یوں دستک تو نہ دیتا۔ نہ جانے کون ہے۔" کوئی خود فکر مند تھی۔

"ڈاکو ہوں گے۔" خالہ کو گویا پکا یقین تھا۔

"ہمارے گھر سے کیا لوٹنا ہے۔" وہ استہزائیہ ہنسی۔

"کیوں؟ یہ قیمتی استری، یہ نیا نکور ڈنر سیٹ، تمہارا ٹیم پیس، ساجدہ (کوئی کی ماں) کی سلائی مشین، یہ پتیلیاں، دیگچے، ہائے یہ نیا نکور بستر۔" خالہ نے گھر کی قیمتی چیدہ چیدہ اشیا انگلیوں پر گنوا دیں۔

"ڈاکوؤں کے معیار بدل گئے ہیں خالہ، اب وہ کیش لوٹتے ہیں، زیور اور نقدی لیتے ہیں۔" کوئی کا دھیان ابھی تک بجتے دروازے کی طرف تھا۔

"باہر اس قدر برف پڑ رہی ہے، کون احمق ہے

"ہاں ٹھیک؟"

"الحمدللہ حیات ہیں۔"

"کیا کام کرتے ہو؟"

"ہمارا لکڑی کا کاروبار ہے' اس کے علاوہ گیس اسٹیشن ہیں۔ ادھر بھی اسی سلسلے میں آیا ہوں۔"

"ماشاء اللہ۔" خالہ بے ساختہ خوش ہوئیں۔ گیسٹ ہاؤس کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کوئی باحیثیت مہمان آیا تھا' بات تو خوشی کی تھی۔

☆ ☆ ☆

"خالہ جی! میں سونا چاہتا ہوں۔" وہ سچ مچ رو دینے کو تھا۔ خالہ جی نے سوالوں کے سلسلے کو لمحہ بھر کے لیے منقطع کیا تھا۔ سرخیل خان بار بار چھوٹے سے ٹائم پیس پر وقت دیکھ رہا تھا۔ رات آخری پہر میں داخل ہو رہی تھی۔ ایک تو شدید سردی' اوپر سے سخت تھکاوٹ' وہ بستر پر گر کے نیند میں گم ہو جانا چاہتا تھا' مگر۔

اور وہ اس چھوٹے سے گیسٹ ہاؤس کی منیجر' اونر' ایڈمنسٹریٹر نہ جانے کہاں چلی گئی تھی۔ کم از کم اسے کمرہ تو دکھا دیتی۔ کمرے کی چابی پکڑا دیتی۔ خالہ جی اس کی پریشانی سے قطعاً بے نیاز اپنی گننے میں مصروف تھیں۔

"خالہ جی! وہ خاتون کہاں ہیں؟" جب رہا نہ گیا تو سرخیل خان نے پوچھ ہی لیا۔

"کوجی کا پوچھ رہے ہو؟"

"جی۔"

"میں نے اسے تمہارے لیے چائے بنانے کے لیے کہا ہے۔"

"چائے۔" سرخیل خان اس مہمان نوازی پر قربان ہو گیا۔ چائے کی شدید طلب محسوس ہو رہی تھی۔ اسے تو گویا ہفت اقلیم کی دولت مل گئی۔ چائے کی خاطر وہ خالہ جی کے تمام سوالوں کے جواب بخوشی دینے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔

"ہاں تو میں پوچھ رہی تھی' شادی ہوئی تمہاری؟"

"نہیں جی۔"

"بڑی اچھی بات ہے۔" خالہ جی بے ساختہ خوش ہوئیں۔

"کیا اچھی بات ہے؟"

"یہی کہ تمہاری شادی نہیں ہوئی۔" خالہ جی نے سادگی سے کہا۔

"جی۔" سرخیل خان حیران ہوا۔ وہ پوچھنا تو چاہتا تھا' اس میں اتنا خوش ہونے کی کیا بات ہے' مگر لحاظ آڑے آ گیا۔

"لکھنا پڑھنا جانتے ہو؟" ایک اور معصومانہ سا سوال۔

"جی!" سرخیل خان نے مسکراہٹ چھپانے کے لیے سر جھکا لیا۔ "جمع تفریق آتی ہے۔"

"وہ تو سوئم اور دوئم جماعت کے بچوں کو بھی آتی ہے۔" خالہ نے برا مان کر کہا اور سرخیل خان نے ہونق پن سے خالہ جان کو دیکھا۔

"اسکول کتنا پڑھے ہو؟"

"بی بی اے کیا ہے' پھر کاروبار میں لگ گیا تھا۔ مزید پڑھنے کو دل راضی نہیں تھا۔"

"وہ فصلی اے کیا ہے؟ جو وہ ایک دفعہ [illegible]" خالہ جان نے معصومیت سے پوچھا۔

"یہ ہی سمجھ لیں۔" اس کا انداز بہلانے والا تھا۔

"کیوں سمجھوں؟ [illegible] جو بچوں کی کتابیں پڑھی ہیں [illegible]"

"[illegible] آپ کہہ رہی ہیں۔" وہ آج بڑا ہی [illegible] تھا۔ اور یہ چائے کا لارا ابھی خالہ جان نے جو لگا رکھا تھا شاید۔ اتنی دیر میں تو پُر تکلف ڈنر کی [illegible] کی جا سکتی تھی۔

"میں سو جاؤں؟" اس نے پھر سے اجازت چاہی۔

"کیوں؟ چائے کون پیئے گا؟ میں تو اتنا بڑا پیالہ پی چکی ہوں۔" خالہ نے ناراضی سے جتایا۔

"کیا وہ محترمہ سری لنکا سے پتی لینے چلی گئی ہیں؟" وہ عاجزی سے پوچھ رہا تھا۔ اسے ہلکا ہلکا بخار بھی محسوس ہو رہا تھا۔ یہ بخار تھکاوٹ کی وجہ سے تھا۔ اتنے دن ہو گئے تھے' وہ ٹھیک سے سو نہیں پایا تھا۔ آرام نہیں کر سکا تھا۔ گیس اسٹیشن کا کام برف باری کے آغاز سے پہلے ہی مکمل کر لیا گیا تھا۔ تاہم اس کی رہائش کے لیے کاٹیج تعمیر کیا جا رہا تھا۔ جو خراب موسم کی وجہ سے روکا جا چکا تھا۔ ایک وجہ تو یہ تھی گیسٹ ہاؤس میں قیام کی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ سہولتوں سے مبرا یہ گیسٹ ہاؤس اس کے دفتر سے قریب تھا اور یہی وجہ۔

"پتی بھی ٹین کے ڈبے میں [illegible] اور وہ بھی موجود ہے۔ اسے سری لنکا جانے کی اس وقت کیا ضرورت پڑی ہے' [illegible] اس وقت بند ہوتی ہے۔" وہ سادگی سے [illegible] رہی تھیں۔

"[illegible] دس بجے سے پہلے نہیں کھولتا۔ موا [illegible] خالی میں گھسا رہتا ہے۔" ان کے خیال میں [illegible] خان نے دکان کو انگریزی میں سری لنکا کہا تھا۔ سرخیل خان سمجھ کر بے ساختہ مسکرا اٹھا۔

"تو کیوں ہنس رہا ہے۔" خالہ کی نظر بھی بلا کی تیز تھی۔ "وہ چپکے چپکے تو تب ہی ہنسا جاتا ہے' جب بندے کو وہ ہو جاتی ہے۔" وہ عینک درست کرتی ناراضی سے بولیں۔

"کیا ہو جاتی ہے؟" سرخیل خان نے گویا خوب ہی لطف لیا۔

"وہ ہی جو کوجی کو حماد خان سے تھی۔ بلکہ ہے میری مانتی نہیں۔ ورنہ میں تو چاہتی تھی کوجی اپنی زندگی کی اس ڈولتی نیا کو پار لگا لے۔" خالہ کے چہرے پر آن کی آن میں زردیاں چھا گئیں۔ "اسے کیا کہتے ہیں' جو سب کو ہو جاتی ہے۔ جوانوں کو' بوڑھوں کو' حتی کہ بڈھیوں کو بھی' ابھی پچھلے مہینے گل بدن کو بھی ہو گئی تھی۔ بے شرم بچپن سال کی مشٹنڈی۔ ہک ہا' جوڑے میں مہندی لگوا لیتی' سیات پکی کے بتاشے جو بٹ چکے ہیں اور ایک میری کوجی۔"

"خالہ جان! ٹی بی۔" سرخیل خان نے ذہن پر زور ڈال کر ان کی مشکل آسان کی تھی۔

"ٹی بی بچوں' نوجوانوں اور بوڑھوں کو بھی ہو جاتی ہے' مگر یہ کوئی لاعلاج مرض نہیں۔ گل بدن صاحبہ کو صحت ہی لگ گئی ہے' وہ بتاشے بانٹنے کی کیا ضرورت تھی' ڈاکٹر سے رجوع کرتیں۔"

"[illegible] ٹی بی کہاں؟ تجھے نہیں پتا کیا؟ وہ جو فلموں میں بھی لڑکے لڑکی کو ہو جاتی ہے۔" خالہ جان نے گویا اپنا ماتھا پیٹا۔

"کون سی فلم میں؟" وہ مسکراہٹ روکے پوچھ رہا تھا۔

"وہ ہی جو اکشے کمار اور وہ کالی سی لڑکی برف پر لوٹنیں لگاتے ہوئے زمانے کو جتا رہے تھے' 'ہمیں وہ ہو گئی۔'" خالہ جان نے یادداشت کے سارے خانے کھنگال ڈالے۔

"سردی لگ گئی ہو گی۔ برف پر لوٹنیں لگانے سے تو یہ ہی لگ سکتی ہے یا پھر نمونیہ جو مجھے بھی محسوس ہو رہا ہے۔" وہ مسکراہٹ ضبط کرنے کے چکر میں لال بھبھوکا چہرہ لیے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ مگر پھر بھی ہنسی کا فوارہ پھوٹ پڑا۔

"خالہ کی معصومیت' سادگی اور محبت کا مذاق اڑانے کی ضرورت نہیں۔" نہ جانے وہ کب دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"جی!" وہ سر اٹھا کر سامنے کھڑی اکھڑی اکھڑی سی لڑکی کو دیکھنے لگا۔

"محبت ہاں پتر! تجھے محبت تو نہیں ہو گئی۔" خالہ بستر سے اس انداز میں اچھلی تھیں یا پھر انہوں نے پہلو ہی اتنے زور سے بدلا تھا کہ بے چاری چارپائی نے چوں چاں کر کے شدید احتجاج کیا۔

"کس سے؟ کیا اس برف سے؟" اس کا سارا دھیان بھاپ اڑاتے مگ کی طرف تھا۔ ابلے ہوئے انڈے اور ایک پلیٹ میں بسکٹ بھی تھے۔ سرخیل خان نے کفرانِ نعمت کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

"یہ دوسرا انڈہ بھی کھا لو۔" خالہ جی بڑی اپنائیت سے کہہ رہی تھیں۔

"شکریہ' میں بس چائے لوں گا۔" وہ ایک انڈہ اور

تین بسکٹ کھا چکا تھا۔ معدے میں گرمائش پہنچی تو کچھ سکون آیا تھا۔

"مجھے کمرہ دکھا دیجیے۔" یہ کہنے کی سرخیل خان کو ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اس نے چائے کا کپ ابھی رکھا تھا جب مینیجر صاحب نے اسے باہر آنے کا سگنل دیا تھا۔ وہ اس کی پیروی میں ایک کشادہ صاف ستھرے کمرے میں پہنچ چکا تھا۔ یہ کمرہ شاید خاص قسم کے سیاحوں یا مہمانوں کے لیے تھا۔ وہ پلنگ' فرش پر سرخ قالین' ریک میں سجی کتابیں۔ سنگھار میز' بھری سینٹر صوفہ اور ایک کارنر ٹیبل جس کے اوپر کسی خوش شکل نوجوان کی زندگی سے بھرپور تصویر مسکرا رہی تھی۔

"یہ تمہارا کمرہ ہوا' جب تک رہنا چاہو' آرام سے رہو' البتہ غیر ضروری چھیڑ چھاڑ سے پرہیز کرنا۔" ہدایت نامہ مکمل ہو چکا تھا۔ سرخیل خان چھیڑ چھاڑ کی وضاحت چاہتا تھا' تبھی سادگی سے پوچھنے لگا۔

"میں کسے چھیڑوں گا؟" نہ تو یہاں نازک اندام باندیاں ہیں' نہ ہی مغلیہ دور کی شہزادیاں' ویسے آپ کی اطلاع کے لیے عرض کرتا ہوں کہ میں چھیڑ چھاڑ کرنے والوں کے قبیلے سے نہیں ہوں۔"

"میرا یہ مطلب نہیں۔" مینیجر صاحب کو غصہ آ گیا۔ "اس کمرے میں یہ الماری ہے' اس میں تم کپڑے نہیں رکھ سکتے' اس کے اندر گھسنے کی کوشش نہ کرنا' کتابوں والے اس ریک کو بھی ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں۔"

"کتابیں ڈیکوریشن کے لیے سجائی ہیں؟" اس نے پھر سے سادگی بھرے لہجے میں پوچھا۔

"یہی سمجھ لو۔" جھنجھلائے انداز میں جواب دیا گیا۔

"اور اس ٹی وی کو بھی ہاتھ لگانا منع ہے؟"

"ٹی وی کو ہاتھ لگانے سے بھلا کیا فائدہ حاصل ہو گا۔ یہ تو خالی ڈبا ہی سمجھ لو۔ [illegible] کا طوفان [illegible] تھا' پھر لگوانے کی توفیق نہیں ہوئی۔ [illegible] سے کنکشن فرمانے والے اس گیسٹ ہاؤس میں قیام نہیں کرتے' غریب مسکین [illegible] ٹھہرنے کے لیے آتے ہیں اور ایسی سہولیات وہ افورڈ نہیں کر سکتے۔ تم پہلے مہمان ہو جس نے اس کمرے کا تالا کھلوایا ہے۔" نہ جانے کیوں سرخیل خان کو لگا تھا مینیجر صاحب کے چہرے پر سائے سے لہرائے ہیں۔

"اور یہ صوفہ؟" اس نے پھر سے معصومیت سے پوچھا۔

"ہاں۔" وہ ناگواری سے بولا۔ "اور ایک بات اور بھی سن لو' آج کے علاوہ کل سے جو بھی کھانا پینا یہاں سے ہو گا اس کا الگ سے بل ادا کرو گے۔"

"جی جانتا ہوں' اور کچھ۔" وہ پلنگ پر بیٹھ چکا تھا۔

"گیسٹ ہاؤس میں ہم ہمیشہ ساری رقم وصول کرتے ہیں۔" وہ ہوس بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"میں آپ کو ساری نہیں' آدھی رقم ادا کروں گا' کیا ابھی کروں؟"

"نہیں' صبح دے دیجیے گا۔" وہ بے نیازی سے بولا۔

"مہربانی جناب کی۔" اس نے شاید طنز کیا تھا۔ وہ بغیر کچھ کہے باہر نکل گیا تھا اور وہ ٹھٹھرتے ہوئے رضائی میں گھس گیا۔

کچھ دیر بعد دروازے پر پھر سے دستک ہوئی۔ اس نے کون سا کنڈی لگانے کی زحمت گوارا کی [illegible] صاحب کی بجائے تشریف آوری [illegible] کوئلوں سے دہکتی انگیٹھی [illegible] استعمال کی جاتی تھی' سرخیل [illegible] ٹھٹھرے اسے دیکھا۔

"اس عنایت [illegible]"

"[illegible]" وہ اپنے مزاج کے بے نیاز [illegible] تاہم ایک بات اور واضح کر دوں' [illegible] سردیوں میں اور برف باری کے دنوں میں بہت مہنگی ہو جاتی ہے اسی لیے۔"

"آپ فکر مند نہ ہوں' میرے یہاں قیام کے دوران آپ کو لکڑی خریدنے کی ضرورت نہیں۔" وہ اس بستی کے اس سب سے بڑے پرابلم سے اچھی طرح سے آگاہ تھا۔ ان دنوں تو لکڑی سونے کے بھاؤ

بکا کرتی تھی۔

"خیرات سے مجھ کو ادا کرو گے؟" اس نے شاید طنز کیا تھا۔

"نہیں' لکڑی کی قیمت ادا کروں گا۔"

"ہم کو یہ گوارا نہیں۔"

"مگر کیوں؟" وہ حیران ہوا۔

"تمہاری خیرات کے پیچھے اور لوگ ہیں' مگر ہم نہیں۔" وہ ناراضی سے گویا ہوا۔ "یہ لکڑی اس انگیٹھی میں تمہارے لیے استعمال کی جائے گی' ہم صرف اسی کے پیسے [illegible]"

"ٹھیک ہے جناب۔" وہ عاجزی سے بولا۔ مزید کچھ کہے بغیر وہ پلٹ [illegible]

☼ ☼ ☼

[illegible] خان کا کسی زمانے میں بادام کا بڑا [illegible] تھا۔ گھر میں خوش حالی تھی' کنبہ مختصر تھا' اماں اور ابا کی محبت بھی مثالی تھی' ابا نے کبھی اماں کی کسی بات کو رد نہیں کیا تھا۔ اماں کی ہر خواہش کو اولیت دی۔ اماں کا کہا کبھی نہیں ٹالا۔ یہی وجہ تھی کہ جب اماں کی چھوٹی بہن بیوگی کے بعد بے آسرا ہو گئیں تو اماں انہیں اپنے گھر لے آئیں۔ اور یہیں سے گویا برے دنوں کا آغاز ہو گیا تھا۔ ابا کو کسی دشمن نے نشے کی بری لت لگا دی تھی۔ دھیرے دھیرے یہ نشہ ابا کو دیمک کی طرح چاٹ گیا۔ کاروبار تباہ ہوا تو نوبت فاقوں تک آ گئی۔ اماں کی دوراندیشی کے تحت گھر کا چولہا جل رہا تھا۔ خالہ کو بس ہمیشہ ایک قلق رہا کہ اس گھر میں انہوں نے بھوک ہی دیکھی۔

ابا کو غلط صحبت نے خاندان بھر سے اور بستی والوں سے دور کر دیا تھا۔ بھوک اور افلاس نے مت مار کے رکھ دی تھی۔ سننے میں آیا تھا ابا کا سارا کاروبار قرضوں میں ڈوب گیا۔ ابا رنگین مزاج تھے۔ خالہ بتاتی تھیں کہ کاروبار بھی اسی لیے ڈوبا کہ ابا کسی عورت کے چکر میں پڑ گئے تھے۔ اس عورت کی بے وفائی نے ابا کو نشے کی چاٹ لگا دی اور ادھر اماں سوت کے غم کو سہار نہ سکیں اور چل بسیں۔ کومل اس وقت بہت چھوٹی تھی۔ خالہ نے [illegible] اسے ہمیشہ کے لیے چھپا لیا تھا۔ ان دنوں حماد خان چنڈی کے ایک اسکول میں زیر تعلیم تھا۔ خالہ نے اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کے حماد خان کو پڑھایا لکھایا تھا۔ دن رات اجرت پر کپڑے سیے۔ اماں نے بھی خالہ کا بہت ساتھ دیا تھا۔ حماد خان ان دو عورتوں کا خواب تھا جو اس تیسری عورت کی آنکھ میں آن بسا۔

گھر کے حالات دن بہ دن بگڑتے جا رہے تھے۔ حتیٰ کہ ضرورت کی بے شمار چیزیں پیٹ کے دوزخ کو بجھانے کے لیے اماں نے چپکے چپکے بیچ دی تھیں۔ ابا کو گھر تو کیا اپنا بھی ہوش نہیں تھا اور خالہ اکثر کہتی تھیں۔ "بدبختی پھیرا مارے تو اسی طرح ہوش مند انسان عقل کھو دیتا ہے۔ زندگی بھر میری بہن کو ترسایا' جب وقت نے کروٹ بدلی' خوش حالی کے دن آئے تو خود ہی اپنے ہاتھوں سے لٹا کر بیٹھ گیا۔"

کومل کو بدلتے حالات نے بہت مضبوط کر دیا تھا۔ اماں اور ابا کے بعد معذور خالہ کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ سارا معاشی بوجھ اس کے کندھوں پر آ پڑا تھا۔ وہ وادی کے واحد پرائمری اسکول میں جماعت پنجم کو پڑھاتی تھی۔ تنخواہ اگرچہ مختصر تھی۔ تاہم ان دو خواتین کا گزارہ مشکل ضرور تھا' مگر ناممکن نہیں۔ خالہ کی بیماری اور علاج پر کافی رقم اٹھ گئی تھی۔ اب تو خیر سے خالہ صحت مند تھیں۔ لاٹھی سے چلتی پھرتی بھی تھیں۔ چھوٹی موٹی تکلیفیں تو زندگی کی ساتھی ہوتی ہیں۔ وقت سبک خرامی سے گزر رہا تھا۔ بہتے وقت کے سمندر میں تلاطم آیا تو کب؟

سرما کی اس رات جب آسمان برف برسا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

صبح کے شاید آٹھ بجے تھے' جب دروازے پر زوردار دستک ہوئی۔ اسے بستر کو چھوڑنا نہیں پڑا تھا۔ دروازہ خود بخود کھل گیا تھا۔ وہ ٹرے میں ناشتے کے

لوازمات رکھے اندر داخل ہوئی۔
"صبح بخیر۔"
"بخیر۔" وہ بھاری آواز میں بمشکل بولا۔
"ابھی تک بستر میں پڑے ہو خیریت؟" خیریت پوچھنے کا بھی اپنا ہی اسٹائل تھا محترمہ کا شاید۔
"بخار ہے۔"
"اچھا۔" وہ سوچ میں پڑ گئی۔ "طبیعت ٹھیک نہیں؟ دوائی چاہیے؟" وہی ٹھہرا انداز۔
"نہیں۔" سرخیل خان آنکھیں دبا رہا تھا۔
"کیوں؟"
"میرے پاس ٹیبلٹس ہیں۔"
"ٹھیک ہے۔ مگر تمہیں تو ہلکی غذا چاہیے ہوگی۔" کوئی پھر سے سوچ میں پڑ گئی۔
"آپ کیا لائی ہیں؟"
"پراٹھے انڈے اور چائے۔" اس نے ٹرے پھر سے اٹھالی۔ "میں کچھ اور لے آتی ہوں۔"
"کیا لائیں گی؟"
"رسک ٹھیک رہیں گے۔" وہ پھر سے سوچنے لگی۔
"نہیں۔ میں نے کبھی رسک نہیں کھائے۔"
"تو پھر دلیہ۔"
"ناہی نا' دلیہ بھی نہیں۔" خان نے منہ بنا کر کہا۔ گویا کسی کڑوی دوا کو چبالیا ہو۔
"کھچڑی بنادوں؟" وہ اپنے کچن میں رکھی چیزوں کے حساب سے کہہ رہی تھی۔
"کھچڑی؟ مونگ کی دال کی' میں نے کبھی نہیں کھائی۔ ہمارے گھر مونگ کی دال نہیں پکتی۔ ہم تینوں بھائیوں کو پسند نہیں۔" وہ سخت بے زار ہو گیا تھا۔
"پردیس میں نخرے نہیں کرتے۔" کوئی کو غصہ آگیا۔ "جو کھانا ہے' بتادو' اور جو آئندہ کھانا پسند کروگے اس کی لسٹ بھی بنادو۔ ایڈوانس بھی دے دینا' دہشت خان شہر سے لاوے گا سامان۔"
"میں اس وقت سوپ پینا چاہتا ہوں۔ [illegible] اچھا بناتی ہے اور بخار میں ہمیشہ میں سوپ ہی پسند کرتا ہوں۔"

"[illegible] کو ساتھ لے آتے۔" کوئی غصہ پیتے ہوئے بولی۔
"کیا تمہیں سوپ بنانا نہیں آتا؟" وہ روانی میں آپ سے تم پر آگیا تھا۔ "مجھے چکن کارن سوپ بنادو' پلیز۔" وہ لجاجت سے بولا۔
"میرے باپ کا پولٹری فارم ہے نا۔ چکن کارن سوپ بنادو ہونہہ۔" لحاظ اور مروت تو کوئی کو چھو کے نہیں گزری تھی۔
"چکن نہیں' سبزیاں تو ہوں گی۔ ویجی ٹیبل سوپ بھی چلے گا۔" اس نے پھر سے گویا التجا کی۔
"سبزیوں کے کھیت نہیں ہیں میرے۔ ناہی رنگ رنگ کی سبزیاں گھر میں موجود ہیں۔ دلیہ لے آتی ہوں' کھانا چاہو تو شوق سے' ورنہ میری بلا سے بھوکے رہو۔" کوئی جل بھن کر رہ گئی۔
"آلو تو موجود ہوں گے۔" اس نے بھی ہار بھی نہیں مانی تھی۔
"ہاں۔ وہ پڑے ہیں ٹوکری میں۔" وہ تاؤ کھا کر بولی۔ "مگر مجھے سوپ ووپ نہیں بنانا آتا۔"
"ترکیب میں بتاتا ہوں۔" سرخیل خان بے ساختہ خوش ہو گیا۔
"تمہیں بنانا آتا ہے؟" وہ حیران ہوئی۔
"اس میں مشکل کیا ہے۔" سرخیل خان نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا تھا کہ محترمہ [illegible]
پھر اس نے رسان سے [illegible] کی ترکیب بتائی۔
"یہ بڑا آسان [illegible] ہے۔" کوئی پلٹتے ہوئے بڑبڑا رہی [illegible] ہوتے ہیں یہ بڑے لوگ نہ جانے کیا کیا کھاتے [illegible]
"[illegible] صاحب! اپنا نام بتانا پسند کریں گی؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھنے کی جسارت کی تھی کہ محترمہ کا مزاج بدلتے لمحہ بھر کی دیر نہیں لگتی تھی۔
"کوئی۔"
"جی۔ یہ کیا نام ہوا؟ کورمہ یا کوما نہیں کہہ سکتے؟" وہ معصومیت سے بولا۔ "فل اسٹاپ بھی

ہو سکتا ہے۔"
"کومل بختیار نام ہے میرا' مگر اس نام سے بستی والے واقف نہیں۔ سب کوئی کہتے ہیں۔" وہی ٹھہرا انداز۔
"نک نیم ہوگا' لاڈ کا نام۔" سرخیل خان خوامخواہ مسکرایا۔
"یہی سمجھ لیں۔ لاڈ کا نام ہے' یہاں اصل نام کو بگاڑ کر بلانا ہی لاڈ کے زمرے میں آتا [illegible] اٹھا کر باہر نکل گئی تھی۔

* * *

سرخیل خان کا بخار [illegible] چکا تھا۔ مگر اس نے دوسرے دن اور [illegible] دن بھی اپنے کام سے چھٹی کرلی۔ [illegible] کوئی کپڑے دھو رہی تھی۔ جھٹ [illegible] دھونے اور سکھانے والی مشین بھی اس [illegible] ابھی دو سال پہلے ہی خریدی تھی۔ [illegible] باری کے موسم میں یہ مشین بڑی فائدہ مند تھی۔
آج سے پہلے اس گیسٹ ہاؤس میں قیام کرنے والے جتنے لوگ بھی آئے تھے وہ صرف ہفتہ دو ہفتہ کے لیے ٹھہرتے تھے۔ اس دوران انہوں نے کبھی کپڑے دھلوانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کچھ تو خود ہی دھو لیتے تھے اور زیادہ ایک ہی سوٹ میں گزارہ کرلیتے کہ کپڑے دھلوانے کے الگ سے پیسے افورڈ کرنا ممکن ہی کہاں تھا۔ نچلے طبقے کے چھوٹے کاروبار سے منسلک لوگ ایسی عیاشیاں پردیس میں اپنا معمول بنالیں تو کمائیں اور کھائیں کیا؟
یہ گیسٹ ہاؤس کی تاریخ کا پہلا واقعہ تھا۔ جب پہلے' دوسرے اور پھر تیسرے دن بھی سرخیل خان اپنے کپڑے اٹھا کر لے آیا۔
"یہ کیا ہے؟" کوئی نے بغیر دیکھے پوچھا۔
"میرے کپڑے ہیں۔"
"تو انہیں کیا کرنا ہے؟" وہ چادروں پر برش رگڑ رہی تھی۔

"دھونا ہے۔" معصومیت سے کہا گیا۔
"یہاں رکھ دو۔" [illegible] نے ایک خالی ٹب اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔ "گھر میں تمہارے کپڑے کون دھوتا ہے؟"
"گل بدن۔" وہ اپنی جیبیں ٹٹول رہا تھا۔
"یہ کون ہے؟" کوئی نے ایسے ہی معلومات میں اضافہ کرنے کی غرض سے پوچھ لیا۔
"ملازمہ۔" اسے ایک قمیص کی جیب میں سے آئی ڈی کارڈ مل ہی گیا تھا۔
"تمہارے گھر میں نوکر ہیں؟"
"جی۔ تین' چار ہیں۔"
"پھر بھی اپنی بہن سے ... کام کرواتے ہو؟" کوئی لمحہ بھر کے لیے کہیں کھو سی گئی تھی۔
"شگفتہ میری بہن نہیں ہے۔"
"تو پھر کیا ہے؟" کوئی نے سادگی سے پوچھا۔
"کزن ہے اور۔" سرخیل خان سوچ میں پڑ گیا تھا کہ اسے بتائے یا نہ بتائے۔
"اور کیا؟" وہ اپنا کام روک کر پوچھ رہی تھی۔
"منگیتر بھی تھی اور اب۔"
"اچھا۔ اچھا۔" کوئی کو بہت خوشی محسوس ہوئی۔
"مبارک ہو۔"
"کس بات کی؟"
"منگنی کی۔" وہ پھر سے لپ جھپ کپڑے کھنگالنے لگی۔
"منگنی بہت پرانی ہے' بچپن کی' یا اس سے بھی پہلے کی۔" سرخیل خان نے وضاحت کی۔
"ہمارے ہاں بھی بچپن میں رشتے طے کردیے جاتے ہیں۔" وہ اسے بتا رہی تھی۔ "خود میرا بھی رشتہ بچپن میں طے کردیا گیا تھا۔"
"جانتا ہوں۔" ایک معمول کی طرح اس کے لبوں سے برآمد ہوا۔
"کیا جانتے ہو؟" وہ تیکھے انداز میں پوچھ رہی تھی۔
"یہی کہ ہمارے ہاں بچپن کی منگنیوں کا رواج ہے۔" سرخیل خان نے گڑبڑا کر وضاحت کی۔

"کچھ غلط رواج نہیں؟" اب وہ جان بوجھ کر بات کو طول دینے کی غرض سے پوچھ رہا تھا۔

"اس میں کیا برائی ہے۔" کوی لاپروائی سے بولی۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا۔ یکدم کوی نے سر اٹھا کر پوچھا۔

"اور یہ آپ مجھے آنکھیں پھاڑے دیکھے کیوں جا رہے ہیں؟"

"میں کب دیکھ رہا ہوں۔" وہ سٹپٹایا۔ "ایسا الزام یعنی آنکھیں پھاڑ کے۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"جاؤ اپنا کام کرو۔"

"کون سا کام؟" معصومیت سے پوچھا گیا۔

"اب یہ بھی میں بتاؤں۔" اسے پھر سے تپ چڑھی۔

"تو اور کون بتائے گا گھر تو آپ کا ہے۔" اس نے سادگی سے جتایا۔

"تم اپنا کوئی کام کرو، وہ جو ڈبا (لیپ ٹاپ) ساتھ لائے ہو۔ اسی کے ساتھ لگے رہو۔ جاؤ یہاں سے۔"

"میں تو آپ سے لنچ کا پوچھنے آیا تھا۔" بہت سوچ و بچار کے بعد اسے یاد آیا تھا کہ وہ کس کام کے سلسلے میں آیا ہے۔

"لنچ ونچ سب ملے گا۔ مگر اپنے وقت پر، زیادہ بھوک کا شور مچایا تو شہر کا راستہ دکھاؤں گی۔" اس نے گویا وارننگ دی۔

"شہر کے راستے سے میں انجان نہیں ہوں۔ روز آتا جاتا ہوں، اب بھی شہر ہی جا رہا ہوں، تم نے کچھ منگوانا ہے؟" وہ اپنائیت سے پوچھ رہا تھا۔

"ہم نے کچھ نہیں منگوانا۔ اگر کچھ چاہیے ہو گا تو دہشت خان سے کہیں گے۔" کوی نے ناک چڑھا کر جتایا۔

"بہت بولتے ہو تم۔"

"مگر تم سے کم۔" وہ مزے سے بولی۔ [illegible] برآمدے میں لگی الگنی پر کپڑے پھیلانے لگا۔

"کیا کر رہے ہو؟" وہ چیخی۔

"نظر نہیں آرہا کیا؟"

"یہ چھوڑو میں کر لوں گی، ہٹو پیچھے۔" کوی چلاتی رہ گئی۔

"میں تمہاری ہیلپ کرنا چاہتا ہوں۔"

"یہاں میری ہیلپ کرنے کے لیے آئے ہو، اور کوئی کام نہیں تمہیں؟" وہ کام ختم کر چکی تھی۔ اب پھیلاوا سمیٹ رہی تھی۔ "یہ جو تمہارا کاروبار ہے نا، بس ڈوبا ہی سمجھو۔"

"بھلا کیسے؟" سرخیل خان نے مسکرا کر پوچھا۔

"اب یہ بھی میں بتاؤں۔ اگر نگرانی نہیں کرو گے تو منیجر فراڈ کر کے بھاگ جائے گا۔" کوی اسے وارن کر رہی تھی۔

"منیجر ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔" وہ اپنے گیلے ہاتھ تولیے سے پونچھ رہا تھا۔

"اب جا بھی چکو۔" کوی زچ ہو اٹھی۔

"جا رہا ہوں۔ میری آفر بھی برقرار ہے ابھی تک۔"

"کیسی آفر؟" کوی بھول بھی چکی تھی۔

"کچن کے لیے کچھ منگوانا ہے؟"

"نہیں۔" وہ رکھائی سے بولتے ہوئے خالہ کے کمرے کی طرف چل دی تھی۔

"خود ہی لے آؤں گا، اندازے سے۔" سرخیل خان زیر لب بڑبڑایا اور کچن کے سامان کی ذہن میں ترتیب دینے لگا تھا۔

☆☆☆

نہ جانے [illegible] کو اس نے [illegible] دی تھی۔ وہ سرخیل خان کے گیت گاتے نہیں تھکتی تھیں۔ [illegible] کرنے کے بعد وہ خالہ کے لیے طاقت کی دوائیں، پھل اور نہ جانے کیا کچھ اٹھا لاتا تھا۔ [illegible] دن خالہ کو اپنی گاڑی میں بٹھا کر شہر لے گیا۔ ان کا چیک اپ کروایا۔ کپڑے لے کر دیے، گرم جرسی، شال، گرم سوٹ۔ خالہ کو سیر بھی کروائی۔ نہ جانے کدھر کدھر گھماتا رہا تھا۔ کوی کی سمجھ سے یہ عنایات تو بالاتر تھیں۔ خالہ گھر آئیں تو کوی پھٹ ہی پڑی۔

"مجھ سے پوچھے بغیر کیوں اس نواب زادے کے ساتھ گئی تھیں؟"

"وہ مجھے خود ساتھ لے کر گیا تھا۔" خالہ لاپروائی سے بولیں۔ "کوی! کسی دن تم بھی شہر کو دیکھ آنا۔ ہائے، یہ اونچی اونچی عمارتیں اور دکانیں۔"

"وہ ہمیں ان احسانات کے بوجھ میں دبا لینا چاہتا ہے اور ابھی تک اس کے مقاصد واضح نہیں ہوئے۔" کوی تو اس کی آمد کے کچھ دن بعد ہی مشکوک ہو گئی تھی۔

"تو اتنا شک بھی برا ہوتا ہے۔ سرخیل خان [illegible] دل والا، نیک طبیعت بچہ ہے۔" خالہ کی [illegible] میں بھی کم کم ہی کوئی جچتا تھا۔

"خالہ! وہ ہمارے لیے ایک مہمان ہے۔ اسے مہمان ہی [illegible] بعد چلا جائے گا۔ اس سے دل کے [illegible] بیٹھ جاؤ۔" وہ کافی دیر سے خالہ کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میرے لیے اپنے پتر جیسا ہے۔"

"پتر جیسا ہے، مگر پتر نہیں۔ یہ بات تمہیں کون سمجھائے خالہ!" وہ کنستر میں آٹا ڈال رہی تھی جو خالہ کا لاڈلا لے کر آیا تھا۔

"اس مہمان خانے میں سیکڑوں آئے اور چلے گئے۔ کسی نے کب احساس اور انسانیت کا رشتہ جوڑا تھا۔ سب اپنے غموں، فکروں اور تلاش معاش کے چکروں میں خود کو بھی بھولے ہوئے تھے۔ سو میں سے کوئی ایک سرخیل خان جیسا ہوتا ہے۔" خالہ کے لبوں سے گویا شہد ٹپک رہا تھا۔ "رب سوہنا اسے لمبی حیاتی دے۔" خالہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"ہر ایک کے لیے جذباتی ہو جایا کرو خالہ!" وہ بے زاری سے ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھ گئی۔

آج سر شام ہی سرخیل خان گھر آ گیا تھا، ہاتھ میں شاپر پکڑے تھے۔ سیدھا کچن میں چلا آیا۔

"محترمہ! آج کیا پکانے کا ارادہ ہے؟"

"گوبھی گوشت پکایا ہے۔" وہ روٹیاں بنا رہی تھی، مصروف سے انداز میں بولی۔

"میرے لیے [illegible] بیکار۔" شاپر لکڑی کے میز پر رکھے خود وہ [illegible] کر بیٹھ گیا۔

"کیوں؟ آج فاقہ کرو گے؟"

"میں پاستا بناؤں گا اور تمہیں بھی کھلاؤں گا۔" شاپر میں سے مختلف چیزیں نکال کر میز پر سجانے لگا۔

"میں خالہ کو روٹی دے آؤں۔ اس کو بتانے کا کام [illegible] نہ جانے کیا کیا اٹھا کے لے آتے ہو۔" کوی نے یہاں سے اٹھ جانا ہی مناسب سمجھا۔

"خالہ کو روٹی کھلانے کی ضرورت نہیں۔ وہ بھی پاستا کھائیں گی۔" سرخیل خان نے اس کے ہاتھ سے رومال میں لپٹی روٹیاں پکڑ لیں۔

"خالہ کو الم غلم کھلانے کے بعد پھر اسپتال لے کر چل پڑنا۔"

"یہ قطعاً بے ضرر ڈش ہے۔" وہ مسکرایا۔ "آپ بھی چکھ سکتی ہیں۔"

اس نے پاستا ابال لیے۔

"شکریہ۔" کوی ابلے ہوئے پاستا کو دیگچی میں ڈال کر مکس کرنے کے بعد وہ تھالی میں نکالنے لگی۔

"اب کچھ دیر بعد چائے بھی بنا لانا۔ میں خالہ جی کے کمرے میں ہوں۔" وہ [illegible] اٹھا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"گوبھی گوشت کھاتے ہوئے ہمیں گھورنے کی کوشش مت کیجیے گا۔ آفر برقرار ہے، آپ بھی پاستا کھا سکتی ہیں۔"

"مجھے کوئی شوق نہیں۔" کوی انگیٹھی میں دہکتے کوئلے رکھ رہی تھی۔ "جی چاہ رہا ہے ایک کوئلہ تمہاری زبان پر بھی رکھ دوں۔ کچھ اور ذائقہ بھی چکھنا چاہیے تمہیں۔"

"ہماری زبان ہر قسم کے ذائقے سے آشنا ہے اور دل بھی۔ آج کل کچھ نئے انکشافات بھی رونما ہو رہے ہیں۔" وہ پھر سے مسکرایا۔

"کہاں؟" کوی نے ہونق پن سے پوچھا۔

"یہاں۔" وہ دل پر ہاتھ رکھے بڑی نرم نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اور وہ ان نگاہوں کے مفہوم سے اچھی طرح آگاہ تھی۔

"سرخیل خان! اپنی حد میں رہا کرو۔ لحاظ کرتی ہوں تمہارا، مہمان سمجھ کر۔ تم یہاں رہتے ہو اور معاوضہ دیتے ہو، ہمارے گھر کا چولہا اسی طرح جلتا ہے۔ اللہ نے روزی روٹی کے وسیلے بنا رکھے ہیں۔ غریب اور مجبور لوگوں کی بے بسی کا مذاق نہیں اڑاتے۔" کومل یک دم مشتعل ہو گئی۔

"بہ خدا آپ کو ہرٹ کرنے کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میں تو صرف اپنے احساسات شیئر کرنا چاہ رہا تھا آپ سے۔" وہ بھی پریشان سا ہو اٹھا۔

"کیا لگتی ہوں میں تمہاری، خوامخواہ میرے ساتھ بے تکلف ہونا چاہتے ہو، تم مجھے جانتے نہیں، میں ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں، ظاہری چمک دمک سے متاثر ہونے والی۔" کومل چیخ کر رہ گئی۔

"تم بہت اچھی لڑکی ہو کومل! اور میں تمہارے ساتھ دوستی، انسانیت اور ہمدردی کا تعلق نہیں بنانا چاہتا، کیونکہ میرے دل میں تمہارا الگ مقام ہے، الگ حیثیت ہے۔" وہ جو کچھ کہہ رہا تھا، سچ کہہ رہا تھا مگر اس سچائی کو کومل بختیار سمجھنے کی حدود سے بہت آگے نکل چکی تھی۔

"اپنی حد میں رہو سرخیل خان۔" وہ لال بھبھوکا چہرہ لیے کھڑی ہو گئی۔

"اور میری حد کیا ہے؟" اس کی آنکھوں میں تپش تھی۔

"وہ مہمان خانہ اور اس کا سب سے بہترین کمرہ، یہ نہ ہو کہ میں تمہیں اس گھر سے نکال دوں، سامان سمیت، شہر میں سینکڑوں گیسٹ ہاؤس ہیں، کہیں بھی قیام کر لینا۔" کومل آگ بگولا ہو اٹھی۔

"اور میں سینکڑوں ہوٹلز اور ریسٹ ہاؤس، فرنشڈ بیڈ روم چھوڑ کے یہاں کیوں آیا ہوں، کبھی سوچا ہے تم نے کومل بختیار۔" سرخیل خان کی آنکھوں میں لالی لہری ہوتی چلی گئی۔

"کیوں آئے ہو؟" وہ سر سے پیر تک برف ہو گئی تھی۔

"تمہارے لیے۔" سرخیل خان اطمینان سے بولا۔

"تم جانتے ہو میں کون ہوں۔" برف میں شگاف ہوا۔ وہ لرزتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ چیختے ہوئے بول رہی تھی۔ "میں کون ہوں، سرخیل خان!" وہ چلائی۔

"حماد خان کی بیوہ۔" سرخیل خان بدرنگ دیوار پر بنے عکس دیکھ رہا تھا۔ خیالی، ادھورے اور لاپانچ نقش۔

"اور تم کون ہو؟" کومل دہاڑی۔

"حماد خان کا اکلوتا دوست، ہم پنڈی میں آٹھ سال اکٹھے رہے ہیں، حماد خان نے تمہیں نہیں بتایا ہو گا، تمہارا اور اس کا ساتھ بہت مختصر رہا ہے، صرف تین دن اور تین راتوں پر مشتمل۔"

"تم میرے زخم کیوں ادھیڑ رہے ہو۔" وہ دم بخود تھی، ششدر تھی۔ "تم کیوں آئے ہو؟"

"میں تمہارے دل پر لگے ان زخموں کی مسیحائی کرنے آیا ہوں، مجھے غلط مت سمجھو۔"

"مجھے کسی مسیحا کی مسیحائی کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ چلائی۔

"میری بات تحمل سے سنو، یہ کچھ سال پہلے کی بات ہے، تب میں امریکہ میں اپنے بھائی کے ساتھ رہ رہا تھا، میں نے حماد خان کو خواب میں دیکھا، بار بار دیکھا اور نہ جانے کتنے ہزار بار دیکھا اور اس کا تسلسل پاکستان آنے کے بعد بھی نہیں ٹوٹا تھا۔ خواب میں مجھے ہمیشہ وہ پریشان نظر آتا تھا، بے چین، کھویا کھویا، وہ بار بار مجھے پکارتا تھا اور نہ جانے کس کی طرف اشارہ کرتا۔ پھر مجھے برف پر بیٹھی ایک لڑکی دکھائی دینے لگی۔ حماد خان پھر سے میرے قریب آجاتا تھا اور وہ برف پر بیٹھی اس لڑکی کی طرف اشارہ کرتا اور مجھے اس کی آواز سنائی دیتی تھی۔ وہ کہتا تھا اس لڑکی کا خیال رکھنا خیل خان، یہ میرا دل ہے اور میرا دل اس وقت زخم زخم ہے، میری یادوں سے۔ میں نے اس خواب کا ذکر اپنے بھائی سے کیا، گل شیر نے بڑی سنجیدگی سے میرے خواب کو سنا تھا۔ پھر اسی نے مجھے مشورہ دیا کہ مجھے حماد خان کی بیوہ اور اس کی ماں سے جا کر ملنا چاہیے۔ انہیں شاید میری ضرورت ہو اور میں یہاں آ گیا۔"

وہ خاموش ہو گیا تھا۔ اس کے لفظ لفظ سے سچائی پھوٹ رہی تھی جبکہ سامنے کھڑی کومل بختیار گویا پتھر کی ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

"سرخیل خان! او خاناں اور جاناں! اٹھو نا، اٹھ بھی جاؤ، تمہارا مہمان آیا ہے پنڈی سے۔" نگین اسے پکارتی بلکہ دہاڑتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی۔ اسے جگانے کی ناکام کوشش کے بعد [illegible] ہو گئی تھی۔

"سرخیل خان! کیا غضب کر رہے ہو۔" اس نے ہلا کر کمبل کھینچا۔ "اٹھو ورنہ یہ پانی کا جگ تمہارے اوپر انڈیل دوں گی۔"

[illegible] نیند میں دھت تھا۔

"[illegible] مہمان آیا ہے۔" نگین اسے لحاف میں لپٹے دیکھ کر دونوں ہاتھوں میں اس کے بال پکڑ کے زور سے بولی۔

"بیٹھک میں بٹھاؤ اسے، کہاں ہے سورج خان؟" وہ بھاری آواز میں بمشکل بولا۔

"سورج خان غروب ہو چکا ہے، ابا جان کے ساتھ مہمان کو بیٹھک میں بٹھایا ہے۔" نگین ابھی تک اس کے پاس کھڑی تھی۔

"کون منحوس آ گیا ہے سویرے سویرے۔" وہ غصے سے بھنایا۔ نیند پوری نہیں ہو سکی تھی، اسی لیے طبیعت سخت بیزار تھی۔ "نام نہیں پوچھا۔"

"حماد خان۔" نگین نے اطمینان سے بتایا۔

"حماد آیا ہے، تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔" وہ اسپرنگ کی طرح پلنگ سے اچھل پڑا۔

"قمیص کہاں ہے میری؟"

"رات کو اتار کر کہاں رکھی تھی۔" نگین نے کمبل تہہ کرتے ہوئے طنز کیا۔ وہ پلنگ کے نیچے، صوفوں کے نیچے اور الماری تک دیکھ آیا تھا۔

"واش روم میں لٹکی ہو گی۔"

"وہاں بھی نہیں ہے۔" وہ سوچ میں گم تھا۔

"میلی اور گندی ہو گی۔" نگین نے مشورہ دیا۔ "بلکہ تمہارا دھوبی گھاٹ ... باہر ملنا مہمان سے، کوئی پوچھتی نہ ہو تو۔"

"تم کبھی کسی کام کا مشورہ دیتی ہو، ذرا اس شلوار قمیص کو استری کر دو پھوپھو، میں دو منٹ میں آیا۔" وہ واش روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔ نگین سر ہلا کر کپڑے پریس کرنے لگی۔ ابھی صرف قمیص پریس ہوئی تھی جب وہ باہر نکل بھی آیا۔

"نگی! تو تو صرف اناج کی دشمن ہے، ایک سوٹ استری نہیں ہو سکا۔"

"دس منٹ کا کہہ کر گئے تھے۔ سات منٹ بھی نہیں ہوئے اور باہر نکل آئے ہو۔"

"صرف باتیں بنانے میں ماہر ہو، ادھر لاؤ۔" وہ قمیص جھپٹ کر پہننے لگا تھا۔

"حماد خان تمہارا وہی دوست ہے نا جس کی منگیتر بہت خوب صورت ہے۔" نگین کئی مرتبہ حماد خان سے مل چکی تھی۔ اور ظاہر یوں کر رہی تھی کہ حماد خان واقعی اس کی یادداشت کے خانے سے نکل چکا ہو۔

"مجھے خبر نہیں میں اس کی منگیتر سے کبھی ملا نہیں ہوں۔ ویسے وہ خوب صورت نہیں، بہت خوب صورت ہے۔" وہ اسے بتانا چاہ رہا تھا۔

"تمہیں تو گل بدن بھی بہت خوب صورت دکھائی دیتی ہے۔" نگین واقعی تپ گئی۔

"مقابلہ گو حسنا فی الحال ملتوی کرو اور فٹافٹ چائے بنا کر بھیجو، بلکہ خود بھی آ جانا، حماد سے اس کی منگیتر کے بارے میں پوچھنا۔ وہ اچھی طرح سے کومل کے بارے میں بتائے گا۔ تمہاری تسلی بھی ہو جائے گی۔" وہ بولتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ نگین استری کا پلگ نکال کر خود کچن کی طرف بڑھ گئی۔ جب وہ گل بدن کے ہمراہ ٹرالی گھسیٹتے بیٹھک میں پہنچی تو ان دونوں کو ایک دوسرے سے جھگڑتا پایا۔ صرف گتھم گتھا ہونے کی کسر باقی رہ گئی تھی۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟" نگین خوف زدہ ہو گئی۔
"کیا کر رہے ہیں۔" وہ دونوں ایک دم سنبھل کر بیٹھ گئے۔
"لالہ! یہ جھگڑ رہا تھا تم سے؟"
"نہیں تو ہم باتیں کر رہے تھے۔" حماد خان مصنوعی بشاشت سے مسکرایا۔
"کتنے جھوٹے ہو' تم دونوں۔" نگین جھنجلائی۔
"کس بات پر جھگڑ رہے تھے؟"
"تمہارے کان خوامخواہ بج رہے ہیں۔"
"لالہ! تم بھی جھوٹ بولنے لگے ہو؟" نگین ناراضی سے گویا ہوئی۔
"صحبت کا اثر ہے بہنا۔" حماد خان لاچاری سے بولا۔
"یہ علاج ہے تیری۔" وہ اس کے کان میں گھسا۔
"لالہ چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" نگین ان مسخروں کو دیکھ کر ہمیشہ حیران ہوتی تھی۔ پل میں تولہ' پل میں ماشہ۔
"تمہارے ہاتھ کی بدمزہ چائے پی کر میرا خودکشی کر لینے کو جی کرتا ہے۔" سرخیل خان اپنی حرکتوں پر آگیا تھا۔
"تو نہ پیو' میں تمہارے لیے لائی بھی نہیں۔" نگین کو غصہ آگیا۔ "لالہ یہ کباب 'حلوہ' پڑا۔ آپ کے لیے ہے۔ خبردار جو اس کو کچھ بھی سنگھایا۔"
"جا کر اپنا کام کرو' گماں کا ہاتھ بٹاؤ۔" سرخیل نے پڑا کباب اٹھا کر اپنی پلیٹ میں رکھ لیا۔
"تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے' اماں شہر چلی گئی ہیں' گل بدن کو بخار ہے' کھانا میں نے اور تم نے بنانا ہے۔"
"اچھا۔" سرخیل خان سوچ میں گم ہوا۔ "یہ زنانہ کام میرے نصیب میں لکھے گئے ہیں شاید۔"
"لالہ! تم کیا کھاؤ گے؟" نگین [illegible] پوچھنے لگی۔
"تم جو بھی بناؤ گی۔" حماد خان [illegible] مسکرا کر کہا۔
"ساگ اور مکئی کی روٹی کھاؤ گے لالہ؟" وہ پوچھ حماد خان سے رہی تھی اور دیکھ سرخیل خان کو رہی تھی۔ مینیو سن کر اس کے منہ کے زاویے بگڑ گئے تھے۔
"حماد ساگ اور مکئی کی روٹی کھانے پنڈی سے یہاں نہیں آیا اتنا لمبا سفر کر کے۔"
"تو پھر؟" نگین ہونق پن سے بولی۔
"اسے چائنیز فوڈ پسند ہے۔" وہ بے نیازی سے بولا۔
"لالہ کو نہیں' تمہیں یہ فوڈ پسند ہے اور آج کے مینیو میں لکڑ کراہی' مٹن کٹ' بکرے کا سینہ اور اس کی ٹانگیں شامل ہیں۔" نگین نے مزے سے ہاتھ جھاڑے۔
"اور یہ سب تم اکیلے بناؤ گی۔ میں تمہاری ہیلپ ہرگز نہیں کروں گا۔" اس نے بھی صاف جھنڈی دکھا دی۔
"کتنے بے مروت ہو تم۔"
"اور کتنی بامروت ہو تم۔ سب جانتا ہوں میں۔" وہ بھی [illegible] بولا۔
"پلاؤ کے بجائے چائنیز رائس کر لیں گے۔" نگین نے فوراً مینیو میں تبدیلی کی۔
"اس کے علاوہ۔" وہ بھنویں اچکاتے پوچھ رہا تھا۔
"سلاد تو ہو گا ہی۔" نگین نے [illegible]
"تم لوگ کس کے لیے یہ [illegible] اہتمام کر رہے ہو۔" حماد خان کو [illegible]
"تمہارے علاوہ اس وقت [illegible] خانے میں کوئی دوسرا موجود نہیں ہے۔" سرخیل خان نے جتا کر کہا۔
"میرے [illegible] اہتمام کرنے کی کیا ضرورت ہے [illegible]" [illegible] ان دونوں کو دیکھنے لگا۔
"[illegible] کھانے پینے کے معاملے میں بک بک نہیں [illegible]" سرخیل نے اسے ٹوکا۔ "جو کچھ ہم [illegible] کھائیں گے تمہیں ٹھونسنا ہی پڑے گا۔"
"اور ابھی یہ حلوہ ختم کریں پلیز!" نگین اس کے سر پر کھڑی ہو گئی۔
"شاباش! یہ کباب بھی کھاؤ۔" اسے بھی آداب میزبانی کا خیال آ ہی گیا۔ "مزا تو چکھا ہی نہیں۔"

"پہلے آپ حلوہ کھائیں گے۔ اماں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔" نگین نے پلیٹ زبردستی حماد خان کے ہاتھ میں تھمائی۔
"اور ہاں لالہ! آپ کی منگیتر کیسی ہے؟" وہ اسے گھورتے ہوئے حماد خان کی طرف متوجہ ہوئی۔
"مجھے تو بہت اچھی لگتی ہے' تم دیکھ کر بتانا۔" حماد خان نے سادگی سے جتایا۔
"لالہ! اس سے کہیں نا مجھے آپ کا گاؤں دکھا کر لائے۔ میں نے سنا ہے آپ کا گاؤں [illegible] کی طرح بہت خوب صورت ہے۔"
"تم سردیوں میں [illegible] برف باری کی طرح برستی [illegible]"
"جا کر [illegible] تمہارا [illegible] کا چسکا [illegible]"
"[illegible] نخرے کر کے پچھتاتی۔" نگین جل کر [illegible]
"اور میں نے تو بڑے شکرانے پڑھے تھے گویا۔" وہ سرخیل بولا۔ "نہ جانے کون سی گھڑی تھی جب ابا جان نے تمہیں مجھ سے منسوب کر کے ایک عظیم زیادتی کر ڈالی۔"
"تو نہ کرتے' کس نے ہاتھ جوڑ کے ترلے (منتیں) کیے تھے۔" نگین تلملائی۔
"تم تو بچپن سے ہی میرے متھے لگ گئی تھیں۔ پالنے میں لیٹی انگوٹھا چوس رہی تھی' اور میری بھولی اماں اس کی اسی چپ ادا پر قربان ہو کر اپنے گلے کی مالا سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں۔ یہ جو اس نے مالا پہن رکھی ہے نا' میری اماں نے جذبات میں آکر پہنا دی تھی اسے' اب تک پچھتاتی ہیں میری طرح۔" اسے ہمیشہ نگی کو جلا کر لطف آتا تھا۔
"میری اماں کی مجھ سے محبت تمہاری طرح ملاوٹ شدہ نہیں ہے' خبردار جو چچا چغلی بن کر اماں اور میرے درمیان اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کی۔" نگین نے وارننگ دی۔
"ایسی کوششیں تو میں اکثر کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا۔" اس نے سینہ ٹھونک کر کہا۔
"ہمیشہ منہ کی کھانی پڑتی ہے۔ اماں کا جوتا سلامت رہے اور سرخیل خان کا سر سلامت رہے۔" نگین نے صاف مذاق اڑایا۔ "لالہ کبھی اسے لالہ سے [illegible] دیکھا ہے تم نے؟"
"نہیں۔" حماد خان گہری سانس کھینچتا مسکرانے لگا۔
تب یہ لڑائیاں ان کے معمول کا حصہ تھیں۔ جو دن ان دونوں میں جھگڑے کے بغیر گزر جاتا تھا اس دن گھر والے سخت پریشان ہو اٹھتے تھے۔ ان دونوں کی باقاعدہ احوال پرسی کی جاتی تھی کہ شاید ناسازی طبع کے پیش نظر دونوں طرف امن اور خاموشی ہے۔

☆ ☆ ☆

سرخیل خان' دلاور خان کا تیسرا بیٹا تھا۔ چھوٹا ہونے کی وجہ سے کچھ لاڈلا اور بہت ہی شوخ و شنگ طبیعت میں چونچالی تھی۔ ابا جان اور اماں کی شفقتوں اور محبتوں اور ذمہ داری سے ہمیشہ کوسوں دور رکھا۔ اپنے شوق سے جتنا دل چاہا تھا پڑھ لیا' جس پڑھائی سے اچاٹ ہوا تو کتابیں اطمینان سے اسٹور روم کے صندوق میں بند کر دیں۔
نگین چچا زاد تھی۔ کزن بھی اور بچپن کی منگیتر بھی۔ سرخیل خان کی پسند اور محبت بھی۔ پوری برادری اور خاندان بھر میں اس کی محبت کے چرچے تھے۔ اماں نے ہی نگین کو پالا پوسا تھا۔ بیچ میں ظالم سماج کیسا۔ ابا جان نے ان دونوں کی باہمی رضامندی معلوم کر کے پچھلے سال دھوم دھام سے منگنی کر دی تھی۔
خیل خان چونکہ فارغ تھا تو اب گھر اور زمینوں کی دیکھ بھال کے علاوہ تیسرا کام صرف یہ تھا کہ جب بھی حماد خان سے ملنے کو طبیعت مچلنے لگتی' وہ گاڑی بھگاتا اور پنڈی ہاسٹل پہنچ جاتا تھا۔ جہاں حماد خان کا فی الحال قیام تھا۔
اور آج شام بھی نگین سے مزے دار سی جھڑپ کے بعد اس نے رخت سفر باندھ لیا۔

"کہاں منہ اٹھا کر بھاگے جا رہے ہو۔" نگین اس کی تیاریوں سے اندازہ تو لگا چکی تھی مگر عادتاً تفتیش کرنا ضروری سمجھا۔

"منہ تمہارے پاس رکھ جاتا ہوں۔ پھر خوش ہو جاؤ گی۔" وہ بیگ میں کپڑے ٹھونس رہا تھا۔

"اس سڑی ہوئی مسکراہٹ والے منہ کو میں نے کیا کرنا ہے۔ اپنا دل دے جاؤ۔ سنبھال کر رکھوں گی اپنے پاس' خواہ مخواہ شہر کی ماڈرن لڑکیوں کو دیکھ کر پھسل پھسل جاتا ہے۔" نگین نے ہاتھ میں پکڑا امرود پوری رفتار سے کھانا اور چبانا شروع کیا۔

"میری آنکھوں پر تو پورے کالج کی لڑکیاں فدا تھیں۔" اس نے خواہ مخواہ کالر کھڑے کیے۔

"شکر کرو کوئی نوچ کر نہیں لے گئی۔"

"حماد خان جیسے یار ہوں تو کس کی جرأت ہے' کوئی ایسی جسارت کرے۔" وہ اترایا۔

"لالہ سے ملنے جا رہے ہو؟"

"ہاں۔ تم کیا سمجھی تھیں کہ ڈیٹ پر جا رہا ہوں۔"

"لالہ کو میرا اسلام دینا۔" نگین نے سنجیدگی سے یاد دہانی کروائی۔ "ویسے ابھی پچھلے ہفتے تو تم پنڈی گئے تھے خاناں! تم دونوں کی محبت بھی نرالی ہے۔"

"بہت ہی نرالی ہے' عجیب و غریب قسم کی۔ کبھی حماد خان مجھے خواب میں پریشان دکھتا ہے اور بھاگا چلا آتا ہے میرا دیدار کرنے' کبھی میں اسے خواب میں فکر مند دکھتا ہوں اور پنڈی کی دوڑ لگا دیتا ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔ نگین سے ہر بات شیئر کیے بغیر گزارہ بھی کہاں ہوتا تھا اس کا۔

"تم نے پھر کوئی خواب دیکھا ہے؟"

"ہاں۔" اس نے بیگ کی زپ بند کی۔ "مجھے لگتا ہے وہ کچھ پریشان ہے۔"

"لالہ نے تم سے اپنی پریشانی شیئر نہیں کی؟"

"ملاقات ہو گی تو پتا چلے گا نا۔" اب وہ جاگرز پہن رہا تھا۔

"اور تم آؤ گے کب؟" نگین بے چین سی ہو گئی۔

"ہفتہ بعد۔"

"چل جھوٹے' تو ہفتہ بعد بھی نہ آیا۔" وہ چہکی۔

"تم شکرانے پڑھنا' بلا ٹل گئی۔"

"خیل خان! سفر پر جاتے ہوئے اچھی بات منہ سے نکالا کرو۔" نگی ناراضی سے سمجھانے لگی۔

"اچھا سیانی بی! آئندہ احتیاط کروں گا۔" اس نے نگی کے سر پر چپت لگائی۔ "ویسے تیری دعا کے حصار میں رہتا ہوں پھر ڈر کیسا؟"

"جاؤ' اللہ کی امان میں دیا۔" نگی نے آنکھ کی نمی سر جھکا کر چھپائی۔ "ارے نگی! تو رو رہی ہے۔" وہ چیخا۔ "اوپر دیکھ۔" اس نے زبردستی اس کا منہ دونوں ہاتھوں کے پیالے میں تھام کر اونچا کیا۔

"وجہ تو نہیں پوچھوں گا' جانتا ہوں' میری دوڑیں پنڈی تک لگتی رہیں گی' نگی ہمیشہ جی ہی جی میں تلملاتی رہے گی' آنسو بھی بہائے گی مگر مجھے منع نہیں کرے گی۔"

"ہاں' تو منع کروں بھی کیسے' کون سا کسی سوکن سے ملنے جاتے ہو' ایک ہی تو تمہارا یار ہے' اس کے اور تمہارے بیچ ظالم سماج کیوں بنوں' اچھے اور سمجھدار دوست قسمت سے ملتے ہیں۔" نگی نے تو نہ جانے کس رو میں کہا تھا۔ مگر وقت نے اس دوستی محبت اور وفاداری کو کیسے ثابت کیا تھا کہ وقت تک ششدر رہ گیا تھا۔ محبت اور دوستی کی مدتوں یاد رہنے والی داستان کے انجام کو دیکھ کر۔

"عقل مند ہوتی جا رہی ہو [illegible] یاور خان۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

"عقل [illegible] ایک شاطر آدمی سے پالا جو پڑا ہے۔" [illegible]

✿ ✿ ✿

"سعدیہ' او حماد خان' کس کے خیالوں میں گم ہو؟" وہ تیسری مرتبہ رسوئی میں سے باہر نکلی تھی اور وہ ابھی تک سابقہ پوزیشن میں بیٹھا نہ جانے کس گہری سوچ میں مبتلا تھا۔

"تیرے علاوہ کسی اور کو سوچنا بھی گناہ ہے' پھر بھی ٹھک ٹھک رہتی ہو۔" وہ بے دلی سے مسکرایا۔

"باتوں سے مجھے نہیں بہلا سکتے' تم بتاؤ کیا پریشانی ہے؟" کومل کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔ بے حد سنجیدہ' خاموش طبع اس کی خالہ کا اکلوتا بیٹا چھوٹی عمر میں ہی ذمہ داریوں کے بوجھ میں دب کر رہ گیا تھا۔

"تمہیں نہیں بتاؤں گا تو اور کون ہے میرا دکھ سننے والا۔" وہ اداس آنکھوں سے مسکرایا۔

"تو پھر بتاؤ۔" کومل اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"ایسے تھوڑی بتاؤں گا' پہلے گرم [illegible]"

"پورے لشکری بن بیٹھے [illegible]" کومل مسکرا کر اٹھ گئی۔ [illegible] اس کے پیچھے رسوئی میں چلا آیا۔

"وہ خان [illegible] یار! بس اسی نے عادی بنا دیا ہے [illegible]"

"[illegible] بتا رہے تھے؟" وہ چائے کا پانی چولہے پر چڑھا کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اماں کو دوا دے دی؟"

"ہاں۔ خالہ سو چکی ہیں۔ تم کم از کم مل تو لیتے ان سے' اب وہ اٹھیں گی جب تو تم سو چکے ہو گے۔" کومل پتی کا ڈبہ اٹھاتے ہوئے بولی۔

"میں اماں سے مل کر سوؤں گا۔"

"واپسی کب تک ہے؟" وہ لکڑی کے پرانے ورڈ رائب کے شوکیس سے کپ نکال رہی تھی۔

"فجر کی پہلی اذان کے ساتھ ہی نکلوں گا۔"

"کل سویرے؟" کومل ٹھٹک گئی۔

"نہیں' پرسوں سویرے۔"

"تم نے مجھے ڈرا دیا' ہوا کے گھوڑے پر سوار آتے ہو۔ شکل دکھائی اور بھاگ گئے' دو گھڑی بات کرنے کا بھی وقت نہیں تمہارے پاس۔"

"تھوڑا سا اور انتظار کر لو' پھر فرصت ہی فرصت ہو گی' اچھے دن آئیں گے' زندگی سے تھکن اور مشقت ختم ہو جائے گی ایک روز' میں' اماں اور تم۔" وہ روشن آنکھوں سے مسکرا دیا۔ "اتنی باتیں جمع ہیں یہاں بھی' اور اس دل میں تیرے لیے پیار کے طوفان کے جھکڑ چل رہے ہیں۔ بس کومل! تھوڑا سا اور انتظار کر لو۔"

"کتنا انتظار؟" کومل دھیمے سُروں سے مسکرائی۔

"یہی' چار سال۔"

"توبہ ہے' مار کھانی ہے کیا؟ وہ تمہارے پکے پرچوں (فائنل ایگزامز) تک کے دن گن گن کر گزار رہی ہیں۔" اس نے چائے چھان کر کپ میں ڈالی۔

"خالہ سے زیادہ بھانجی بے چین لگتی ہے۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

"یہ ہی سمجھ لو۔" اس کے ہونٹوں پر گلاب کھلنے لگے۔

"اتنی محبت کرتی ہو۔"

"جو میرے دل میں تمہارے لیے جذبہ ہے نا' اس کے لیے لفظ محبت بہت چھوٹا ہے۔"

"ہمیشہ ایسی محبت تمہارا دل میرے لیے محسوس کرتا رہے گا؟" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں۔" یقین کی خوشبو لہجے سے عیاں تھی۔

"اگر میں نہ رہا تو؟" وہ سراسر مذاق کر رہا تھا۔

"حماد خان!" کومل یکدم چیخی۔ "فضول بکواس کرنی ہے تو اٹھ کر باہر نکل جاؤ۔"

"سوری یار!" اس نے فوراً معذرت کی۔ "مان گیا آج تو' کومل بختیار کے دل میں میرے لیے کیا کچھ موجود ہے۔"

"کیا کچھ موجود ہے۔" اس نے ناراضی سے پوچھا۔

"وہ سب جو میں سننا چاہتا تھا۔"

"چائے کا کپ اٹھاؤ' اور بھاگو یہاں سے۔" وہ مصنوعی ناراضی سے بولی۔

"تم سے کچھ شیئر کرنا تھا۔" اسے اچانک خیال آیا تو مسکراہٹ پھر سے مٹ گئی۔

"بتا بھی چکو۔" کومل الجھنے لگی تھی۔ "نہ جانے کس سوچ میں ڈوب جاتے ہو گھڑی گھڑی۔"

"مجھے اسکالر شپ کے لیے اپلائی کرنا ہے' مجھے امید ہے' میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گا۔ کیا تم چند سالوں کے لیے باہر جانے دو گی؟"

"باہر کہاں؟" اس کے ہاتھ سے چھری اور آلو گر گیا۔

"لندن۔"

"حماد خان!" کومل ٹھٹک گئی۔ "یہ تو کمٹ منٹ کا حصہ نہیں تھا۔" وہ رو دینے کو تھی۔ اتنی لمبی جدائی کا تو اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

"باہر سے ڈگری لاؤں گا تو اچھی نوکری ملے گی۔ ہمارے حالات بدل جائیں گے۔" اس نے کومل کے لرزیدہ ہاتھوں کو اپنے گرم ہاتھوں میں لے کر دبایا۔ "میں تمہیں زندگی کی ہر سہولت مہیا کرنا چاہتا ہوں۔ وہ سب کچھ جس کی تمنا ہر لڑکی کو ہوتی ہے۔"

"مگر میری تمناؤں کا دائرہ اتنا وسیع نہیں ہے حماد خان! میری تمنا صرف تم ہو۔" کومل کی آنکھ سے ایک آنسو ٹوٹ کر گر پڑا۔ "مجھے بہت زیادہ کی چاہ تو کبھی نہیں رہی نہ مجھے نہ تمہاری بوڑھی بیمار اماں کو۔"

"ہم کب تک معمولی چیزوں کے لیے ترسیں گے۔ تم دیکھ لینا کومل! میں یہاں اس گیسٹ ہاؤس کو ایک نیا روپ دوں گا۔ یہاں ایک بہت اچھی عمارت تعمیر کرواؤں گا۔"

"میں تمہیں پردیس جانے نہیں دوں گی۔ جو کچھ کرنا ہے یہیں رہ کر کرو ہماری آنکھوں کے سامنے۔" کومل کا انداز دوٹوک تھا۔

"یہاں رہ کر بھلا میں کیا کر سکوں گا۔ بہت زیادہ سرمائے کی ضرورت ہے مجھے اپنا کاروبار کرنا ہے۔"

"ہم تھوڑے میں گزارہ کرلیں گے۔" وہ اپنی بات پر اڑی رہی۔

"صرف کہنے کی باتیں ہیں، جب شادی ہوگی، خاندان بڑھے گا پھر ضروریات کا پتا چلے گا۔"

"میں خالہ کو بتا رہی ہوں۔" وہ غصے سے دھپ دھپ کرتی اٹھ گئی۔

"کومل! او کومل! یار! ابھی نہ بتانا۔" حماد خان بھی اس کے پیچھے دوڑا چلا گیا۔

"خالہ! سمجھاؤ اپنے اس [illegible] ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔" وہ دھاڑ سے دروازہ کھولے اندر داخل ہوئی۔ خالہ نیند پوری کر چکی تھیں۔ عینک تلاش کر رہی تھیں اسے دیکھ کر حیران ہوئیں۔

"کہاں جا رہا ہے؟ اس وخت کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ باہر نکلے تو ٹانگیں توڑ دوں گی۔" خالہ نہ جانے کیا سمجھی تھیں۔

"خالہ! یہ انگریزوں کے ملک جا رہا ہے۔"

"اس وخت (وقت)" خالہ نے دل تھام لیا۔

"حماد! یہ میں کیا سن رہی ہوں؟"

"اماں! پڑھنے کے لیے جانا چاہتا ہوں، اگر آپ دونوں معزز خواتین اجازت دیں گی تب۔" وہ روہانسا ہوگیا تھا کہ دونوں طرف سے توپوں کے منہ کھل گئے تھے۔

"میری طرف سے صاف انکار ہے۔" خالہ آگ بگولہ ہو گئیں۔

"اور میری طرف سے بھی۔" اس نے بھی اعلان کیا۔

"تو وہاں میموں سے دل لگانے اتنا پاگل سمجھ رکھا ہے مجھے۔" خالہ کی دور اندیشی کی کومل دل سے قائل ہوگئی۔

"اور کیا! آپ نے ٹھیک کہا خالہ!"

"اماں! ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔"

"تیرے پاس کیا ضمانت ہے [illegible] ہیں، دعوے کرنے والے [illegible] ہو گئیں۔ "یہ تو نے سوچا بھی کیا [illegible]"

"اماں! آپ [illegible] کے لیے۔"

"[illegible] بہتر زندگی کی رہے ہیں۔ اور بہتری [illegible] چاہیے، اپنے چمن جیسے پتر کو پردیس بھیج دوں [illegible] ہیں، ہم سے لگ گئی تو پھر کیا ہوگا۔" خالہ کی [illegible] جا تھی۔

"اماں! ایسیں اب پاکستانیوں کی باتوں میں نہیں آئیں۔" وہ زچ ہو اٹھا۔ "میں صرف پڑھنے کے لیے جانا چاہتا ہوں۔"

"اودھر کالج، اسکول ختم ہو گئے ہیں۔ سولہ جماعتیں پاس کر لی ہیں، اور کتنی جماعتیں پڑھنی ہے، کیا [illegible]ویں اور اٹھارویں جماعت کا اسکول نہیں ہے [illegible]؟" خالہ نے سادگی سے پوچھا۔

"نہیں اماں۔" اس نے مختصر کہا۔ اب اٹھارویں اور ستارہویں جماعت کی بھلا کیا تشریح کرتا۔ اماں تو اس کی کھال اتارنے بیٹھ جاتی تھیں۔

"پتر! سولہ جماعتیں کافی ہیں۔ کیوں کومل پتر! میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔" خالہ نے کومل سے بھی [illegible] چاہی تھی۔ اس نے شدت سے اثبات میں سر ہلایا۔

"جی خالہ!"

"دیکھ حماد! ان بوڑھی آنکھوں [illegible] مجھ میں انتظار کا دم نہیں [illegible] آبدیدہ ہو گئیں۔

"اماں! میں تو [illegible] کرنا چاہتا ہوں۔ اگر اللہ کو منظور ہوا تو میری خواہش پوری ہو جائے گی۔" وہ بے دلی سے بولا۔ [illegible] دونوں کو بھلا کیا پتا تھا۔ جدائیاں تو [illegible] ہیں۔ مگر مجبوریاں اور رزق نہ [illegible] باندھے لے جاتا ہے۔

"[illegible] میں نے کہہ دیا ہے کہ تو کہیں بھی نہیں جا رہا۔" خالہ ضدی لہجے میں گویا ہوئیں۔

"اگر شادی کرکے جاؤں تو پھر؟" اس نے اچانک اک انوکھی بات کہہ دی تھی۔ لمحہ بھر کو دونوں ہی خاموش ہو گئیں۔

"کیا ممکن ہے؟" خالہ نے خوشی سے لرزیدہ آواز میں کہا تھا۔ کومل خاموش تھی بھلا وہ اس موضوع پر کیا بولتی۔ شرم سے زبان تالو سے چپک گئی تھی۔

"نا ممکن بھلا کیا ہے؟" وہ مسکرایا۔

"تو نے میرے من کی بات کہی ہے پتر!" خالہ کو بیٹے پر ٹوٹ کے پیار آگیا۔

"اور آپ کے من میں کیا کھچڑی پک رہی ہے، کچھ بولے نا، خاموش کیوں ہو گئیں لب، ابھی تو تڑ تڑ جواب دیے جا رہی تھیں۔" حماد خان کو اسے ستانے میں خوب مزہ آنے لگا تھا۔ "اپنی رائے کا اظہار کیجیے آپ کی مرضی بھی بہت اہمیت رکھتی ہے۔"

"خالہ کے سامنے کیا بولوں؟" کومل نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"یہ ہی کہ میں [illegible] کروانا چاہتی ہوں۔" وہ آنکھوں میں شرارت لیے مسکرا رہا تھا۔

"بکو نہیں [illegible]"

"[illegible] نہیں مان رہی۔ مجھے آنکھیں دکھا رہی ہے [illegible] آپ کو سمجھاؤں، دو، چار سال ٹھہر جائے۔" وہ اسے ستا رہا تھا۔

"کومل پتر! بدشگونی کی بات مت کرو۔ خیر سے اتنے طویل عرصے بعد اس آنگن میں خوشی اترے گی۔ پھر حماد باہر چلا جائے گا۔ میرے پاس تم ہوگی۔ تم دونوں کے بچے ہوں گے۔ وخت گزرتے پتا بھی نہیں چلے گا۔" خالہ مستقبل کی پلاننگ میں مصروف ہو گئی تھیں۔ حماد خان اسے میٹھی نظروں سے دیکھتا اماں کی طرف متوجہ ہوا۔

"پیاری اماں! بچوں کی آمد تک تو میں نہیں رکوں گا۔"

"کیا مطلب ہے تیرا۔" خالہ کو غصہ آگیا۔

"مطلب مجھے تو جلد ہی جانا ہوگا۔"

"پھر بھی کب؟" دونوں کی آنکھوں میں سوال اتر آئے۔

"یہ ہی تین، چار ماہ بعد۔"

"پتر! شادی کی تیاری نہیں کرنی کیا؟" خالہ تو پریشان ہو اٹھیں۔ "برادری کو روٹی کھلاؤں گی، دھوم دھڑکا کروں گی۔"

"اماں! دو، چار مہینے کم تو نہیں۔"

"سب کچھ تم نے اور کومل نے ہی کرنا ہے۔ میرے تو ہاتھ ابھی سے پھولنے لگے ہیں۔" وہ سچ مچ بوکھلا گئی تھیں۔

"سب کچھ ہوگا اماں! آپ فکر نہ کریں۔ کیوں کومل صاحبہ!" حماد خان بڑی دلکشی سے مسکرایا۔

"مجھے کیا پتا؟" کومل جز بز سی بولی۔

"پتر! شادی کا سرخ جوڑا خریدنا شہر سے لے کر آنا، آج کل کے فیشن کے مطابق۔" خالہ کی آنکھوں میں ستارے جھلملانے لگے۔

"اماں! آپ ساتھ چلنا اپنی پسند سے خریدنا۔" خود بخود گفتگو کا موضوع بدل گیا تھا۔

"نہ پتر! کوی کو ساتھ لے جانا جس نے پہننا ہے' وہ خود ہی خریدے گی گورا رنگ ہو تو لال رنگ بڑا ہی اٹھتا ہے۔" خالہ تصور کی آنکھ سے شاید کوی کو دلہن بنا دیکھ رہی تھیں۔

"بس سرخ جوڑا ڈن ہوا' کیوں کوی!" وہ اسے شوکے دیے جا رہا تھا۔

"انسان بن جاؤ حماد ے!" اس نے دانت پیسے۔

"زیادہ چھچھورے مت بنو۔"

"اماں! یہ کوی کچھ کہہ رہی ہے۔" وہ اسے جی بھر کے آج ستانا چاہتا تھا۔

"کیا؟"

"خود پوچھیں۔" بنا دامن اس نے صاف بچالیا۔

"کوی! کیا بات ہے' لال جوڑا نہ سہی' جو مرضی خرید لینا۔" خالہ نے پچکار کر کہا۔ ان کا خیال تھا کوی کو لال رنگ بھا نہیں رہا۔

"خالہ! سرخ رنگ ہی اچھا ہے۔" اس نے پھر سے دانت پیسے۔

"تو پھر؟" خالہ حیران ہوئیں۔

"اماں! آپ کی ہونے والی بہو اور حالیہ بھانجی کہہ رہی ہے کہ زیور کتنے نہیں دیں گی کیا؟"

"میں نے کب کہا۔" کوی چیخ پڑی۔

"ابھی میرے کان میں کہا ہے۔"

"خالہ! جھوٹ بول رہا ہے یہ۔" وہ چلائی۔

"یہ چلانا' دہاڑنا' ذرا کم کرو' گلے میں خراشیں پڑ جائیں گی۔" حماد خان نے ایک مخلصانہ مشورہ دینا چاہا۔

"اور تم نے جھوٹ بولنا اور غلط بیان کب سے جاری کرنا شروع کر دیے ہیں۔"

"سیاست والوں کے پتر! میرے سے بات کر' بیچ کے کان میں کیوں گھس رہا ہے۔" خالہ نے مسکرا کر کہا۔ اس کی گھسر پھسر ان کے کانوں تک پہنچ نہیں پا رہی تھی۔

"اس کا رویہ چیک کر رہا تھا۔" وہ گڑبڑایا۔

"تو نے حکمت کا علم کب سے سیکھا؟"

"ابھی دس منٹ پہلے۔" وہ ہنسا۔

"مخول نہ کر میرے ساتھ۔" انھوں نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔

"تو پھر کس کے ساتھ مخول کروں؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"کل سے بالیوں بٹھاؤں گی اسے۔" خالہ نے بٹاخہ چھوڑا۔

"تین ماہ پہلے ہی۔" کوی چیخ اٹھی۔ "خالہ! گھر میں بند کر کے مجھے زنگ لگتا ہے' مٹی جم جائے گی مجھ پر اور میرے اسکول کے بچے۔"

"بھاڑ میں گئے بچے' مفت خورے' وہ وخت (وقت) دماغ چاٹتے ہیں تیرا۔ آجاتے ہیں سہ پہر کے وخت بھی بستے بغل میں دبا کر۔" خالہ بھنا کر بولیں۔

"اماں! آپ کی بھانجی علم بانٹتی ہے' یہ بھی صدقہ جاریہ ہے۔"

"ارے بھوسہ بھرا ہے' ان کے دماغوں میں' یہ خوامخواہ کھوپڑی کھپاتی ہے۔" خالہ سہ پہر میں آنے والے بچوں سے سخت بے زار تھیں۔ صرف [illegible] ہے کہ ان کو کھینچی دینے کے بجائے کوی بچوں کو پڑھانے بیٹھ جاتی تھی۔

"اماں! زیور اور گہنوں [illegible]" وہ انہیں پھر سے موضوع کی طرف لے آیا۔

"وہ کنگن اور [illegible] سونے کا سیٹ چڑھاؤں گی۔" خالہ خوشی [illegible]

"[illegible] کنگن اور سونے کا سیٹ کہاں چھپا رکھا تھا؟" اس نے [illegible] سے اماں سے پوچھنا چاہا۔

"اچھے وختوں (وقتوں) میں بنوا کر رکھے تھے' برے وخت میں بھی بیچنے کو دل نہیں چاہا تھا۔ سوچا کوی کے کام آئیں گے۔" اماں ماضی کے کسی لمحے میں کھو گئیں۔

"بچپن سے ہی آپ کوی کو بہو بنانے کے خواب دیکھ رہی ہیں اماں!" وہ کوی کو الجھتا دیکھ کر اس کا بازو پکڑ کر

[illegible] کرتے ہوئے بولا۔ "کہاں جا رہی ہو؟"

"چولہا جلانے۔"

"کام تو تیلی کا ہے۔ مگر ابھی میری بات مکمل نہیں ہوئی۔" وہ اس کا ہاتھ دباتے ہوئے بولا۔ "جا کہاں رہی ہو' ابھی تو ولیمے کے ڈریس کو ڈسکس کرنا ہے۔"

اس نے پھر سے کوی کو چھیڑا۔

"کیا کرتا ہے پتر!" خالہ نے ناسمجھی کے عالم میں بیٹے کی طرف دیکھا۔

"اماں! ولیمہ کے جوڑے کی بات کر رہا [illegible] ہونا چاہیے؟"

"تم دونوں آپس میں صلاح [illegible] انھوں نے کھلے دل سے اجازت [illegible]"

"دیکھ لو' میری اماں [illegible]" وہ مسکرایا۔ "اب [illegible] کے روز کیا پہنو گی۔"

"جا چلا جا [illegible] نہیں رہے' وہ شرما رہی ہے۔" خالہ کو اس [illegible] حالت پر ترس آگیا۔ "کوی! آئین [illegible] کی چائے کے ساتھ گڑ کی مٹھائی لے کر [illegible]" انھوں نے بیٹے کی شوخ نظروں سے کوی کو بچانا [illegible]

"آج میری اماں اس خوشی کے موقع پر جی بھر کے بدپرہیزی کرنا چاہتی ہیں۔" حماد خان ناراضی سے جتاتے ہوئے بولا تھا۔

"تمہاری شادی کے بعد سے پرہیز شروع کروں گی۔" وہ بیٹے اور بھانجی دونوں کو بیک وقت تسلی دے رہی تھیں اور وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیے۔

☆ ☆ ☆

دھرتی کے پیٹ سے ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ پھوٹتا تھا۔ جس کا شفاف پانی ندی میں جا گرتا۔ بستی کے اکثر لوگ یہی پانی پینے کے لیے استعمال کرتے تھے۔

وہ اسکول سے واپسی پر دہشت خان کے گھر چلی گئی تھی۔ اس کی ماں بیمار تھی۔ حکیم کی دوائی سے افاقہ نہیں ہوا تھا۔ شہر لے جانے کی طاقت دہشت خان کے باپ میں کہاں تھی۔ اپنی استطاعت کے مطابق علاج معالجہ کروا رہا تھا۔ اس کا دل بہت برا ہو رہا تھا نہ جانے کیوں' اور وہ سوچ رہی تھی کہ اس بستی میں ایک معالج کا ہونا کس قدر ناگزیر تھا۔ نہ معالج تھا' نہ اچھی دوا' کئی زندگیوں کو سسک سسک کر دم ہی توڑنا تھا۔

وہ گھر جانے کے بجائے ندی کے کنارے اپنے مخصوص پتھر پر بیٹھ گئی تھی۔ چھوٹے چھوٹے کنکر پانی میں پھینکتے ہوئے اسے پتا ہی نہیں چلا تھا کہ کب دبے قدموں سے حماد خان چلا آیا ہے۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم اسی جگہ پر بیٹھی کسی سوچ میں گم ہو گی۔ کیا سوچا جا رہا ہے؟" وہ اس کے قریب دھم سے بیٹھ گیا۔

"تم کب آئے ہو؟" غیر متوقع حماد خان کو دیکھ کر اس کی آنکھیں ستاروں کی طرح چمکنے لگیں۔

"ابھی کچھ دیر پہلے۔" وہ اپنے ہاتھ میں دبا سیب کوی کو تھماتے ہوئے بولا۔ "گھر نہیں چلنا کیا؟"

"یہاں کچھ دیر بیٹھنا چاہتی ہوں۔" اس کا انداز پرسوچ تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" وہ نرمی سے پوچھنے لگا۔

"اس بستی میں کوئی ڈاکٹر نہیں آسکتا۔"

"کتنے ڈاکٹر آئے اور گئے' کمبخت ٹکتے نہیں۔" وہ کوی کی سنجیدگی کی وجہ سمجھ کر سر ہلاتے ہوئے بولا تھا۔

"مستقل انتظام نہیں ہو سکتا۔ زکام اور بخار کی دوا لینے کے لیے اتنی دور جانا پڑتا ہے۔ زچہ بچہ کے علاج کی کوئی سہولت نہیں۔ زچگی کے دوران کئی عورتیں جاں بحق ہو جاتی ہیں۔ بچے پیدائشی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور مرض کی تشخیص کرنے والا کوئی نہیں۔" کوی کے لہجے میں بے پناہ تھکن تھی۔

"میں خان سے بات کروں گا' اس کے پاس یقیناً کوئی حل ضرور ہو گا۔" حماد خان نے اپنے دوست کا نام لیا تھا شاید' وہ سن نہیں سکی تھی' اس کا دھیان دہشت خان کی بیماری میں اٹکا ہوا تھا۔

"تم نے بتایا نہیں' کیسے اچانک آنا ہوا؟"

"گھر جاؤ گی تو خود بخود پتا چل جائے گا۔" وہ مسکرایا۔
"ایک سرپرائز ہے تمہارے لیے۔"
"کیا لائے ہو؟"
"خود دیکھ لینا۔" وہ اس کے تجسس کو ہوا دینا چاہتا تھا۔
"بتاؤ۔"
"ہرگز نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔
"کیا ہو سکتا ہے؟" وہ سوچنے لگی۔ "نکاح کا جوڑا لائے ہو؟" کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
"ہاں۔ کچھ اور بھی ہے۔" اس نے "بھی" پر خاصا زور دیا تھا۔
"کیا؟" وہ تجسس سی کھڑی ہو گئی۔ دونوں دس منٹ کا فاصلہ پچیس منٹ میں طے کر کے آئے تھے۔ باتوں اور چٹکلوں کے دوران' حالانکہ حماد خان بہت کم گو تھا اور کومل ذرا سخت مزاج رکھتی تھی مگر حماد خان کے لیے اس کے دل میں اور لفظوں میں نرمی ہی نرمی تھی۔ بڑی عجیب سی محبت دونوں کے درمیان پروان چڑھی تھی۔ کبھی اظہار کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ خوشبو کی طرح' کچھ کہتی' بولتی' سنتی اور احساس دلاتی محبت۔
"میرے ساتھ آؤ۔" وہ خالہ کے کمرے کی طرف بڑھنے لگی تھی' جب حماد خان اس کا ہاتھ پکڑے ایک دوسرے کمرے کی طرف لے آیا۔
"یہ کیا ہے؟" کومل حیران سی دیکھتی رہ گئی۔ چمکتا دمکتا فرنیچر' ڈریسنگ ٹیبل' شیشے کا نفیس ریک' لکڑی کی دیدہ زیب الماری' منقش پلنگ' صوفہ۔
"حماد خان! اس کی بھلا کیا ضرورت تھی۔" وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔ "اتنا خرچہ کر دیا۔ یہ پیسے بچا کر رکھتے۔"
"تمہیں میرا سرپرائز پسند نہیں آیا؟" وہ بددل سا ہو کر پوچھنے لگا۔
"بہت اچھا ہے' نیا نیا اور انوکھا۔ میں صرف کہنا چاہ رہی ہوں' یہ [illegible] میں تمہارے کام [illegible] آ جاتے۔"
"پردیس جانے کی اجازت دے دو گی؟" حماد خان نے چمکتی آنکھوں سے کومل کے چہرے پر بکھرے رنگ دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"دل نہیں مانتا مگر میں تمہاری ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنوں گی۔"
"میں جلد لوٹ آؤں گا۔"
"اور ہم انتظار ہی کر سکتے ہیں' مجھے تو پہلے سے ہی خبر تھی' مجھے اور خالہ کو تنہا ہی رہنا ہے۔" کیسی قبولیت کی گھڑی تھی جب یہ منحوس الفاظ انجانے میں اس کے منہ سے پھسلے تھے۔
"میرے دل کا کچھ تو خیال کرو' خواہ مخواہ برا ہو رہا ہے' مجھے خوشی خوشی رخصت کرنا ہے' پردیس جا رہا ہوں' دنیا سے نہیں۔" وہ ناراضی سے گویا ہوا۔
"اللہ نہ کرے۔" کومل دہل گئی۔ "فضول باتیں نہ کیا کرو۔"
"چلو یہ بات کا موڈ ہے تو چلاؤ' ورنہ مسافر تو چلا۔"
"ایک شرط پہ۔ کل کا دن ہمیں گزارو گے۔"
"توبہ' تم نے تو ڈرا دیا تھا۔ میں نے سمجھا جانے کیا ارشاد جاری کرو گی۔" وہ دہل سا گیا۔
"ورلڈ [illegible] کرو۔" کومل [illegible] دوست بنا لیے ہیں پہلے تو [illegible]
"ایک ہی دوست ہے [illegible] جو پیار کرتا ہے' مجھ سے جانتی ہو [illegible] میرا ایکسیڈنٹ ہوا تھا تو اسی نے مجھے خون دیا تھا۔ اس کا خون میری رگوں میں زندہ [illegible]"
"[illegible] ہے تمہارے اس دوست کے لیے [illegible] دعا نکلتی ہے' خالہ تو اٹھتے بیٹھتے اسے دعائیں دیتی ہیں۔ بڑا احسان ہے تمہارے دوست کا' تم پر بھی اور ہم پر بھی۔" کومل نے سادگی سے کہا۔ وہ ایک ایک چیز کو ہاتھ سے چھو کر دیکھ رہی تھی۔
"حماد خان! یوں لگتا ہے میں خواب کے سفر میں ہوں۔ دعا کیا کرو' یہ حسین سپنا کبھی نہ ٹوٹے۔"
"خواب کے اس سفر میں' حماد خان ہمراہ ہے یا

نہیں۔" وہ شرارت سے پوچھ رہا تھا۔
"بکواس نہ کیا کرو۔" کومل ناراض سی دھپ دھپ کرتی باہر نکل گئی۔
"میرے بغیر زندگی کے رنگ پھیکے ہیں کیا؟" وہ بھی اس کے پیچھے ہی آ دھمکا تھا۔ گھر میں ہوتا تو کومل کے پیچھے پیچھے رہتا' باہر نکلتا تب بھی دھیان ادھر ہی اٹکا رہتا۔
"تو اور کیا۔"
"اتنی محبت کرتی ہو مجھ سے۔"
"یہ سوال نہ پوچھا کرو۔" [illegible] چہرے پر گہری [illegible] "[illegible] دامن پکڑا ہے' تمہارے [illegible] اور اس کے علاوہ کسی اور کی تمنا [illegible] نہیں کی۔ تمہارے شوق کے [illegible] میں باہر جانے کی اجازت دے رہی ہوں [illegible]" وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے ضبط کے [illegible] کر رہی تھی۔
"تمہیں کون سا خوف لاحق ہے؟ کیا یہ ہے کہ میں لوٹ کر نہیں آؤں گا؟" حماد خان اس کے قریب کھڑا پوچھ رہا تھا۔ فاصلہ صرف دو قدم کا تھا اور لمبی جدائی بھی پاس کھڑی مسکرا رہی تھی۔
"نہیں۔ مجھے خوف ہے تو تم سے بچھڑنے کا' پتا نہیں' دل اس قدر بجھا بجھا کیوں ہے۔" کومل اپنے احساسات بتانے سے قاصر تھی۔
"دل کو وہموں سے پاک کر لو۔" وہ روشن آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔
"یہ دل اور اس کی صدائیں مجھے پاگل کر دیں گی۔ پوری خوشی تو جانے میرے نصیب میں لکھی ہے یا نہیں۔" کومل لب کاٹتی کہہ رہی تھی اور جو وہ کہہ رہی تھی' وقت اسے سرخ روشنائی کے ساتھ رقم کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"اماں! میری شادی کا ارادہ ہے بھی یا نہیں' منگنی پر ہی ٹرخا دیا ہے مجھے۔" جب سے سرخیل خان کو حماد خان کی بات پکی ہو جانے کی اطلاع ملی تھی' وہ تو سخت اتاولا ہو رہا تھا۔
"ارے [illegible] بچے! تم سے بڑے ابھی وہ منگنی شدہ بھی [illegible] ہوئے۔" اماں اس کی مسخریوں سے اچھی [illegible] واقف تھیں۔ مگر اس وقت تو وہ اچھا خاصا سنجیدہ ہو رہا تھا۔
"تمہارے [illegible] کی شادی ہو رہی ہے۔" وہ جل بھن کر بولا۔
"یہ تو خوشی کی خبر ہے۔"
"کوئی خوشی کی خبر آپ بھی سنا دیں۔ آپ کے ارمان کہاں جا کر سو چکے ہیں اماں! انہیں جگائیں' اپنے بیٹے کے سر پر سہرا سجائیں۔ میں شادی کے لیے مرا جا رہا ہوں۔" وہ تلملایا۔
"خیل خان! تجھے کیا ہو گیا ہے۔" اماں تو بے چاری حق دق رہ گئیں۔
"شادی فوبیا ہو گیا ہے' میرے یار کے سر پر سہرا بجے' ڈھول دھمکا بجے اور میں بغیر سہرے کے پھوں پھوں اسما بیل۔" وہ تو باقاعدہ تقریر کرنے کھڑا ہو گیا تھا۔
"منیر اور گل شیر امریکہ سے آئیں تو پھر یہ موضوع چھیڑنا۔" اماں کا انداز صاف ٹالنے والا تھا اور وہ ٹلنے والا ہرگز نہیں تھا۔
"اور وہ آئیں گے چار سال بعد' میں اتنا صبر نہیں کر سکتا۔"
"بے شرم! ماں کے سامنے تو حیا کر لے۔" اماں ناراض ہونے کے بجائے مسکرا رہی تھیں۔
"میں لطیفہ نہیں سنا رہا' آپ مسکرائے جا رہی ہیں۔" سرخیل خان برا مان گیا۔
"تو خود پورا لطیفہ ہے میرے بچے! اکڑ نہ کر' تیرے ابا جان سے بات کروں گی۔" اماں نے پیار سے اسے پچکارا۔
"بچہ نہیں ہوں میں' جسے لولی پاپ پکڑا کر بہلا رہی ہیں' آج ہی فائنل بات کریں۔"
"ابھی نا' تیرا نکاح پڑھا دوں نگین سے۔" اماں بولیں۔

"میں تو چاہ رہی ہوں، بلاؤں مولوی قیوم الدین کو۔" وہ بیچ کھڑا ہو گیا۔

"خیل بچے! تھوڑا ذمہ دار ہو جا، کچھ ہاتھ بٹا اپنے ابا جان کا کاروبار میں۔" اماں نے پھر سے پچکارا۔

"پلیز اماں! فی الحال نصیحتوں کی پوٹلی بند ہی رکھیے۔" وہ بے زار سا ہو گیا۔

"اماں! کہاں ہیں؟ گل شیر سے بات کریں۔" تگین نے غلط موقع پر انٹری دی تھی۔ اماں کے ہاتھ میں ریسیور تھمایا تھا اور خود اس کے برابر بیٹھ گئی۔

"تم نے تو نیند کی گولی کھالی ہے؟"

"نہیں تو۔" وہ لیٹا ہوا تھا، اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"مجھ بھی (چہرے) پر تو یہی کچھ لکھا ہے۔"

"شکل اچھی نہ ہو تو بات اچھی کر لینی چاہیے۔ بندہ پھر بھی خوب صورت ہی لگتا ہے۔" وہ بھی گویا ادھار کھائے بیٹھا تھا۔

"میرے گلے کیوں پڑ رہے ہو؟" تگین نے ناک چڑھائی۔

"میں تو تین فٹ دور بیٹھا ہوں۔"

"محاورہ بولا ہے میں نے۔" تگین نے گویا ماتھا پیٹا۔

"اچھا۔" وہ سمجھ کر مسکرایا۔ "بتا دینا تھا نا، یہ محاورہ ہے۔"

"کتنے جاہل ہو تم، محاورہ تک سمجھ نہیں سکتے۔" تگین کو بھی اسے چڑانے کا موقع مل گیا۔

"اور کتنی قابل ہو تم، میٹرک میں بار بار فیل۔" وہ بھی چبا چبا کر بولا۔

"لوفر انسان! تمہاری یادداشت سے یہ بات نکل کیوں نہیں جاتی۔" تگین تلملائی۔

"یہ لوفر انسان، تمہارا شوہر بننے والا ہے۔" اس نے کالر کھڑے کیے۔

"کب؟" تگین کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"عنقریب، وہ دن دور نہیں جب تم میری [illegible] بن جاؤ گی۔" وہ شاہانہ انداز میں بولا تھا۔

"منہ دھو رکھو اپنا، میں اس [illegible] منگنی کو توڑ بھی سکتی ہوں۔" تگین نے اسے دھمکانا چاہا۔

"کیسے؟" وہ حیران ہوا۔

"ایسے۔" تگین نے انگوٹھی اتار کر اس کی طرف اچھالی تھی، جسے سرخیل خان نے مہارت سے کیچ کر لیا۔

"اور سنو، پتا ہے کیا کروں گا؟"

"کیا کرو گے؟" تگین نے بھنویں اچکا کر پوچھا۔

"یہ انگوٹھی کسی خوب صورت لڑکی کی حسین انگلی میں پہنا دوں گا۔ کم از کم انگوٹھی کی قیمت تو وصول ہو جائے گی۔" اس نے تگین کو بری طرح سے چڑایا۔

"میری انگوٹھی واپس کرو۔" تگین چیخی۔

"ہرگز نہیں، یہ انگوٹھی اب تمہیں نہیں ملے گی۔" وہ انگوٹھی کو ہتھیلی پر رکھے باریک بینی سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

"کسے دو گے؟" وہ دھاڑی۔

"وہی جو اس کی اصل حق دار ہو گی۔"

"زندہ نہیں چھوڑوں گی میں اس لومڑی کو۔" تگین نے دانت پیسے۔

"کون لومڑی؟"

"وہی جو۔" تگین گڑبڑا کر رہ گئی تھی، کیونکہ انگوٹھی پھر سے اس کی گود میں گر چکی تھی۔

"تم نے خود کو ٹھیک پہچانا۔" سرخیل خان نے قہقہہ لگایا تھا۔

"خیل خان! بہت برے ہو تم۔" وہ [illegible]

"ارے [illegible]" اماں فون سن چکی تھیں۔ انہیں [illegible] بچے ادھر [illegible] دیکھ کر [illegible]

"[illegible] اماں! میری تعریفوں پر خوامخواہ وقت ضائع کر رہی ہیں۔ یہ بتائیے، گل شیر کیا کہہ رہا تھا؟" وہ بھی اماں کا اداکار تھا، فوراً موضوع بدل گیا۔

"خیر سے خیبر خان اور گل شیر واپس آ رہے ہیں۔" اماں سرشاری سے بتانے لگیں۔

"کب؟" وہ دونوں چلا اٹھے۔

"کل صبح۔" اماں خوشی خوشی بتانے لگیں۔

"یاہو۔" ان دونوں نے جوش کے عالم میں نعرہ لگایا۔

✲ ✲ ✲

خیبر خان اور گل شیر کے واپس آتے ہی گھر میں خوشیوں کی بارات اتر آئی تھی۔ بیٹوں کی وطن واپسی اور وہ بھی اعلا ڈگریوں کی ہمراہی کے ساتھ، ابا جان کا سینہ فخر سے پھولا گیا تھا۔ وہ اکثر کہتے تھے۔ "خیل خان ہمارا لاڈلا بیٹا ہے۔ مگر اس نے ہمیں [illegible] میں خاصا مایوس کیا ہے۔"

اماں کے سوئے ہوئے [illegible] ارمان جاگ گئے تھے۔ بیٹوں کو دیکھ [illegible] کے لیے سرگرم عمل ہو گئیں۔

گل [illegible] نے اپنی بھابھی صورت کو سلیکٹ کر لیا تھا۔ اور خیبر خان جیسے چاکلیٹی ہیرو کے لیے [illegible] نظر میں جچ نہیں رہی تھی۔ ابھی لڑکیاں دیکھنے کا سلسلہ جاری تھا۔ جب خیبر خان نے نرم نرم الفاظ میں دھماکہ کر دیا تھا۔ اور حیرانی کی بات یہ تھی کہ ابا جان نے سوچ سمجھ کر اس کی خواہش پر سر تسلیم خم کر دیا۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیل گئی۔

خیبر خان نے ابا جان سے تگین کے ساتھ کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اس کے خیال میں تگین جیسی سادہ مزاج، سیدھی سادی گھریلو لڑکی بہت مناسب تھی۔ وہ خود بہت سادہ مزاج رکھنے والا اعلا سوچ کا حامل نوجوان تھا۔ تمام عمر امریکہ میں گزارنے کے باوجود یورپ کے ماحول نے اس کے کردار پر کوئی اثر نہیں کیا تھا۔ مضبوط، شاندار اور ہر لحاظ سے مکمل۔

ابا جان نے سوچا، غور کیا اور خیبر خان کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔ جس نے سنا گویا دھک سے رہ گیا، حتیٰ کہ اماں بھی گھبرا اٹھیں۔

"خان جی! یہ آپ نے کیسا فیصلہ سنا دیا۔ تگی تو خیل خان کی منگ ہے۔ بچپن کی منگ۔"

"میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔ تگی اور خیل خان کے حق میں یہی بہتر ہے۔ مجھے تگی بھی عزیز ہے اور خیل خان بھی۔ تگی کی یہی مناسب عمر ہے۔ اور اس کے لیے خیبر خان جیسا سمجھ دار، ذمہ دار شخص ہی بہتر ہے، جبکہ خیل خان میں بہت بچپنا ہے۔ ابھی شادی کے لائق نہیں۔ کھیلنے کودنے کی عمر ہے اس کی۔ ذمہ داریوں کا بوجھ ابھی سے لادنے کو دل نہیں مانتا۔"

"وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ آپ اچھی طرح سے واقف ہیں۔" وہ حد درجہ متوحش ہو گئیں۔

"بچپن سے ساتھ ہیں۔ انسیت تو ہو ہی جاتی ہے۔" ان کا انداز سرسری تھا۔

"اور وہ جو باقاعدہ منگنی کی تھی۔" وہ روہانسی ہو گئیں۔

"آپ پریشان مت ہوں۔ خیل خان کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔ اپنے بھائی کی پسند کو اہمیت دے گا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ ہمارے بیٹے نے کچھ مانگا ہے، اپنی کسی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ میں نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اس کی خواہش کو رد نہیں کر سکتا۔ خیل خان کو میں سمجھا دوں گا۔ اسے بھی خیبر خان کی خوشی کا خیال کرنا چاہیے۔ ہمارے بیٹے، ہماری تربیت پر حرف نہیں آنے دیں گے۔"

اور دروازے کے دوسری طرف کھڑے خیل خان کے قدموں کے نیچے سے زمین دھیرے دھیرے سرک رہی تھی۔ "یہ ابا جان نے کس امتحان میں ڈال دیا ہے۔" اس کے جسم میں گردش کرتا لہو تھم گیا۔

✲ ✲ ✲

"خیل خان! او خیلے! اٹھ بھی جا۔ بھنگ پی کر سوئے ہو۔ ادھر مجھ پر قیامت بیت رہی ہے اور تم کیسے نیند میں دھت پڑے ہو۔" تگین نے چیخ چیخ کر کمرہ سر پر اٹھا رکھا تھا۔ وہ سو تو نہیں رہا تھا۔ بس تکیے میں منہ دیے لیٹا رہا۔

"خیل خان! اٹھو نا۔" تگین رو دینے کو تھی۔

"کیا ہے؟" وہ بھاری آواز میں بولا۔

"تم نے کچھ سنا ہے۔" تگین کی چچی پوچھ رہی تھی اور وہ تو پچھلے تین دن سے چھپ چھپ کے رو رہی تھی۔

"ہاں سنا ہے۔"

"تب کچھ جان کر بھی ایسے پڑے ہو۔"

"تو کیا کروں۔" وہ الٹا تگین سے پوچھنے لگا۔

"ابا جان کے فیصلے پر تمہیں کوئی اعتراض نہیں؟" تگین رونا بھول کر اسے دیکھنے لگی تھی جو تکیہ ہٹا کر اٹھ بیٹھا تھا۔

"نہیں۔"

"لگ... کیوں؟" چھت گویا اس کے سر پر آن پڑی تھی۔

"اعتراض کی کوئی وجہ بھی تو ہونی چاہیے۔ خیبر خان میں کیا کمی ہے؟"

"تم کہہ رہے ہو۔" تگین ششدر رہ گئی۔

"کچھ غلط تو نہیں کہہ رہا۔ ایک دنیا خیبر خان کے عشق میں گرفتار ہے۔" وہ لاپروائی سے کہہ رہا تھا۔

"میں اس دنیا میں شامل نہیں ہوں۔" تگین چبا چبا کر بولی۔

"اب شمولیت اختیار کر لو۔" اس نے اطمینان سے کہہ دیا تھا۔ گویا جو کچھ ہو رہا تھا اس کی بلا سے۔ ابا جان کا ہر قول ان کے لیے حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ کیسے ممکن تھا کہ خیل خان بغاوت کا علم اٹھا لیتا۔ یہ منگنی بھی ان کی باہمی رضا مندی سے ہوئی تھی۔ اور باہمی رضا مندی کے ساتھ توڑی بھی گئی۔ ابھی کل رات خیبر خان اس سے پوچھ رہا تھا۔ "تم دونوں یعنی تگین اور تم ایک دوسرے کے کافی اٹیچ رہے ہو۔ میں نے سنا ہے بچپن میں رشتہ بھی رہا ہے۔ اگر تم تگین کے لیے سوفٹ ایموشنز رکھتے ہو تو میں تم دونوں کے درمیان نہیں آؤں گا اگر یہ صرف کزنز ہونے کے ناتے [illegible] رہی ہے تو تگین کو اپنی زندگی میں شامل کرنا میری اولین آرزو بن چکی ہے۔ وہ مجھے صرف اچھی نہیں لگی [illegible] میں اس سے محبت کرنے لگا ہوں۔ [illegible] تمہاری خوشی مجھے ہمیشہ عزیز رہے گی۔" وہ [illegible] نرمی سے اپنا نقطہ نظر واضح کر رہا تھا۔

"اور لالہ! تمہاری خوشی مجھے بھی ہمیشہ عزیز رہے گی۔" خیل خان کو مسکرانے میں کس قدر دقت پیش آئی تھی۔

"ہم دونوں میں صرف دوستی کا رشتہ ہے جو سدا قائم رہے گا۔" اس نے خیبر خان کے دل میں چھپی پھانس نکال دی تھی۔

"خیل خان! کہاں کھو گئے۔" تگین نے اس کا کندھا ہلایا۔ "تم ٹھیک تو ہو نا؟"

"مجھے کیا ہوتا ہے۔ میں پہلے کی طرح ہشاش بشاش ہوں۔" وہ مسکرایا تھا۔

"تمہیں قطعاً افسوس نہیں۔ تمہیں ذرا دکھ نہیں۔ ہماری منگنی ٹوٹ رہی ہے۔ رشتہ ختم ہو رہا ہے اور تم اتنے مطمئن ہو۔" تگین گویا پھٹ پڑی۔

"خیبر اور تمہارا مزاج نہیں ملتا۔ تم بھی آگ کی طرح بھڑکتی رہتی ہو۔ اور میں بھی شعلہ ہوں۔ بعد میں مسائل کھڑے ہوں۔ اس سے بہتر ہے ہم کوئی اچھا سا فیصلہ کر لیں۔"

"اور وہ سب کیا تھا۔ تمہاری توجہ، وہ احساس، خیال، محبت۔" وہ چیخی۔

"دھوکا، فریب، جھوٹ، کچھ بھی سمجھ لو۔" سر خیل خان ہنس رہا تھا۔ "تگی! کیوں اتنی جذباتی ہو رہی ہو۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔ خیبر خان کی [illegible] کمی ہے۔"

"بھاڑ میں جاؤ۔ کیسے انسان [illegible] جذبات، میری محبت کا مذاق اڑایا۔ [illegible] خود ہی تم جیسے بے غیرت [illegible] کسی اور کو کیا دوش دوں۔ [illegible] نظر [illegible] ہیں۔ ورنہ میں تو ابا جان کے [illegible] جاتی۔ تم سے بہتر خیبر لالہ ہیں۔ میری عزت کرتے ہیں۔ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ تمہارا اور ان کا بھلا کیا مقابلہ ہو۔ اونہہ! لفنگا، لوفر، کمینے، پنڈی میں کسی کے ساتھ آنکھیں لڑا آیا ہوگا۔" وہ تن فن کرتی باہر نکل رہی تھی۔ "تم تو میرے قابل ہی نہیں۔ ابا جان نے ٹھیک فیصلہ کیا ہے۔ میں کیوں نافرمان بنوں۔ بغاوت کروں۔ جب تم ہی کو پروا

نہیں ہے۔"

"شادی کی تیاری کرو۔ کچھ کام ہوا تو مجھے بلوا لینا۔ غلام ہمیشہ حاضر رہے گا۔" وہ جو ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ اس کے جاتے ہی ختم کر رہ گیا۔

"تم بھی سمجھ لو گی۔ اگر میں بھی ابا جان کے فیصلے سے اختلاف نہیں کر سکتا۔ اور محبت کا کیا ہے۔ کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔ کوئی بھی جو [illegible] لگے کہ اس کے بغیر جینا محال ہو۔ تم [illegible] شاد و آباد ہو۔ میری صرف یہی دعا ہے۔ لالہ تمہیں [illegible] خوشی فراہم کرے گا۔ اتنا تو مجھے یقین ہے۔" وہ زیر لب بڑبڑا رہا تھا۔

تگی اور خیبر خان کی شادی یادگار شادیوں میں شمار ہوئی۔ [illegible] دھوم دھام سے ہوئی کہ مدتوں تک [illegible] وظیفہ بنی رہی تھی۔

ان کا ہنی مون اور بھی یادگار رہا تھا۔ تگی کو دیکھ کر پہچاننا مشکل تھا۔ صرف ڈیڑھ مہینہ اس کی زندگی میں انقلاب لے آیا تھا۔ لال جلول چلنے والی لاپروا سی تگی ایک شائستہ سے لبادے میں لپٹ گئی تھی۔ ہمیشہ کی طرح چہکتے چھوٹی سی ہنسی مسکراتی تگی کے گالوں پر کھلتے شگوفے خیل خان کے سارے خدشات مٹاتے چلے گئے۔ وہ اب بھی پہلے کی طرح لڑتے جھگڑتے تھے۔ ایک دوسرے کے بخیے ادھیڑتے اور خیبر خان ان کی نوک جھونک سے محظوظ ہوتا تھا۔ کل شیر دل واپس چلا گیا تھا۔ اور خیل خان بھی اس کے پاس جانے کی چپکے چپکے تیاری کر رہا تھا۔

حماد خان کو بھی اسکالرشپ مل گیا تھا۔ وہ اپنی شادی کی تیاریوں کے ساتھ ساتھ باہر جانے کے انتظامات میں بھی مصروف تھا۔ خیل خان نے جس شب کو پنڈی کے لیے روانہ ہونا تھا۔ اس سے اگلے دن حماد خان کی شادی تھی مگر اسی رات ابا جان کو شدید گردے میں درد اٹھا تھا۔ دل کے مریض تو وہ پہلے سے ہی تھے۔ گھر بھر میں پریشانی کی لہر جاگ اٹھی تھی۔ اس نے فی الفور اپنا پروگرام ملتوی کیا تھا۔ ابا جان کو ہسپتال [illegible] کر دیا گیا۔ حماد خان کی شادی [illegible] پریشانی کی نذر ہو گئی تھی۔

شادی کے [illegible] روز ابا جان کو ڈسچارج کیا گیا تو اس نے بھی پنڈی کے لیے رخت سفر باندھ لیا۔ حماد خان سے رابطہ ہو چکا تھا اور وہ اسے لینے کی غرض سے پشاور پہنچ چکا تھا۔ وہ پہلی مرتبہ حماد خان کے گاؤں جا رہا تھا سو تجسس تو تھا ہی۔ سر خیل خان اپنی گاڑی میں تھا اور ابھی وہ دونوں شہر کی حدود میں تھے جب اچانک دو موٹر سائیکل سوار نجانے کہاں سے نکل آئے۔ ان کے چہرے نقاب میں چھپے تھے۔ اور وہ شاید انہیں لوٹنے کے لیے آئے تھے۔

"جو کچھ ہے نکالو باہر۔"

"کچھ بھی نہیں ہمارے پاس۔ پھر کیا نکالیں۔" سر خیل خان کا جوشیلا خون جوش کھانے لگا۔

"کیش، موبائل اور گاڑی کی چابی ادھر کرو۔" دوسرے آدمی نے پستول کے ٹریگر پر ہاتھ رکھے چنگھاڑ کر کہا تھا۔

"او بھائی! ہم جلدی میں ہیں۔ جانے دو ہمیں، کسی اور کا راستہ روکو۔ ہم فقیروں کے پاس تمہارے لیے کچھ نہیں سوائے تانگے کی گاڑی ہے۔" حماد خان نے اس کے پیر پر ٹھوکا دے کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

"یہ ایسے نہیں مانیں گے استاد!"

"موٹر سائیکل بھگاؤ۔" سر خیل خان بھی چنگھاڑا۔

"بڑا جوش ہے تم میں۔" پہلا والا آگے بڑھا۔ "استاد! ذرا ٹھنڈا کرو اس کے ابلتے خون کو۔" بس لمحوں کا کھیل تھا۔ اس نے ٹریگر دبا دیا تھا اور حماد خان جو اپنا جمع جتھا نکال رہا تھا فائر کی آواز سن کر دم بخود رہ گیا۔ وہ دوسرا فائر کھولنے لگا تھا جب حماد خان نے بغیر سوچے سمجھے نقاب پوش آدمی سے پستول جھپٹنا چاہا تھا۔ سر خیل خان کے سینے میں اترنے والی گولی رخ بدل کر حماد خان کے دل میں اتر گئی تھی۔ لمحوں کا کھیل تمام ہوا تھا۔

وہ کون لوگ تھے؟ دہشت گرد؟ ڈاکو؟ لٹیرے؟ جو

بھی تھے بس لمحوں میں کومل بختیار کا دل اجاڑ کر بھاگ نکلے اور اسی سہ پہر پنڈی میں بم دھماکہ ہوا اور نہ جانے کتنے ہی بے قصور لوگ موت کی آغوش میں جا سوئے' سہاگنیں ابھاگنیں ہو گئیں' بچے یتیم ہوئے۔

حماد خان نے موقع پر ہی دم توڑ دیا تھا۔ زندگی سے دیکھ کر مسکراتی تھی۔ وہ بہت ہی ذہین اور حد درجہ خوددار شخص دوستی اور دوست پر قربان ہو گیا تھا۔ کیا تھا اگر وہ سرخیل خان کے سامنے نہ آتا؟ وہ بے رحم گولی حماد خان کا سینہ تو نہ چیرتی؟ اسپتال کے بستر پر پڑے ان سوچوں کے علاوہ اس کے پاس آخر بچا ہی کیا تھا۔ وہ تو اتنا بدنصیب تھا کہ حماد خان کا آخری دیدار بھی نہیں کر سکا تھا۔ ابا جان اس کی حالت دیکھ کر اور بھی بیمار رہنے لگے تھے اور انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ کچھ عرصہ کے لیے سرخیل خان کو اس کے بھائیوں کے پاس بھجوا دیں۔ سرخیل خان باہر جانا تو نہیں چاہتا تھا مگر گل شیر اور خیبر لالہ کے اصرار نے اسے مجبور کر دیا تھا اور وہ اپنے یار کی دائمی جدائی اور ناگہانی موت کا نہ بھولنے والا غم لیے پردیس چلا گیا۔

وہ مقدر کی ستم ظریفی پر ششدر تھا۔ پہلے نگین نہیں رہی تھی' پھر حماد خان چلا گیا۔ اپنے ہی غموں میں گم سرخیل خان کو لمحہ بھر کے لیے بھی حماد خان کی بیمار بوڑھی ماں اور تین روز کی بیوہ کا خیال نہیں آیا تھا۔ یورپ کی رنگینیوں اور تیز رفتار زندگی میں کھو کر اب بھی یقیناً "وہ" کبھی نہ چونکتا' مگر اس خواب نے سرخیل خان کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا اور اس خواب کا تسلسل پاکستان آنے کے بعد بھی نہیں ٹوٹتا تھا۔ یہ پہلا عجیب و غریب خواب تھا جس نے حماد خان کو ٹھٹکا دیا۔ یہاں تک کہ اسے گل شیر سے بہت سی باتیں شیئر کرنا پڑی تھیں اور گل شیر نے اسے وادی میں جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ خواب کا وہ سفر ابر' حسین برف سے ڈھکی وادی میں اختتام پذیر ہوا تھا' جب اس نے [illegible] سرخیل خان نے کومل بختیار کو دیکھا۔

☼ ☼ ☼

"آج بڑے خوش دکھائی دے رہے ہو۔ نکاح نامے پر دستخط کرتے ہوئے بھی اتنے خوش نہیں تھے۔" وہ جان بوجھ کر اسے چھیڑ رہی تھی۔ بڑے اہتمام سے تیار ہوتا حماد خان اسے دیکھنے لگا تھا اور پھر مسکرا دیا۔

"کہاں جانے کی تیاری ہے؟"

"پنڈی جا رہا ہوں۔" وہ پرفیوم اسپرے کرتا ہوا مصروف سے انداز میں بولا۔

"یہ پنڈی تو میری سوکن بنتا جا رہا ہے۔" کومی جل بھن کر رہ گئی۔

"کوہاٹ سے میرا یار آ رہا ہے۔ اسے ساتھ لے کر آؤں گا۔ وہ یہاں کے راستوں سے انجان ہے۔" حماد خان نے ڈرتے ڈرتے وضاحت کی تھی۔

"تمہارا یار میری پہلی سوکن ہے اور یہ پنڈی کا شہر دوسری۔ ان دونوں نے تمہارے پیروں میں پہیے باندھ رکھے ہیں۔" کومل نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"ایک ہی تو میرا دوست ہے۔ اس سے مت جلا کرو۔" حماد خان نے قہقہہ لگایا تھا۔

"تمہارا دوست میرا رقیب ہے۔" وہ کمبل تہہ کر رہی تھی۔ "واپسی کب تک ہو گی؟"

"ابھی گھنٹہ ڈیڑھ میں تمہارے پاس آ جاؤں گا' فکر مت کرو۔" حماد خان نے اسے تسلی دی۔

"ویسے تمہارا اکلوتا یار شادی میں [illegible] آیا نہیں [illegible] بھی لے تو اب آیا ہے [illegible] کا تحفہ دینے" "اس کے والد [illegible] تھے۔ اسی وجہ سے انہیں [illegible] کر کے کتنا کھڑا ہو گیا۔" "کھانے میں [illegible]" کومی کو ایک دم خیال آیا تو پوچھنے [illegible]

"[illegible] شوق سے کھاتا ہے' تم نہیں بنا سکو گی۔ اپنی مرضی سے کچھ بھی بنا لینا۔" حماد خان نے سوچتے ہوئے کہا۔

"وہ شوق سے کیا کھاتا ہے' میں مہمان کی پسند کا کھانا بناؤں گی۔" وہ ضدی لہجے میں گویا ہوئی۔

"تمہیں بنانا ہی نہیں آئے گا یار! اپنی روایتی ڈشز بنا لینا۔ جو بھی آسانی کے ساتھ پکا سکو۔" وہ نرمی سے سمجھانے لگا تھا مگر کومی کو غصہ آ گیا۔

"اچھا تم کیا سمجھتے ہو' میں پھوہڑ ہوں' کچھ پکا نہیں سکتی۔"

"میرا یہ مطلب نہیں' خان کو الم غلم پسند ہے میں تو..." حماد خان کی بات درمیان میں رہ گئی۔

"کچھوے اور خرگوش کھاتا ہے تمہارا یار؟ اچھا... معذرت کرتی ہوں' یہ میں نہیں بنا سکتی۔" "[illegible]"

"ارے بابا کھانے پسند ہیں' [illegible] اٹالین' فرانسیسی۔" حماد خان نے ہنستے ہوئے [illegible]

"بڑا آیا انگریز کا پتر۔" "کومی [illegible]" "[illegible] مت لانا اسے [illegible] کو بھی بھی۔" "کومی [illegible] کی طرح ستایا۔"

"وہ مینڈک اور [illegible] کھاتا ہے' اف کومل! تم بھی نا۔" وہ [illegible] بے حال ہوا۔ زندگی میں شاید پہلی مرتبہ وہ [illegible] قہقہوں سے ہنسا تھا۔ اور کومی کو بھلا کیا خبر [illegible] آخری مرتبہ اسے دیکھ رہی ہے۔ اس کی ہنسی کو آخری مرتبہ سن رہی ہے۔ اگر جان جاتی تو جی بھر کے [illegible] دیدار سے سیراب ہو جاتی۔

"خیر سے جلدی آ جانا۔ وہیں ڈیرہ لگا کے بیٹھ نہ جانا۔" وہ باہر نکلنے سے پہلے بار بار اسے یاد دہانی کروا رہی تھی۔ "پنڈی ہمیشہ تمہیں روک لیتا ہے۔" اور پنڈی نے سچ مچ اسے ہمیشہ کے لیے روک لیا تھا۔

وہ اپنے قول کے مطابق ڈیڑھ گھنٹے سے بھی پہلے آ گیا تھا۔ مگر تنہا' خاموش' ساکت' اکیلا' خون میں تر بتر' نہ جانے اس کا یار کہاں تھا۔ جسے لینے کے لیے وہ گیا تھا۔ اور کومل دستر خوان پر رنگ رنگ کے کھانے سجائے اس کے انتظار میں بیٹھی تھی اور یہ انتظار' انتظار ہی رہا تھا۔ "آناً" "فاناً" ہر منظر کو لال رنگ نے ڈھانپ لیا تھا۔ خالہ پچھاڑیں کھا کر گر پڑی تھیں اور کومل' اس کے وجود کو وقت کے اس بے رحم وار نے پتھر کر دیا تھا۔ سنگ مرمر سے تراشے اس پتھر میں جان کب پڑی تھی۔ اس وقت جب وہ اجنبی سر جھکائے' بھرائی آواز میں اور نم آنکھوں سے سفید برف کو دیکھتا انکشاف کر رہا تھا' اور اس کے انکشاف نے کومل کو دنگ کر دیا۔

"میں حماد [illegible] کا یار ہوں' اکلوتا یار! میری زندگی کو بچاتے ہوئے وہ اپنی زندگی ہار گیا تھا۔ میرا دوست مجھ پر قربان ہو گیا۔ میں بدنصیب ہوں' جو اسے کاندھا بھی نہ دے سکا۔ میں بے غیرت ہوں جو اس کی بوڑھی ماں اور تین دن کی بیاہی بیوہ کو بے آسرا کر گیا۔ مڑ کر خبر بھی نہ لی' پلٹ کر پوچھا تک نہیں۔ میں مجرم ہوں تمہارا' میری وجہ سے تم ابھاگن ہو گئی۔ اور میں سرخیل دلاور خان طلب گار ہوں تمہارا۔ اگر مجھے اپنے قابل سمجھو' میں پھر سے تمہیں آباد کروں گا' شاد کروں گا' تمہیں پھر سے خوشی کے رنگ سے روشناس کرواؤں گا' تمہاری آنسوؤں میں گم ہنسی کو لوٹاؤں گا' میری جان پر ایک قرض دھرا ہے' یہ قرض مجھے چکانا ہے' تم چاہو تو ایک نئی زندگی تمہاری منتظر ہے۔"

سرخیل خان کارنر ٹیبل پر سجی حماد خان کی زندگی سے بھرپور تصویر کو اٹھا کر دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اگر تم چاہو تو' ستارے پھر سے چمکنے لگیں گے' اگر تم چاہو تو' بہاریں لوٹ آئیں گی' اگر تم چاہو تو سرخیل خان جرم کے اس احساس سے بری ہو جائے گا' اگر تم چاہو تو سرخیل خان تمہیں پھر سے محبت کرنے کا سلیقہ اور طریقہ سکھا دے گا اور اگر تم اجازت دو گی تو میں تمہارے دل کی سرزمین پر اپنی محبت کا بیج بو دوں گا۔" وہ اسے ساکت' بے جوم اور گم صم کھڑا دیکھ کر رکا نہیں تھا' پلٹ گیا تھا' دھیمے اور مضبوط قدموں سے۔

☼ ☼ ☼

"میں کومل بختیار ہوں' حماد خان کی بیوہ' بد مزاج' غصیلی' جھگڑالو' بستی کے لوگ مجھے ان ہی القابات سے نوازتے ہیں' حماد خان کے جانے کے بعد میں نے خود پر ایسا ہی خول چڑھا لیا تھا۔ میں نے زندگی سے خوشی اور ہنسی کی طلب کرنا چھوڑ دی تھی۔ میری زندگی کا صرف ایک ہی مقصد تھا' پیسہ جمع کرنا' رقم جوڑنا اور میں اس مقصد کی تکمیل کے لیے بہت مشقت کر رہی تھی۔

مجھے بستی والوں کے لیے بہت بڑا نہ سہی ایک چھوٹا سا اسپتال بنوانا تھا اور اس کے لیے بہت وقت اور پیسے کے ساتھ ساتھ طویل انتظار کی ضرورت تھی اور مجھے لگا تھا یہ انتظار اختتام پذیر ہو گیا ہے۔

سرخیل خان' ایک نرم دل اور نیک طبیعت نوجوان' درد دل رکھنے والا ہمدرد انسان' مجھے امید تھی سرخیل میری مدد ضرور کرے گا اور اسی وجہ سے میں نے اپنا رویہ بدل لیا تھا۔ میں اس سے نرمی سے بات کرنے لگی تھی۔ حالانکہ میری حسیات خاصی تیز ہیں اور میں اس کی نظروں کے بدلتے مفہوم سے انجان نہیں تھی اور صرف مصلحت کے تحت خاموش رہنا میری مجبوری تھا۔

اور آج میں سرخیل خان سے اسی موضوع پر بات کرنا چاہتی تھی' جب اس کے انکشاف نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔

"تو تم تھے حماد خان کے دوست' جس پر میرا حماد خان قربان ہو گیا۔" میں ششدر تھی' حیران تھی اور وہ کہے جا رہا تھا۔ "اگر تم چاہو تو۔"

میرے ارد گرد بس ایک ہی بازگشت سنائی دے رہی تھی۔ خوشیاں دستک دے رہی تھیں تو کیا دروازہ کھول دوں؟

اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

"لوٹ جاؤ سرخیل خان! ابھی واپسی نہ آنے کے لیے۔" وہ خود کو مضبوط ظاہر کرنا چاہتی تھی۔

"پلیز کومل! جذباتیت سے باہر نکل کر فیصلہ کرو' کچھ دیر کے لیے بھول جاؤ کہ میں حماد خان کا دوست ہوں۔" سرخیل خان نے گویا التجا کی تھی۔

"کیسے بھول جاؤں تمہاری خود غرضی کو' کس طرح حماد خان کے زخم زخم وجود کو اجنبی اور غیر لوگ لے کر آئے تھے' تم کہاں تھے اس وقت بزدل آدمی' کون کون سا قرض اتارو گے' ایک دوستی کا حق تو ادا نہ کر سکے۔" وہ چلا اٹھی تھی۔

"میں کہاں تھا؟" سرخیل خان [illegible] کر جب بولا تو اس کے لہجے میں [illegible] "میں سرکاری اسپتال کے ایک بستر پر بے ہوش پڑا تھا۔ مجھے بھی اجنبی اور غیر لوگ اسپتال لے کر گئے تھے۔ آٹھ دن بعد میرے گھر والوں کو میرے ساتھ ہونے والے حادثے کا پتا چلا تھا' اور اس کے بعد۔" وہ دھیرے دھیرے اول سے آخر تک کے سارے واقعات دہراتا چلا گیا۔

"میں تمہاری بدگمانی دور کرنے کا کوئی ثبوت نہیں دے سکتا۔" وہ تھک سا گیا تھا۔

"مجھے کسی ثبوت کی ضرورت بھی نہیں ہے۔" کومل ٹھہر سی گئی تھی۔ "جو ہوا اللہ کی طرف سے تھا۔ میں نے' خالہ نے' ہم نے تسلیم کر لیا اور اللہ کی رضا میں راضی ہو گئے۔" اس کی آنکھیں موتی برسانے لگی تھیں۔

"پھر تم نے کیا سوچا ہے؟" وہ بھی بہت دیر بعد ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"ایسا ممکن نہیں سرخیل خان!" کومل لرزیدہ آواز میں بولی۔

"کیوں ممکن نہیں۔" وہ بے چین ہو اٹھا۔ "میں نہ جھوٹا ہوں' نہ فریبی ہوں' نہ دھوکے باز ہوں' ہاں' میں نے تم تک آنے میں ضرور کچھ دیر کر دی ہے۔"

"تم چلے جاؤ سرخیل' یہاں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں۔ اس دل میں ایک قبر ہے' جس کی میں مجاور ہوں۔" وہ رو رہی تھی' [illegible] زندگی میں پہلی مرتبہ کسی [illegible] سامنے رو رہی تھی اور وہ ابھی تھا کہاں۔

"قبروں کی [illegible] لے جاتی ہو' کیا ہوتے ہیں۔" [illegible] نے [illegible] سے کہا تھا۔

"[illegible] تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔" وہ روتے ہوئے پھٹ سے بولی۔ "اگر تم سمجھتے ہو کہ حماد خان نے تمہاری زندگی بچا کر کوئی احسان کیا تھا یا پھر خود پر کچھ قرض سمجھتے ہو تو۔" وہ لمحہ بھر کو رکی تھی۔ "تم سرخیل خان! یوں کرو' ایک ایسی نیکی کرو' جو امر ہو جائے' جو مرنے کے بعد بھی تمہیں ثواب پہنچاتی رہے۔ تم اس بستی میں ایک اسپتال بنوا دو' جس میں الٹرا ساؤنڈ سے لے کر ایکسرے مشین تک کی سہولیات موجود ہوں' تم کچھ ایسا کیوں نہیں کرتے جو مرنے کے بعد بھی ہمیشہ یادگار رہے گی۔ دلوں میں تم ہمیشہ کے لیے زندہ رہو گے' کبھی مرو گے نہیں۔"

"کسی بیوہ عورت کا سہارا بننا بھی ثواب کا کام ہے' میں یہ نیکی بھی اپنے نامہ اعمال میں لکھوانا چاہتا ہوں۔" وہ کھل کر مسکرا دیا تھا۔ ایک بوجھ تھا جو [illegible] دھیرے سرک رہا تھا۔

"تم ایسی بات کیوں کر رہے ہو [illegible]" وہ گویا زچ ہوا تھی۔

"یہ ممکن کیا ہے؟ خالہ [illegible] رضامند ہیں' ان کا بس [illegible] ہمیں میرے ساتھ چلتا کر دیں۔" [illegible] کومل [illegible] رہے تھے۔ مطلع صاف ہو [illegible] کومل! مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا [illegible] زندگی رکنے کا نام نہیں' آگے بڑھنے کا [illegible]

"بات صرف خالہ جی کی رضامندی تک تو محدود نہیں' تم سمجھتے کیوں نہیں؟ یہ معاشرہ تمہیں چھین لینے نہیں دے گا' تمہارا خاندان' برادری۔" وہ ہونٹ کچلتے خاموش ہو گئی۔ "تم میں کیا کمی ہے' بیوہ یا مطلقہ عورت سے شادی کرنا بھی یہ معاشرہ ایک جرم ہی بنا دیتا ہے' لفظوں کے کوڑے پہلے سے تیار کر لیے جاتے ہیں۔"

"مجھے کسی کی پروا نہیں' اور رہی میرے خاندان کی بات تو میرے ابا جان اور اماں جانتے ہیں' میں کیوں پچھلے تین مہینے سے در بدر پھر رہا ہوں' یہاں کیوں آیا ہوں۔"

"کیوں آئے ہو؟ کیا جانتے ہیں وہ۔" کومل حیران رہ گئی۔

"تمہارے لیے' اور وہ بھی یہاں آنے کے انتظار میں سوکھ رہے ہیں' تم گرین سگنل دو گی تب ہی اماں اور ابا جان آئیں گے اور نگین بھی۔" وہ اسے مزید حیران کر رہا تھا۔ "وہ تمہیں پورے اعزاز کے ساتھ لے کر جائیں گے۔ اب تو دو من کے سر کو ہلا دو۔"

"نگین [illegible]" نگین میری [illegible] اٹک گئی تھی۔

"نگین [illegible] جانتی ہے۔"

"[illegible] سے ملی جاؤ۔" ایک پرجوش اور جوشیلی [illegible] آواز سنائی دی تھی۔ "شہزادی عالیہ کہاں ہے [illegible]" مسکراتے ہوئے کومل سے لپٹ رہی تھی اور کومل [illegible] دنگ۔

"[illegible] تمہیں لالہ کے پاس چھوڑ گئی ہو' ہم [illegible] من کی [illegible]" نگین کو دیکھتے ساتھ ہی اس کی زبان پھسلنے لگی تھی۔

"ان کی نگرانی بھی ضروری ہے۔" وہ کھلکھلائی۔

"مجھے نگین نیبر خان کہتے ہیں۔ میں مستقبل میں تمہاری جیٹھانی بنوں گی' ہم گن گن کر بدلے لوں گی اس مکار آدمی سے' ہماری ناک تلے ڈرامے کا ڈراپ سین بھی کر دیا۔"

"یہ نگین نیبر خان ہیں' میری سابقہ منگیتر۔" سرخیل خان نے اسے چھیڑا' ساتھ تعارف کا مرحلہ بھی نمٹا دیا تھا۔

"شکر ہے' میری اس سے شادی نہیں ہوئی۔" نگین بھی اسے تپا رہی تھی۔ "اپنا یہ پیارا سا کزن' چھکا دیور اور سابقہ منگیتر تمہارے نام کرنے آئی ہوں۔ بقیہ لوگ ابھی پہنچنے ہی والے ہیں۔ باقاعدہ بارات بعد میں آئے گی' ابھی جلدی سے منظوری دو' میں تمہاری مرضی معلوم کرنے تو آئی ہوں۔" وہ کومل کے کان میں گھس رہی تھی۔

"اپنے دیور کو میرے تھمے کیوں مار رہی ہو۔" کومل گڑبڑا کر رہ گئی تھی۔ یہ سب کیا ہو رہا تھا' وہ سمجھنے سے قاصر تھی' اور پھر اسے خالہ کی ہنسی کی آواز سنائی دی تھی۔ کومل نے مڑ کر دیکھا۔ وہ لاٹھی کے سہارے کھڑی تھیں اور ان کا چہرہ جگمگ کر رہا تھا۔ ان خوشیوں کی آمد کی وجہ سے جو کومل کو انعام کے طور پر دی گئی تھیں۔

"قبول نا کومل!" خالہ نے گویا التجا کی۔ ایسی التجائیں تو وہ کئی روز سے کر رہی تھیں۔ سرخیل خان' خالہ اور نگین پتھر میں شگاف تو ہونا ہی تھا۔

"کیا بولوں؟" کومل نروس ہو رہی تھی۔

"اس لوفر کا ساتھ منظور ہے۔" تگین اسے ٹہوکے دے رہی تھی۔ اس نے خالہ کی چہرے سے التجا سی تھی اور لبوں سے ایک پھڑپھڑاتی ہاں نے چھوٹے سے کمرے کو زعفران زار کر دیا تھا۔ کومل نے دیکھا سب کے چہرے روشن تھے۔ خالہ مسکرا رہی تھیں۔ سرخیل خان وکٹری کا نشان دکھا رہا تھا۔ تگین پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا تھا۔ شاید وہ ایسی ہی تھی بے حد چنچل اور کومل بختیار خان نے کھڑکی سے باہر جھانکا تھا۔ آسمان سے گرتی سفید برف بھی مسکرائی تھی۔

کومل کی آنکھ سے ایک ستارہ ٹوٹا اور برف پر گرتے ہی کھو گیا۔ یہ ستارہ حماد خان کی یاد میں گرا تھا، شاید آخری مرتبہ، اور وہ رب کی رضا میں راضی تھی۔ اس نے صبر اور شکر کو اپنا شعار بنائے رکھا تھا۔ تب ہی وہ پھر سے نوازی گئی تھی۔

وہ گزشتہ رات کو سوچ رہی تھی، جب خالہ نے اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لے کر کہا۔

"چھڑا دل کے بند کواڑوں کو کھول دو، قسمت بار بار مہربان نہیں ہوتی۔ جو چلا گیا، اس پر صبر کر لو، جو تمہارے نصیب میں لکھ دیا گیا ہے۔ اس پر شکر ادا کرو، جینے کا سلیقہ اسی میں ہے، اور بہت کم لوگ سرخیل خان جیسے ہوتے ہیں، رفاقت اور یاری کو نبھانے والے، اپنے گھر سے چراغ روشن کر کے راہ گیر، مسافروں کو راہ دکھانے والے، سچے اور خاص لوگ۔ سرخیل خان نے مجھے بتایا تھا، وہ تمہارا طلب گار بن کر یہاں نہیں آیا تھا، وہ تو حماد خان کی ماں اور بیوہ کا کفیل بننا چاہتا تھا۔ خبر گیری کرنے آیا تھا۔ اور پھر دل پر پہرہ بٹھانا ممکن کہاں ہے۔ تم اسے مایوس کرو گی تو وہ لوٹ جائے گا۔ زندگی کے سفر میں کوئی بھی ہم سفر مل جائے گا اسے مگر تم کو کوئی پتہ! تمہیں زندگی کے طویل سفر میں ایسا ساتھی ہرگز نہیں ملے گا، جو تمہارے ساتھ مل کر حماد خان کو باتوں اور یادوں میں زندہ رکھے۔"

"میں حماد خان کو بھولنے کا حوصلہ کہاں سے لاؤں۔" وہ سسک رہی تھی۔

"تو میں تمہیں کب مجبور کر رہا ہوں کہ اسے بھول جاؤ۔" سرخیل خان نہ جانے کب دریچے میں آ کھڑا ہوا تھا۔ "تم اسے یاد کر کے رونا چاہو تو رو سکتی ہو۔ جب بھی دل بہت مجبور کرے تو مجھے بتانا۔ میں تمہیں اس کی قبر پر لے آیا کروں گا۔ ہم فاتحہ پڑھیں گے۔ اس کے ایصال ثواب کے لیے اس بستی میں اسپتال بنوائیں گے۔ اس گیسٹ ہاؤس کی تعمیر نو ہو گی۔ ہر سہولت سے مزین کیا جائے گا اور اس گیسٹ ہاؤس میں پہلے کی طرح مزدور پیشہ لوگ آ کر قیام کریں گے۔ حماد خان کے ہر خواب کو سچا کروں گا۔ یہ میرا وعدہ رہا۔ وہ تمہیں خوش دیکھنا چاہتا تھا، ایک بہترین زندگی دینا چاہتا تھا، زندگی نے اسے مہلت نہیں دی۔ تم حماد خان کی خاطر خوش رہا کرو، اور آخری بات، تم میرے جذبات کی قدر کرو، محبت کرو یا نہ کرو، مگر میرے اس فیصلے، لگن اور جذبہ کو کبھی بے مول مت کرنا کہ میں سرخیل خان ایک خواب کے توسط سے تم تک پہنچا ہوں۔ ہے نا عجیب بات، بہت سے لوگ میرے خواب کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتے۔ ان میں ایک خیر لالہ تھے۔ بہت سے لوگ میرے خواب کو ایک وہم اور خیال سمجھ کر جھٹلا دیتے تھے اور ان میں کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے اسے ایک اشارہ سمجھا اللہ کی طرف سے دیا گیا اشارہ، اور مجھے پورے دل کے ساتھ [illegible] اجازت دی۔ ان میں میری اماں [illegible] اور تگین شامل ہیں۔ اماں نے کہا تھا، جب اللہ [illegible] کو ملانا چاہتا ہے تو لے خود [illegible] نے حماد خان کی بیوہ سے نکاح کر [illegible] احسان [illegible] نہیں کیا ہے۔ میرے دل [illegible] بہت محسوس کی تھی اور اگر تم [illegible] ہو [illegible] سے بند کواڑ سرخیل خان کے لیے کھول سکتی ہو۔" وہ روشن آنکھوں سے دیکھتا ہوا اس کے شانوں پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔

"بولو نا۔" سرخیل خان کا نقش نقش درخواست کر رہا تھا۔

"کچھ وقت اور دن تو لگیں گے۔" وہ آنسو پونچھتی ہولے سے مسکرائی تھی۔ اس مسکراہٹ میں اقرار چھپا تھا۔ سرخیل خان بھی کھل کر مسکرا دیا۔ کہ وہ بند کواڑوں کے کھلنے تک کا انتظار کر سکتا تھا۔ ☼

رخسانہ نگار عدنان

محبت خواب سفر

قسط نمبر ۵۹

"اب اٹھ کر دوا تو کھالیں احسن!" یاسمین نے گم صم شہوار سے بیٹھے کتاب [illegible] کی ورق [illegible] ریڈنگ سے بے نیاز احسن سے کہا۔

"ٹھیک ہوں میں۔" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولے۔

"دوا تو ضروری ہے۔" وہ نرمی سے بولیں۔ دو دن سے احسن [illegible] حالت تھی نہ کچھ کھا رہے تھے نہ پی رہے تھے نہ چیخ چنگھاڑ نہ گالی گلوچ نہ کوئی اور ہنگامہ۔ ایک مسلسل خاموشی۔

"کس لیے؟" وہ بھڑکنے کے بجائے سوالیہ لہجے میں بولے۔

"آپ کے لیے ضروری ہے نا۔" یاسمین [illegible] سمجھ میں نہ آیا اس روزانہ کھائی جانے والی دوا کے لیے وہ کیا توجیہہ پیش کریں۔

"اگر زندہ رہنے کے لیے تو مجھے زندگی کی کوئی ایسی خواہش نہیں اور اگر کسی تکلیف کے لیے ہے تو یاسمین بیگم! میرا یقین کریں مجھے کوئی تکلیف [illegible] ہے۔" وہ پہلی بار اس انداز میں بات کر رہے تھے۔

"وہ جو عشق کا عارضہ تھا یوں تجھو ٹل گیا۔" وہ آنکھیں موند کے زیر لب بولے تو یاسمین نے بھی بخوبی سن لیا۔

وہ ہاتھ میں پکڑی دوا ایک طرف رکھ کر خود بھی کرسی پہ بیٹھ گئیں یوں جیسے دنیا کا ہر کام کر لیا ہو اب کرنے کو کچھ بھی نہ بچا ہو۔

یا اس طرح احسن مراد کے پاس آ کر یوں فرصت سے بیٹھنا یاسمین کی روز کی عادت ہو۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے پاس بیٹھے تھے مگر ایک دوسرے سے بے حد دور۔

"وہ چلا جائے گا نا احسن!" بہت دیر بعد یاسمین کو اپنی آواز کسی گڑھے سے نکلتی محسوس ہوئی گونجدار مگر ٹوٹی پھوٹی۔

"شاید!" بہت دیر بعد نامکمل سا جواب آیا۔

"نہیں... میں مر جاؤں گی احسن!" وہ تڑپ کر بولیں۔

"میں نے اسے بھی خود سے الگ نہیں سمجھا۔"

"اور یہ بھی حقیقت ہے وہ ہم دونوں کے وجود کا حصہ نہیں۔" وہ تلخی سے بولے۔

"اس گھر... اس گھر کا تو حصہ ہے نا اتنے سالوں سے۔" وہ تیزی سے بولیں۔

"یہ سامنے دیوار دیکھ رہی ہو نا، کیسے ترخ رہی ہے جگہ جگہ رخنے اور دراڑیں پڑ گئی ہیں۔ جس دن یہ گر گئی دوبارہ تعمیر کرتے ہوئے بہت سی ٹوٹی پھوٹی کائی زدہ اینٹیں نکال کر باہر پھینک دی جائیں گی۔ اگرچہ یہ سالوں اس گھر کا حصہ رہی ہیں۔"

وہ جانے کیوں ان کٹھن گھڑیوں میں یاسمین کو مایوس نہیں کرنا چاہ رہے تھے مگر آنے والے لمحات کے لیے انہیں تیار بھی کر رہے تھے۔

"یہ مان لو کہ اس نے ایک دن چلے جانا ہے۔"

"میں اسے نہیں جانے دوں گی۔" وہ ضدی لہجے میں بولیں۔

"روک بھی نہیں سکتیں۔" وہ سرسری انداز سے بولے اور کتاب سیدھی کر کے یونہی دیکھنے لگے۔

"روک سکتی ہوں۔" وہ ذرا دیر بعد جوشیلے لہجے میں بولیں۔ "اگر میں اس کی بات مان لوں تو وہ رک جائے گا۔ کبھی نہیں جائے گا۔"

"کون سی بات؟" احسن الجھن زدہ نظروں سے دیکھ کر بولے۔

"وہ..." اور یاسمین یکدم رک گئیں۔

"عائشہ والی بات اگر احسن کو بتا دی اور ان کے دماغ کی رو پھر سے الٹی چل پڑی تو معاملہ بنتے بنتے پھر سے بگڑ بھی سکتا ہے۔"

"ہر وہ بات جو وہ چاہے گا۔" ذرا دیر میں ہی وہ اپنی بات بدل کر بولیں۔

"ایسی کون سی بات ہے۔" ان کی تسلی نہیں ہوئی۔

"کوئی بھی جو وہ کہے گا۔" وہ صاف نظریں چرا کر بولیں۔

"تو تم مجھے نہیں بتانا چاہتیں۔" وہ اندازہ لگا کر بولے "کچھ ہے جو چھپایا جا رہا ہے۔"

"یہ بات نہیں ایسا تو کچھ بھی نہیں احسن... میں تنزیل کو کھونا نہیں چاہتی، کسی بھی قیمت پر نہیں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولیں۔

"اس کے ماں باپ جیسے بھی سہی... ہم کیسے دعوا کر سکتے ہیں۔ بہتر ہے تم خود کو سمجھا لو کسی بھی طرح... یہ ممکن نہیں ہے اور جس طرح تم سب نے... میں نے بھی کب اس کو دل سے قبول کیا تھا۔ ہاں اگر مجھے پتا ہوتا۔" وہ بھی ایک دم سے رک گئے۔ "کہ وہ سلیم کا بیٹا ہے تب... تو شاید آپ اس سے اس طرح کا سلوک کبھی نہ کرتے ہے نا؟" وہ طنزیہ لہجے میں بولیں۔

احسن مراد نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر سے آنکھیں بند کر لیں۔

"احسن! ایک بات پوچھوں؟" بہت دیر بعد یاسمین کو کچھ سوچ کر خیال آیا۔ اتنے عرصے بعد تو وہ دونوں اس طرح ایک دوسرے کے پاس بیٹھے تھے۔

"محمود عالم تنزیل کو لینے آ سکتے ہیں؟"

"وہ ایسا کر سکتا ہے۔ میں جانتا ہوں۔" وہ بڑبڑائے۔

"اور تنزیل... وہ چلا جائے گا؟" وہ روہانسی سی ہو گئیں۔

کمرے سے باہر نکلتا تنزیل اپنا نام سن کر لمحہ بھر کو ٹھٹک کر رک گیا۔

اتنے زمانوں کے بعد ان دونوں کے یوں ایک دوسرے کے قریب بیٹھنے کا مطلب وہ لمحہ بھر میں سمجھ گیا تھا۔

وہ یاسمین کو جواب سننے کے لیے اندر کی طرف بڑھا پھر رک گیا۔

"نہیں۔ اس کا جواب تو شاید میرے پاس بھی نہیں ہے۔ اس کا جواب تو وقت کے پاس ہے۔ جانے آنے والے وقت میں کیا فیصلہ کروں... ابو نے مجھے دل سے قبول ہی کب کیا ہے اور اب تو ہم دونوں کے درمیان ایک اونچی دیوار اٹھ چکی ہے۔"

"پھر محمود عالم سے انہیں جتنی نفرت ہے اس کے بعد بھی وہ میرا وجود اس گھر میں گوارا کریں گے؟ شاید نہیں اور اس کے بعد مجھے کہاں جانا ہوگا؟"

وہ آہستگی سے پیچھے کی طرف مڑ گیا۔ بہت کچھ منکشف ہو چکا تھا اور بہت کچھ ابھی طے کیا جانا باقی تھا۔

۞ ۞ ۞

تنزیل کو کسی جاننے والے نے ملازمت کے لیے ہوٹل بلایا تھا۔

وہ اس ملازمت کے حصول میں کافی سے زیادہ سنجیدہ تھا۔ اسے ہر حال میں یہ نوکری چاہیے تھی۔

وہ کرسی پر بیٹھا بے چینی سے مطلوبہ شخص کی آمد کا انتظار کر رہا تھا جب اس کی نظر اسی طمطراق سے چلتی ہوئی ریسپشن کی طرف جاتی میڈم یاقوت پر بے اختیار پڑی اور وہ پلک جھپکنا بھول سا گیا۔

چند دن پہلے تک اس عورت کو دیکھ کر لہو میں جو شرارے سے جلتے بجھتے تھے۔ آج ان کی کیفیت ہی کچھ اور تھی۔

وہ ساکت سا پلکیں جھپکائے بغیر دیکھے جا رہا تھا۔

وہ کتنی شان دار عورت تھی۔ چلتی تو یوں جیسے دنیا اس کے قدموں کے نیچے ہو اور سر اٹھاتی تو یوں جیسے آسمان کو طنزیہ نظروں سے دیکھ رہی ہو۔

"اور یہ شان دار عورت میری ماں، میری حقیقی ماں۔" چونکا دینے والا خیال تھا۔ "اور یہ کہتی ہے کہ اس نے میری تلاش میں ایک عمر گنوا دی۔" اس کے خیالوں کی رو کسی اور ہی ڈگر پر چل نکلی تھی۔

"مگر یہ عورت جو جرائم کی کالی دنیا میں اس حد تک دھنس چکی ہے کہ نہ وہ دنیا اس سے الگ کر کے دیکھی جا سکتی

"وہ رحم کے قابل نہ تم ہو نہ میں..... تم تو حمیں میں نے پھر بھی ایک آسان انجام سے دوچار کیا ہے اور اپنے لیے ایک مشکل..... راستہ... لیکن تم جانتے ہو مجھے مشکلوں سے کھیلنا تو ہمیشہ پسند رہا ہے۔ بہت لطف آتا ہے خود کو اذیت دینے میں۔"

انہوں نے زہر آلود مسکراہٹ کے ساتھ اسی چاقو سے اس کے جسم کو جگہ جگہ سے چھیدنا شروع کر دیا۔

"یو رنگ جہانگیر ہمدانی! نشے نے تو تمہارے اندر ایک بوٹی بھی نہیں چھوڑی' صرف یہ بھنبھوڑی ہوئی بے کار ہڈیاں جو کوئی کتا بھی منہ میں لے کر چبانا پسند نہ کرے۔" اس نے چاقو دوبارہ سے اس کے سینے کے دوسری طرف کھبو دیا۔

جہانگیر ہمدانی کے منہ سے آخری کراہ سی نکلی۔ اور اس کی کھلی آنکھوں میں موت ٹھہر گئی۔

میڈم یاقوت نے اپنے ہاتھ دھوئے اور اس کے پاس سے گزرتے ہوئے اپنے ہائی ہیل جوتے کی ایک ٹھوکر اس کے مردہ وجود کو لگائی۔

"دیکھو میں ایئرپورٹ کے لیے نکل رہی ہوں۔ اب شاید ہی واپس آؤں۔ تمہاری ساری برانچز کا ریکارڈ... جو جو میں بتا رہی ہوں... بلکہ یوں کرو سب کو آگ لگا دو' سب کچھ سمجھ رہے ہو نا ہاں میں بس نکل رہی ہوں بائے۔ اور سنو کچھ نہیں بچنا چاہیے اوکے۔"

مطمئن لہجے میں کہہ کر انہوں نے سیل فون آف کر دیا۔

اور بیگ میں اپنا سامان چیک کرنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

"مجھے اب یہاں نہیں رہنا۔" وہ توقف سے بولی۔ دونوں نے چونک کر عزہ کو دیکھا۔

"پاپا! مجھے ہائیر اسٹڈیز کے لیے ابروڈ بھیج دیں یا... میں خود بھی جا سکتی ہوں۔ You Know۔"

وہ نظریں چرا کر انگلیاں موڑتے ہوئے بولی تو دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئے۔

"اور یہ مت کہیے گا کہ آپ کو میری شادی کر کے بدنامی کی مصیبت سے جان چھڑانی ہے۔" وہ [illegible] بولی۔

"میں نے زندگی بھر شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور کوئی مجھے اس کو بدلنے کے لیے [illegible]"

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟" سارہ شاک سے نکل کر بولیں۔ وہ عزہ کے رویے سے پہلے ہی [illegible]

"وہی جو میں نے طے کیا ہے پاپا! آپ تو میری فیور کریں گے نا۔ آپ تو چاہتے تھے نا۔ میں اعلا تعلیم حاصل کروں اور آپ کا..." وہ ایک دم سے رک گئی۔

"مگر اس طرح نہیں۔" وہ دکھ سے بولے۔

"ہاں اس طرح تو آپ نے واقعی نہیں چاہا ہو گا اور شاید [illegible] سوچا تھا مگر پاپا! اب اس کے سوا میرے پاس اور کوئی آپشن نہیں۔ آپ کے پاس بھی نہیں۔"

"ایسے نہ کہو۔ تم... کوئی نہ کوئی..." وہ اسے [illegible] دینا چاہتے تھے کہ ایسا کچھ انہیں ہوتا نظر بھی نہیں آ رہا تھا مگر پھر بھی وہ عزہ کو اپنی طرف سے ایک بار [illegible] مایوس کر کے اسے گھر سے باہر کا رستہ نہیں دکھانا چاہتے تھے۔ وہ اگرچہ وہ پہلے سے دیکھ چکی [illegible]

"ایسا کچھ نہیں کہا پاپا۔" وہ [illegible] بولی۔ "دائم کے پیرنٹس آپ کو انکار کر چکے ہیں۔ اور ان سے دوبارہ اگر آپ بات کریں گے [illegible] کوشش کریں گے تو میں خود کو ختم کر لوں گی مگر ایسا نہیں ہونے دوں گی۔"

وہ پہلے سے زیادہ ضدی [illegible] ہوئی۔

"میں ایسا کچھ نہیں کروں گا۔ تم فکر نہیں کرو۔"
"اور آپ کے وہ دوست صاحب بھی بے فکر ہی رہیں۔ ایسی ہمدردی اور دوستی نبھانے کے موڈ میں نہیں' بات اپنے گھر پہ جو آتی ہے۔" سارہ طنز کرنے سے نہ چوکیں۔
محمود صاحب نے اس کی بات ان سنی کردی۔
"اس کے بعد جو پاپا I have to go پلیز' ورنہ شاید میں بیمار پاگل ہو جاؤں گی۔"
"او کے جو تم چاہو۔" وہ جیسے تھک کر بولے۔
اور اس وقت اس سے بہترین آپشن شاید اور کوئی ہو بھی نہیں سکتا تھا۔
"میں چند دنوں میں سب انتظام کروا دیتا ہوں۔ تم اب کوئی ٹینشن نہیں لوگی۔"
وہ سارہ کی طرف جتاتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولے
"ایک اور ریکوئسٹ۔" محمود جانے لگے تو عزہ پیچھے سے بولی۔
"آپ کو اور ماما کو اگر ایک دوسرے کو معاف کرنا نہیں آتا تو یوں ساتھ رہنے سے بھی کیا حاصل؟ لیکن پھر بھی" اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے "میں یہ تو نہیں کہوں گی کہ میری خاطر اب تو وہ وقت بھی گزر چکا۔ آپ کے جھگڑوں سے آپ دونوں کا کچھ بنا یا بگڑا۔ آئی ڈونٹ نو مگر مجھے برباد کرنے میں ان جھگڑوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی صرف اتنا سوچ لیجیے اب یہاں کچھ ایسا نہیں جسے آپ نے تباہ کرنا ہے۔"
"اور مما!" وہ مڑ کر ماں کے کندھے تھام کر بولی۔ "آپ کو پاپا نے اگر چھوڑنا ہوتا تو شاید شادی کی رات ہی چھوڑ دیتے مگر وہ نبھانے کی کوشش کرتے رہے۔ کیا ایسی کوشش آپ نے بھی کبھی کی۔ ایمان داری سے خود سے پوچھئے گا ضرور۔"
محمود صاحب نے گہرا سانس لیا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔ سارہ گم صم سی کھڑی تھیں۔ عزہ کچھ سوچ کر تیزی سے باہر کی طرف بڑھ گئی۔
"پاپا!" وہ چونک کر مڑے۔
"ایک بار اس عورت سے معافی ضرور مانگ لیں جو آپ کی وجہ سے نیلم سے یاقوت بنی۔ اس کی وجہ سے نہ سہی تو اپنے لیے..... آپ کے لیے یہ معافی شاید سکون کا کوئی دروازہ کھول دے۔" وہ اسی طرح [illegible] بے حس کھڑے رہے۔
عزہ کچھ دیر انہیں دیکھتی رہی اور پھر لان کی طرف بڑھ گئی۔
یہ خزاں کے دن تھے اور ہرے بھرے لان میں ہر طرف زرد پتوں کا ڈھیر لگا تھا اور ان پر چلتی تیز ہوا انہیں ادھر ادھر اڑائے پھر رہی تھی۔
"یہ ڈال سے ٹوٹے پتے۔ اب بھی اپنی شاخوں سے نہیں [illegible] آج سے اس گھر میں تین اجنبی رو رہے ہیں اور کچھ دنوں بعد دو..... اور پھر شاید..... ایک۔" وہ [illegible] کھڑے درختوں کی ٹنڈ منڈ شاخوں اور سرد ہواؤں سے اڑتے پتوں کو دیکھنے لگی۔

☆ ☆ ☆

دائم ابھی بھی جھنجوڑ کر نیم خوابیدہ [illegible] جھولتی لائبہ کو بمشکل سیدھا کر کے بٹھاتا وہ پھر سے ایک طرف ڈول جاتی۔

اس نے پاس پڑے پانی کے گلاس سے ڈھیر سارا پانی اس کے منہ پر چھڑک دیا۔
"اونہوں۔" اس نے ناگواری سے منہ دوسری طرف کیا۔
"کہاں تھیں تم اتنے دنوں سے؟" وہ اسے ٹشو پکڑاتے ہوئے بولا۔
"مام! کہاں چلی گئیں..... اور میں سو کیسے گئی؟" یک دم اسے خیال آیا تو اپنے چکراتے سر کو تھام کر بیڈ سے اترنے لگی۔
"میں نے مام کے ساتھ کافی پی اور اس کے بعد..... تو وہ میرے ساتھ ہاتھ کر گئیں۔" وہ خود سے باتیں کر رہی تھی۔
"کیا ہو گیا ہے تمہیں میں تم سے کیا پوچھ رہا ہوں۔" وہ جھنجلا کر بولا۔
"دائم! تم نے مام کو دیکھا و باہر [illegible]" [illegible] بھرے انداز میں بولی۔
"وہ تمہیں ہیں [illegible]"
وہ ادھر ادھر ہاتھ مار کر اپنا سیل فون تلاش کرنے لگی جو نیچے کارپٹ پر گرا تھا۔ دائم نے جھک کر سیل فون اسے دیا۔
وہ تیزی سے نمبر [illegible]
"سیل [illegible] دوسرا نمبر بھی بند' مام کہاں ہوں گی آئی نو۔" وہ تیزی سے اٹھ کر باہر جانے لگی۔
"لائبہ [illegible] میں تمہارے ساتھ آتا ہوں۔ تم یہ سب کیا کر رہی ہو۔ کچھ مجھے بھی تو سمجھاؤ۔ میں یہاں تمہاری [illegible] کے پاس ہی تو آیا تھا۔ کام تھا مجھے ان سے۔" وہ اس کے ساتھ تقریباً دوڑتا ہوا باہر نکلا۔
"کیا کام تھا؟" وہ الجھن بھرے انداز میں بولی۔
"تم جوتے تو پہن لو۔" وہ اس کے ننگے پاؤں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔
"او ہاں۔" وہ تیزی سے مڑی اور جوتے پہن کر اس کے پاس آگئی۔
"میں تمہیں لے چلتا ہوں تا جہاں جانا ہے۔ مجھے تمہاری حالت اتنی اچھی نہیں لگ رہی۔" وہ اس کے ڈولتے قدم دیکھ کر اسے سہارا دیتے ہوئے بولا۔
"ہوں چلو..... پتا نہیں مام نے کافی..... جبکہ مجھے یقین بھی تھا کہ وہ ہاتھ کرنے سے باز نہیں آئیں گی مگر پھر بھی۔" وہ اپنی پیشانی دباتے ہوئے بولی۔
"انہوں نے تمہیں کافی میں کچھ ملا کر دیا تھا؟" دونوں گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔
وہ خاموش رہی۔ دائم نے گاڑی اسٹارٹ کردی۔
"مگر کیوں..... کیوں کیا ایسا انہوں نے؟"
"کیونکہ میں نے ان کی مرضی کے خلاف نکاح کر لیا تھا۔"
"واٹ!" دائم کا پیر بالکل لاشعوری طور پر بریک پر دبتا چلا گیا۔ دونوں بمشکل سنبھلے۔
"مذاق کر رہی ہو نا تم؟" وہ کافی دیر بعد بولا۔
ہم دونوں میں جو مذاق کا تھا فیز وہ گزر چکا۔ فیکٹ بتا رہی ہوں تمہیں۔" وہ جذبات سے عاری آواز میں بولی۔
دائم کو وہ بہت بدلی بدلی سی محسوس ہو رہی تھی۔
"کب..... کب کیا تم نے نکاح اور کس سے؟"
"تم پلیز ڈرائیونگ کی طرف دھیان دو۔ ہمیں ہوٹل پہنچنا ہے۔ مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ کچھ گڑبڑ ہو

بچکی ہے۔ ام ایسے آرام سے کچھ بھی نہیں کرنے والی۔ انہوں نے۔" وہ پریشانی سے لب چبا کر خاموش ہو گئی۔

"تو تم مجھ سے کچھ بھی شیئر نہیں کرو گی؟" دائم کو اس کے رویے سے دکھ سا ہوا۔ ان دونوں کے بیچ کبھی بھی ایسی اجنبیت نہیں آئی تھی۔

"بتا تو چکی ہوں نکاح کیا تھا اور کس سے یہ تمہیں ابھی ہوٹل پہنچ کر پتا چل جائے گا اور تم اتنے فارغ کب سے ہو گئے کہ میرے لیے یوں فکر مند ہوتے پھرو۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی طنز سے بولی۔

"تم مجھے کبھی سمجھ ہی نہیں سکیں۔" وہ رنجیدہ لہجے میں بولا۔

"میں ہی تو تمہیں سمجھی ہوں۔" وہ زیر لب بولی۔

"پلیز ذرا جلدی۔" وہ آنکھیں بند کر کے سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر بیٹھ گئی۔

"مگر میں تمہارے ساتھ کچھ شیئر کرنا چاہتا ہوں۔ جو تم سے بھی Related ہے۔" وہ اس طرح آنکھیں بند کر کے بیٹھی رہی۔ "کیا تمہیں اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں۔" اس کا انداز دیکھ کر دائم بولا۔

"میں سن رہی ہوں۔ تم بولتے رہو۔" وہ اسی طرح آنکھیں بند کیے بولی۔

گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ لائبہ نے بے اختیار آنکھیں کھول دیں۔

ان کی گاڑی عالم ولا کے سامنے کھڑی تھی۔

"یہ کہاں لے آئے تم مجھے؟" وہ کچھ حیرانی اور تھوڑی ناگواری سے بولی۔

"ایک نہ ایک دن تو تم نے یہاں آنا ہی تھا۔ تو یہ اچھی بات ہوئی کہ تم میرے ساتھ آئیں۔ آؤ تمہیں کسی سے ملواتا ہے۔" وہ گاڑی بند کرتے ہوئے بولا۔

"ہرگز نہیں۔ مجھے کسی سے نہیں ملنا۔ پلیز مجھے ہوٹل پہنچنا ہے۔ مجھے پہلے ہی دیر ہو چکی ہے ہم ادھر پھر آ جائیں گے۔" وہ اسی طرح بے چین سی بیٹھی رہی۔

"صرف دو منٹ کے لیے زیادہ دیر نہیں رکیں گے۔ آئی پرامس۔" وہ ملتجی لہجے میں بولا۔

"دائم! تم بالکل نہیں سمجھ رہے ہو۔ میں اس وقت جس پچویشن میں پھنسی ہوں معلوم نہیں ہام نے کیا کر لیا ہو گا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔" اس کا دل بری طرح سے گھبرا رہا تھا۔

"تم جانتی ہو میں تمہیں یہاں کس سے ملوانے کے لیے لایا ہوں؟" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکالتے ہوئے بولا۔

"مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں۔ پلیز تم مجھے جانے دو۔ اگر تم نے یہاں رکنا ہے تو..." وہ ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی۔

"تمہیں بہت تجسس تھا ناکہ تمہارے فادر کون ہیں؟ کہیں وہ کوئی ایسا شخص تو نہیں کہ تم اسے قبول ہی نہ کر سکو۔ آؤ تمہیں تمہارے فادر سے ملواؤں۔ وہ تمہارا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔" لائبہ بے یقین نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"ملیوی آؤ تو۔" وہ زبردستی اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گیا۔

☆ ☆ ☆

تنزیل بے حس نظروں سے سامنے ہوٹل کی انٹرنس کو دیکھے جا رہا تھا۔

وہ وہاں سے نکل کر اس ہوٹل کے مقابل ایک دوسرے ہوٹل میں آ کر بیٹھ گیا تھا جہاں سے سڑک پار اس ہوٹل کا گیٹ صاف نظر آ رہا تھا۔

اس نے اپنی نظروں کے سامنے کبھی کسی کو یوں قتل ہوتے نہیں دیکھا تھا اور وہ جو دن رات جہانگیر ہمدانی کو مارنے کے منصوبے بناتا رہتا تھا۔ یہ تو اسے پتا ہی نہیں تھا کہ سامنے آنے پر وہ کبھی بھی اسے یوں اپنے ہاتھوں سے مار نہیں سکے گا۔ کسی جیتے جاگتے ذی روح کے بدن سے یوں زندگی کھینچ کر نکالنا بھی آسان نہیں جتنا اس نے سمجھ رکھا تھا۔

بار بار اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہو رہے تھے۔

"اور اس عورت کی دیدہ دلیری۔ اگرچہ اس شیطان کا مرنا ایک بہت اچھی بات تھی مگر اس طرح سے مارنا اور انہوں نے مجھے کمرے سے نکال کر روانہ بھی لاک کر لیا۔ وہ کیا کرنا چاہتی ہوں گی؟ اس کی تو ساری زندگی اسی طرح کے کاموں میں گزری ہے۔ ایک اور قتل ورنہ اس کے لیے کیا مشکل ہو گا۔"

"کاش آپ ایسی نہ ہوتیں" یہ خواہش اس کے دل میں ابھری۔

"ورنہ اتنی شاندار عورت کو ماں کہلاتے میں میں کتنا سر اونچا کر کے چلتا مگر۔" دفعتاً اس کا سیل فون بجنے لگا۔

دوسری طرف عائشہ ہماری تھی۔ بے چین اور پریشان سی۔

"تم کہاں ہو؟ کتنے دنوں سے فون بھی نہیں کیا۔ آئے بھی نہیں۔" وہ تیزی سے بولتی چلی گئی۔

"میں آؤں گا۔ ایک نیوز ہے تمہارے لیے عائشہ!" وہ بے دھیانی سے لہجے میں بولا۔ نظریں تو اس کی سامنے جمی ہوئی تھیں۔

"جہانگیر ہمدانی قتل ہو گیا اپنی پارٹنر کے ہاتھوں۔" اس کی زبان پر چڑھ ہی نہیں سکا کہ میڈم یاقوت کا نام لیتے عجیب سی جھجک مانع آ رہی تھی۔

"کیا۔ کیا کہہ رہے ہو تم۔ نیند میں ہو کیا۔ جہانگیر ہمدانی۔ ان بلیوایبل۔" وہ یقین کرنے کو تیار نہیں تھی۔

"میں خود اسے اپنی آنکھوں سے خون میں نہایا ہوا دیکھ کر آیا ہوں۔" وہ اس کے لہجے سے متاثر ہوئے بغیر بولا۔

عائشہ گنگ سی رہ گئی۔

"کس۔ کس نے مارا اسے؟"

"تمہاری میڈم نے اور کس نے؟" اب کے بھی وہ نام نہیں لے سکا تھا۔ کچھ جھنجلا کر بولا۔

"میڈم یاقوت" وہ دہرا کر بولی۔ "ناقابل یقین" ان دونوں کی دوستی تو ان کے حلقے کی سب سے ہاٹ اسٹوری تھی۔

"اور تم اس وقت کہاں ہو۔ کیا ان لوگوں کے قریب؟" وہ ذرا دیر بعد بولی۔

"ہاں آس پاس ہی سمجھو۔" وہ گیٹ پر نظریں جما کر بولا۔

"تم نکلو فوراً وہاں سے۔ تم پاگل تو نہیں ہو گئے۔ تنزیل! تمہیں پتا نہیں ہے وہ عورت تمہیں کس طرح سے پھنسوا سکتی ہے۔ تم سے کتنی نفرت ہے اسے وہ کچھ بھی کر سکتی ہے۔ پلیز اٹھ آؤ وہاں سے۔" وہ پریشانی سے کہتی چلی گئی۔

"فکر نہیں کرو۔ اب وہ ایسا کچھ نہیں کرے گی۔ کم از کم میرے ساتھ۔" وہ سکون سے بولا۔

"کیوں۔ تمہارے ساتھ اب وہ ایسا کیوں نہیں کرے گی بھلا؟"

"بتاؤں گا پھر کبھی فرصت سے۔ اب تم فون بند کرو۔ میں فارغ ہوتے ہی تمہاری طرف چکر لگاؤں گا۔ خدا

حافظ [illegible] کر اس نے فون بند کر دیا۔
پولیس کی گاڑیاں تیز تیز سائرن بجاتی ہوٹل کے گیٹ سے اندر داخل ہو رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"معلوم نہیں یہ تنزیل کہاں رہ گیا۔ صبح کا نکلا نہ گھر آیا ہے نہ فون اٹھا رہا ہے۔ کہیں اس کا ارادہ تو نہیں بدل گیا۔ اسے مجھے کچھ تو بتانا چاہیے۔" یاسمین پیر جلی بلی کی طرح صحن میں پھر رہی تھیں۔

"اب تم کسی بھول میں نہیں رہنا جیسے بھی سہی اس کے ماں باپ کروڑ پتی ہیں ایک جائز دوسرا ناجائز دھن کا مالک سہی ہیں تو پیسے والے اور اتنے مال دار والدین کو چھوڑ کر اس نے اس اینٹوں کی چار دیواری میں آ کر کیا کرنا ہے۔" ثریا بانو تو تھوڑی دیر پہلے انہیں یوں بے حسی سے پھرتے دیکھ کر طعنہ دے کر جا چکی تھیں۔

یاسمین کا دل اور بھی پریشانی میں گھر گیا۔

تنزیل ایسا نہیں یہ تو ان کے دل کو یقین تھا مگر کس لمحے دل کیا فیصلہ کر بیٹھے انہیں یہ تو پتا نہیں تھا۔ تنزیل جیسا متلون مزاج انسان جو آج تک کسی ایک فیصلے پر قائم نہیں رہ سکا۔

"اور اماں بھی غلط نہیں کہتیں۔۔۔ وہ بھلا اس بھوک ننگ اور پریشانی میں کیوں آئے گا۔ ثانیہ کا بھی پوچھتی ہوں تو کہتا ہے وہ خیریت سے ہے۔ آپ فکر نہیں کریں میں اسے تھوڑے دنوں میں لے آؤں گا۔ اب وہ یہاں کیسے آسکتی ہے۔ احسن بھی اسے قبول نہیں کریں گے۔" وہ تھکی تھکی سی تخت پر بیٹھ گئیں۔

"اسی وقت دروازہ کھلا اور درخشندہ کچھ جھجکتی ہوئی اندر داخل ہو گئیں۔

"آیئے آیئے بہن!" یاسمین خوش دلی سے مسکرا کر ان کی طرف بڑھیں۔
سلام دعا کے بعد وہ اسے ڈرائنگ روم میں لے جانے لگیں۔

"نہیں بہن! مجھے زیادہ دیر نہیں بیٹھنا۔ آپ سے اور آپ کے بیٹے تنزیل سے ملنا تھا اور معافی مانگنا تھی۔" وہ تخت پر ان کے ساتھ ہی بیٹھتے ہوئے انکساری سے بولیں۔

"معافی کس بات کی؟" یاسمین کی سمجھ میں نہیں آیا۔ "میں نے اس معصوم بچے کو اس کی ماں سے جدا کر کے۔۔۔ پھر آپ لوگوں نے جس طرح جس بھی نظریے سے اس کی پرورش کی ایک بالکل غیر فطری [illegible] مدعا بیان نہیں کر پا رہی تھیں۔

"ممتا کبھی بھی غیر فطری نہیں رہی اور تنزیل نے تو جیسے میرے اندر کی پیاس کو [illegible] نہیں پتا آپ نے یہ سب کیوں کیا۔ مگر میرا اللہ شاہد ہے۔ میں نے کبھی اس کو خود سے [illegible] اپنی اولاد سے جدا نہ کبھی یہ خیال آیا کہ اس نے میری کوکھ سے جنم نہیں لیا۔" وہ آنکھوں [illegible]

"یہ آپ کا بڑا پن ہے ورنہ آج جتنی بھی پیچیدگیاں ہوئی ہیں [illegible] عمل سے جس کے لیے میں دل میں سب ہی سے شرمندہ ہوں۔" درخشندہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا [illegible] شرمندگی کا اظہار کریں۔

"نہیں آپ کے اس عمل سے پہلے جو سلوک [illegible] ہو چکا تھا اور پھر اس کے بعد محمود بھائی نے۔۔۔ کاش وہ اس لمحے ذرا سا سوچ لیتے تو یہ سب [illegible] یہ۔۔۔ شاید اسی طرح ہونا تھا۔ میں آپ کے لیے چائے لے کر آتی ہوں۔" وہ اٹھنے لگیں۔

"نہیں بہن! اس وقت نہیں [illegible] تنزیل سے ملنے آئی تھی اس کی تو دائم سے بھی اچھی دوستی ہے اور

[illegible] شروع ہی سے پسند آیا تھا مجھے تم کو تھوڑا اکھڑ سا۔"

"وہ ایسا ہی ہے۔" یاسمین مسکرائیں۔ "ابھی گھر پر نہیں آپ کچھ دیر انتظار کریں آجاتا ہے ابھی۔"

"پھر تو آپ چائے بنا ہی لیں۔ بیٹھ کر کچھ باتیں بھی کر لیں گے۔" درخشندہ خوش دلی سے بولیں تو یاسمین مسکراتے ہوئے چائے بنانے چل دیں۔

☼ ☼ ☼

دونوں بے یقینی سی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے مگر آگے بڑھ کر بات کرنے یا گلے لگنے [illegible] شاید دونوں میں ہی نہیں تھی۔ محمود عالم تو لائبہ سے نظریں بھی نہیں ملا رہے تھے۔

"کیا آپ دونوں کو خوشی نہیں ہوئی [illegible] دونوں کو یوں لاتعلق سا کھڑا دیکھ کر بولا۔

"ہوں [illegible] میری ماں [illegible] ہیں [illegible] بچا نے والے یہ نہ ہوتے کوئی اور ہوتے۔" لائبہ زہرخند لہجے میں بولی تو دونوں نے چونک کر اسے [illegible]

"اب [illegible] جانتی ہوں [illegible] یہ کیا تھے اور انہوں نے کیا کیا میری ماں کے ساتھ اب کس دعوے کے ساتھ مجھے بیٹی کہہ سکتے [illegible] مجھے اس دنیا میں لانے کا محض ایک سبب تھے اور بس۔ اس سے زیادہ تو یہ کچھ بھی نہیں لگتے [illegible] بولتی چلی گئی۔

[illegible] اور میری ماں مجھے اپنے ماحول اپنی زندگی سے بچانے کے لیے خود سے دور دور رکھنے کے لیے [illegible] رہی۔ کبھی بورڈنگ میں کبھی ہاسٹل میں کبھی اس شہر کبھی اس ملک میں جیسے ایک بے جڑ کا پودا [illegible] سے بچھڑا جگہ جگہ دھکے کھاتا پھر رہا ہے۔ مجھے نہ ماں مل سکی نہ باپ۔ اور ان کو تو شاید یہ بھی خبر نہیں ہوگی کہ ان کی کوئی بیٹی بھی ہوگی۔ ایم آئی رائٹ فادر؟" اور محمود عالم کو لگ رہا تھا آج پھر سے یوم حساب کی گھڑیاں آگئیں [illegible] پیشانی سے پھوٹتا پسینہ وہ چاہنے کے باوجود صاف نہیں کر پا رہے تھے۔

"مگر اس کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے لائبہ! کہ یہ تمہارے باپ ہیں۔ تمہیں صرف دنیا میں لانے کا سبب ہی مگر۔" دائم ان کی حالت دیکھ کر صفائی دینے کو بولا۔

"پلیز دائم! تم درمیان میں نہیں آؤ اٹس ناٹ یور کنسرن۔" وہ ایکدم سے اجنبی لہجے میں بولی۔

"میں جانتا ہوں۔ میں نے کیا کیا اور میں کس سلوک کا مستحق ہوں۔ حتی کہ میں تم لوگوں سے معافی بھی نہیں مانگ سکتا۔ نہ تم سے نہ [illegible] سے نہ تنزیل سے۔" وہ ٹوٹے لہجے میں بولے۔

"تنزیل سے؟" لائبہ چونک کر دہرائی۔

"تمہارا اونلی برادر۔" دائم آہستگی سے بولا۔

اور وہ بے یقین نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

بے اختیار اس کے لب خفیف سا مسکرائے تھے۔ "تنزیل وہ جذباتی سا اور تھوڑا بے وقوف سا لڑکا جو اسے اغوا کر کے خود اس کی مدد چاہ رہا تھا۔۔۔ تو وہ میرا بھائی ہے۔۔۔ میرا حقیقی بھائی۔"

اسے عجیب سی خوشی کا احساس ہوا۔

"دائم حسام میرا بھائی سمجھ رہی تھیں۔ تھینک گاڈ!"

"لیکن اس کے باوجود جب تک میں زندہ ہوں۔ میری سانسیں چل رہی ہیں میں تم سے تمہاری ماں سے اور تمہارے بھائی سے معافی مانگتا رہوں گا۔ مجھے اب اور کچھ چاہیے بھی نہیں۔" وہ انتہائی شکست خوردہ لہجے میں

بولے اتنی تو ڈھیر ہو چکی تھی کہ اب تو ان میں مزاحمت کرنے کا ان کا دکھانے کا خود کو کھڑا رکھنے کا حوصلہ بالکل ختم ہو چکا تھا۔

وہ نڈھال سے کرسی پر بیٹھ گئے۔

"آپ ٹھیک ہیں نا انکل؟" دائم تشویش سے بولا۔ لائبہ لاتعلق سی کھڑی رہی۔

"ہوں ٹھیک ہوں۔ تمہارا شکریہ میں تمہیں مسلسل تکلیف دے رہا ہوں۔"

اسی وقت عزہ اندر داخل ہوئی اور ان دونوں کو دیکھ کر بے اختیار ٹھٹک کر رک گئی۔

تینوں کو خاموش دیکھ کر واپس مڑ کر جانے لگی۔

"شاید میں غلط وقت پر آ گئی۔" وہ زیر لب بولی تھی۔

"یہ لائبہ ہے۔ میڈم یاقوت کی بیٹی۔" دائم نے تعارف کرانا چاہا۔

"جانتی ہوں۔" عزہ تلخی سے بولی۔ "اینڈ مائی اسٹیپ سسٹر آلسو"

"اور ان سب سے بڑھ کر آپ کی فاسٹ فرینڈ"

"ہو وانٹ ٹو میری یو...... ایم آئی رائٹ۔" وہ دائم کے سامنے آ کر بولی۔

دائم کچھ دیر تو بول ہی نہیں سکا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے' بے فکر رہو اور اگر ہوتا بھی تو۔۔۔ میری شادی ہو چکی ہے۔" لائبہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی۔

محمود عالم اور عزہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"چلیں دائم! یا تم ابھی رکو گے۔ آئی ایم گیٹنگ لیٹ۔" وہ دائم کو دیکھ کر بولی۔

"ہوں۔۔۔ ہاں چلو۔ اوکے انکل!" دائم گہرا سانس لے کر جانے کو مڑا۔

"ایک منٹ لائبہ!" محمود عالم تیزی سے اس کی طرف آئے۔ "تم آؤ گی نا پھر یہاں؟" وہ بے قراری سے بولے۔

لائبہ کچھ دیر انہیں یونہی دیکھتی رہی پھر نفی میں سر ہلا کر باہر کی طرف جانے لگی۔

اسی وقت دائم کے فون کی بیپ بجی۔

وہ فون سننے کو رک گیا۔ لائبہ اس کے فارغ ہونے تک کھڑی ہو گئی۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو؟" دائم کی حیران پریشان سی آواز نے کمرے میں موجود تینوں نفوس کو چونکا دیا۔

"اوکے میں آ رہا ہوں۔" دائم نے تھکن زدہ انداز میں فون بند کر دیا۔

"میڈم یاقوت نے جہانگیر ہمدانی کو قتل کر دیا۔"

"کیا؟" لائبہ زور سے چلائی اور بے یقین نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"جھوٹ۔۔۔ ماما ایسا نہیں کر سکتیں۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے خود سے بولی۔ اور تیزی سے بھاگتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ دائم بھی اس کے پیچھے نکل گیا۔ محمود عالم گم صم سے وہیں کھڑے رہ گئے۔

عزہ نے ایک جتاتی ہوئی نظر اپنے باپ پر ڈالی اور باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

"کاش وہ اس وقت قتل ہو جاتا جب مجھ سے ملا تھا۔" تانیہ تلخی سے عائشہ کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

عائشہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔ وہ اسے کیا بتاتی۔ خود اس نے اذیت کی ہر گھڑی میں اس شیطان کے کس طرح

اس کی کتنی دعائیں کی تھیں اور ہر بار مایوس ہوئی تھی اور آج اس کے قتل کی خبر سن کر یوں لگ رہا تھا جیسے یہ تو ایک عام سی بات تھی معمولی سا واقعہ کہ یہ تو ہونا ہی تھا۔

"اور اس یاقوت کا اس کو مارنا۔۔۔ اس سے بھی زیادہ سکون دینے والی بات ہے۔۔۔" کس قدر شاطر عورت ہے تم تو سب جانتی ہوگی اسے۔"

"اتنے سال اس کے ساتھ کام کیا تھا تم نے خود تو وہ نکل گئی۔" تانیہ اسی لہجے میں بولی۔ ان دونوں کے لیے اس کے دل میں کتنی نفرت تھی وہ چاہتی بھی تو بیان نہیں کر سکتی تھی۔

"اس طرح کے بہت سے اندھے قتل ان ... ہیں۔ سطح آب پر پھینکنے کے لیے ایک پتھر کے جتنی ہلچل ہوتی ہے اور کچھ عرصے بعد پھر سے وہی رو روٹین میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔" عائشہ بے تاثر لہجے میں بولی۔

"پتا نہیں کیوں مجھے عجیب سی بے چینی ہو رہی ہے۔ عائشہ! ایک بات پوچھوں؟" تانیہ کے چہرے پر خوف سا تھا۔

"کیا اس طرح خود کو ان سے الگ کر لینا نہیں بھی چھپ کر بیٹھ جانا بہت آسان ہے۔ اس گندگی سے نکل آنا۔ مجھے رات بھر نیند نہیں آتی کھڑکیاں دروازے اٹھ اٹھ کر لاک کرتی ہوں مگر پھر بھی ایسا عجیب سا خوف ہے جسے میں خود سے بھی ... جیسے ابھی کوئی آئے گا اور مجھے دبوچ کر لے جائے گا اور یہ جہانگیر۔" اس نے نفرت سے ...

"مجھے ... بہت سے دن اور بہت سی راتیں میں نے بھی ایسی ہی گزاری ہیں اور ابھی بھی۔۔۔ اگر بھائی نہ ہوتے تو شاید میں خودکشی کر لیتی بہت بار سوچا بھی اور عمل بھی کرنا چاہا اور بابا کی وفات کے بعد تو میں یہ ضرور ہی کر ... اب نہیں۔"

"جانے کیسا عجیب سا سکون ہے کہ اب وہ لوگ چاہیں بھی تو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور اگر کچھ کر بھی لیں تو کیا ہے۔ یہ آخری چند دن میں نے اپنے گھر کی پرسکون عافیت بھری فضا میں گزارے ہیں۔ میرے بھائی نے میرے ماضی کے بارے میں جانتے ہوئے بھی مجھے نہیں دھتکارا۔ میری مجبوری کو میرا دھوکا نہیں سمجھا۔ یہی طمانیت یہی سکون مجھے بہت نارمل رکھے ہوئے ہے۔"

"اور میرے پاس تو یہ بھی نہیں۔" تانیہ مایوسی سے بولی۔ اس کا چہرہ اور بھی مرجھا سا گیا تھا۔

"ابو کو تو میں جانتی تھی' وہ مجھے قبول نہیں کریں گے گمراہی۔۔۔ امی نے بھی اپنی دونوں بیٹیوں کے مستقبل کے خوف سے مجھے نکال کر کاٹ کر الگ کر کے پھینک دیا اور تمہارے سامنے اتنے دنوں میں ایک دن بھی انہوں نے یہ کھوجنا نہیں چاہا کہ میں کہاں ہوں یا مجھ سے بات کرنے کی تڑپ یا کچھ بھی۔۔۔ میرے ہاتھ تو بالکل خالی ہیں۔"

"تنزیل نے وعدہ کیا ہے نا' وہ ان دونوں کو ضرور ساتھ لے کر آئے گا۔ ماں باپ کے دل اتنے سخت نہیں ہو سکتے۔" عائشہ نے اسے تسلی دینا چاہی۔

"جب بیٹیاں اس طرح گھر سے باہر راتیں اور دن گزار آئیں تو پھر ماں باپ کے دل سخت ہو جایا کرتے ہیں۔" وہ یاسیت سے بولی۔ "اور کبھی میرا دل ایسی وحشت سے بھر جاتا ہے کہ جی چاہتا ہے یہاں سے نکلوں اور پھر سے اسی دنیا میں۔۔۔" عائشہ نے بے اختیار اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ایسا سوچو بھی مت کہنا تو دور کی بات منہ سے نکلی بات اکثر قبول بھی ہو جایا کرتی ہے اور خدا نہ کرے تم اس دلدل میں دوبارہ۔۔۔"

"دوبارہ کیوں؟" تانیہ تیزی سے اس کی بات کاٹ کر بولی "مجھے تو ابھی بھی یہ یقین نہیں آیا کہ میں وہاں سے

نکل بھی آئی ہو یا نہیں۔"

"آجائے گا یقین بھی جہانگیر کے بعد اگر حیدر میا قوت بھی۔"

"کیا صرف یہ دونوں ۔۔۔ نہیں عائشہ! صرف یہ دونوں نہیں ان کے بہت سے رائٹ اینڈ لیفٹ ہینڈز ان سے بھی زیادہ ظالم اور بے رحم ہیں جن میں میں یہ چند ماہ گزار کر آئی ہوں۔ یہ لوگ معاف کرنا نہیں جانتے۔"

"تم اس وقت بہت مایوس ہو۔ میں ابھی تمہیں یہ خبر سنانا نہیں چاہتی تھی مگر تمہارے لیے۔ تم کچھ تو حوصلہ کرو۔" عائشہ مسکراتی ہوئی اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

"بھائی سے میں نے پوچھا تھا وہ تم میں انٹرسٹڈ بھی ہیں اور ۔۔۔ تم سے شادی بھی کرنا چاہتے ہیں۔"

"مگر میں ایسا نہیں چاہتی۔" تانیہ آہستگی سے بولی۔

"پاگل ہو گئی ہو؟" عائشہ اسے دیکھ کر بولی۔

"نہیں عائشہ! میں اس قابل نہیں ہوں۔ تمہارا بھائی اتنا اچھا انسان ہے کہ اس کے لیے کوئی اتنی ہی اچھی ان چھوئی لڑکی ہونی چاہیے اور مجھ جیسی تو ہزاروں نہیں تو سینکڑوں ہاتھوں کی مسلی ۔۔۔ نہیں عائشہ! یہ بہت مشکل ہے۔ میں اب ایک شریف با عصمت بیوی بننے کے قابل نہیں رہی ایک شریف شخص کے قابل ۔۔۔ نہیں عائشہ میں اگر اس دلدل سے نکل بھی آئی تو بھی شادی نہیں کروں گی ۔۔۔ کبھی نہیں اگر اسامہ مجھ سے بات کریں گے بھی تو میں منع کر دوں گی یہ ممکن نہیں۔"

اور عائشہ گم صم سی اسے دیکھتی رہ گئی نہ جواب میں کچھ کہہ سکی نہ کوئی اسے جھوٹی تسلی دے سکی۔

اس کے تو اپنے اندر بے شمار روزن اور جھروکے کھل گئے تھے۔

گزرے ہوئے روز و شب کے تاریک لمحے سیاہ آنکھیں ان جھروکوں سے نکالے اسے گھور رہے تھے۔

"کیا تم ان جھروکوں ان تعفن زدہ کھڑکیوں کو بند کر سکو گی جو تمہارے وجود کے اندر جا بجا کھلے ہیں؟ کہاں کہاں سے انہیں بند کرو گی اور تنزیل جیسے اچھے انسان کے ساتھ یہ دھوکا ۔۔۔ تم سے سمجھ دار تو یہ تانیہ ہے۔" وہ بے چین سی اٹھ کر باہر نکل گئی۔

"اگرچہ تنزیل سب کچھ جانتا ہے مگر پھر بھی وہ مرد ہے۔ ابھی اس کا مجھ سے کوئی رشتہ نہیں اور جب رشتہ قائم ہو جائے گا تو میں کیسے تفاخرانہ انداز میں اس کے ساتھ چل سکوں گی ۔۔۔ کبھی نہیں۔"

اس نے اذیت سے آنکھیں بند کر لیں۔

☆ ☆ ☆

"پاپا! میرے جانے کے بعد آپ لائبہ کو یہاں لے آئیں وہ بھی [illegible] آپ کو سکون بھی مل جائے گا اور اس خلش کی چبھن بھی کچھ کم ہو جائے گی۔ پلیز اس پر [illegible]"

عزہ نے لائبہ کے جانے کے بعد محمود عالم سے کہا تھا۔

"اور مما کی پروا مت کیجیے گا۔ انہیں اور آپ کو کسی کے ساتھ کی ضرورت ہوگی۔ مما سے آپ کبھی دل کی بات تو کر کے دیکھیں۔ ان سے کھلے دل سے معذرت کریں۔ آپ نے اگر شروع میں انہیں سچ بتا دیا ہوتا تو شاید آپ کو اتنے لوگوں کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑتا۔"

اور ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ [illegible] کے سرے کہاں سے پکڑیں کہ کچھ سدھار سکیں۔

"اب کچھ بھی سدھارنا ممکن نہیں۔ اب مجھے کسی سے بھی کچھ نہیں چاہیے۔ معافی بھی نہیں۔" انہوں نے دل میں فیصلہ کیا اور آنکھیں موند لیں ان کے اندر دور تک سناٹے پھیل گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

تانیہ اسے اپنے سامنے کھڑے دیکھ کر حیران سی رہ گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ یہاں بھی آ سکتا ہے۔

"تمہیں یہاں کا ایڈریس کس نے دیا باب؟" اس کے چہرے پر خوف، پریشانی اور اضطراب سا تھا۔

"Don't ask such a childish question"

(یہ اس قدر بچکانہ سوال مت پوچھو۔) باب [illegible] کر بولا۔

"میرے پاس تمہاری کچھ امانتیں تھیں۔ [illegible] اس کے لیے تمہیں ڈھونڈنا تو ضروری تھا نا۔"

"کیسی امانتیں۔" تانیہ کا دل بری طرح [illegible]

"تمہارے گزشتہ چند مہینوں کے [illegible] ۔۔۔ میں بھی ان لوگوں کو چھوڑ کر جا رہا ہوں واپس اپنے گھر ۔۔۔ سوچا جاتے ہوئے یہ بھی [illegible] ورنہ کسی اور کے ہاتھ لگ گئیں تو کہیں وہ پھر سے اس کا مس یوز نہ کر ڈالے۔" وہ تفصیل [illegible]

"کیا ہے وہ سب [illegible]" وہ الجھی ہوئی بولی۔

"تم جا کر [illegible]" وہ ذو معنی لہجے میں بولا۔

تانیہ [illegible] خاموش ہو گئی۔

"[illegible] اندازے سے یہاں آیا تھا کہ شاید تم مل جاؤ نہیں ورنہ وہ سب ساتھ لے آتا۔ میری فلائیٹ میں گھنٹہ [illegible] مجھے نکلنا ہے اگر تمہیں وہ سب چاہیے تو۔"

"تو ۔۔۔ تم انہیں ضائع کر دو۔" تانیہ جلدی سے بولی۔

"میرے پاس اتنا ٹائم نہیں۔ اگر تم میرے ساتھ چل سکو تو ٹھیک ورنہ میں وہ سب ہوٹل میں ہی چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ میں سیدھا ایئر پورٹ جا رہا ہوں۔ اوکے بائے۔" وہ جانے لگا۔

"سنو باب! میں تمہارے ساتھ آتی ہوں۔" اس نے فیصلہ کرنے میں ایک لمحہ لگایا۔

"تم ہوٹل سے خود ہی واپس آ جانا۔" باب اسے ساتھ لے جاتے ہوئے بولا۔

تانیہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے ایک طرف کھڑی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ گاڑی چل پڑی۔

(آخری قسط انشاء اللہ آئندہ ماہ)

زلیخا نے دروازہ کھولا۔ تو سامنے اپنی چھوٹی خالہ زاد بہن نعیمہ کو پایا۔ جو اپنے دو شریر بیٹوں کے ساتھ کھڑی تھیں۔

"نعیمہ تم۔۔۔" زلیخا نے حیرت سے کہا۔

"جی آپا۔۔۔ میں۔۔۔" وہ زلیخا کے گلے لگ گئی۔۔۔ زلیخا کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"یہ کیا۔۔۔ آپا؟" نعیمہ اداس سی ہو گئی۔ "آپ رو کیوں رہی ہیں۔۔؟" انہوں نے زلیخا کی پُرنم آنکھوں کو دیکھ کر کہا تھا۔

"اوہو بھئی۔۔۔ خوشی کے آنسو ہیں۔ پورے ایک سال کے بعد تم مجھ سے ملنے کے لیے آئی ہو۔۔۔ اطلاع دے دیتیں۔۔۔ تو میں خود اسٹیشن پہنچ جاتی۔" نعیمہ کو یوں گھر کے دروازے پر دیکھ کر وہ تھوڑی بوکھلا سی گئی تھیں۔۔۔ انہوں نے جلد ہی خود پر قابو پالیا۔۔۔ اور پیار سے جواب دیا۔

"بس آپا۔۔۔ سوچا۔ کہ آپ لوگوں کو سرپرائز دوں۔ اس نے ہینڈ بیگ میں سے اپنے سوٹ کا دوپٹہ نکالا۔۔۔ اور چادر تہہ کر کے بولی۔

"ہم پرائیوٹ کار سے آئے ہیں۔ ریل گاڑی سے نہیں۔" اس نے دوپٹے کو اپنے کندھوں پر سجا کر کہا تھا۔

"اچھا۔" زلیخا نے حیرت سے پوچھا۔ "پرائیوٹ کار سے کیوں؟" زلیخا نعیمہ کے گھر کے حالات سے واقف تھیں۔ اسی لیے انہیں حیرانی ہوئی۔

"آپا۔۔۔ ندیم کو یہاں اسلام آباد میں کمپنی والوں نے کسی دوسری کمپنی سے پے منٹ کلیئر کروانے کے لیے بھیجا ہے۔۔۔ ندیم نے جب اطلاع دی۔ کہ وہ اسلام آباد کمپنی کی کار میں جا رہے ہیں۔۔۔ تو میں نے بھی چلنے کا کہہ دیا۔ بس ابھی پے منٹ کلیئر کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"ممّا۔۔۔ دیکھیں سعد نے میری گھڑی توڑ دی۔۔۔" نعمان روتا ہوا آ کھڑا ہوا۔

"دیکھیے آپا۔ ان لوگوں نے مجھے تنگ کر کے رکھا ہوا ہے۔۔۔" اس نے نعمان کے ہاتھ سے گھڑی پکڑی۔ جو کل ہی وہ بازار سے نعمان کے لیے خرید کر لائی تھی۔۔۔ سعد کے پاس پرانی گھڑی تھی۔۔۔ وہ نئی گھڑی خریدنے کی ضد کر رہا تھا۔ نعیمہ نے اس کو ڈانٹا۔۔۔ کہ تمہارے چھوٹے بھائی نعمان کے پاس گھڑی نہیں تھی۔۔۔ اس لیے اس کو خرید کر دی ہے۔۔۔ مگر سعد کو اس بات کا … تھا۔۔۔ جو آج نعمان کے … اس نے گھڑی کو توڑ کر پورا کیا تھا … تو اس نے نظریں جھکا لیں۔۔۔ اب وہ اپنی آپا کے سامنے گھر کا رونا نہیں رونا … کہ ندیم کی آمدنی کم ہے۔۔۔ اور اخراجات زیادہ۔ اس لیے خاموش رہی۔

زلیخا نے نعمان کو پیار کیا۔۔۔ اور الماری میں سے … نکال کر دیا۔ نعیمہ نے مسکرا کر پوچھا۔ "یہ … کس کا ہے؟"

"اپنے پوتے کے لیے خریدی تھی۔" زلیخا بس پڑیں۔

"ہا ہا ہا۔۔۔ آپا ابھی تو الیاس کی شادی کو پانچ ماہ ہوئے ہیں۔۔۔ اور ابھی سے پوتے کے لیے خریداری میں مصروف ہو گئیں۔"

نعمان نے رونا بند کر دیا تھا۔۔۔ سعد بھی اس کے پاس آ گیا۔۔۔ دونوں گیم لے کر صحن میں بیٹھ گئے۔ نعیمہ نے سعد کو سمجھایا تھا کہ آپس میں … کرنے مرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

سعد نے بھی نعمان سے … کر دیا

تھا۔۔۔ کیونکہ نعمان کے ہاتھ میں گیم تھا۔۔۔ جو خالہ زلیخا نے … اور دوستی کر کے وہ گیم کھیل سکتا تھا۔۔۔ اس نے نعمان سے دوستی کر لی۔۔۔ اور دونوں گیم کی طرف دوڑ گئے۔

زلیخا نے آہ بھر کر کہا۔۔۔ "ابھی سے بچوں کے مستقبل کو سوچیں گے۔۔۔ تو ہی بچوں کو مطمئن کر سکیں گے۔"

"آپا۔۔۔ یہ بات آپ نے سولہ آنے سچ کہی ہے۔۔۔ مہنگائی کا جو حال ہے۔۔۔ اس کے عذاب سے

کوئی بچہ نہیں پالا ہے۔" نعیمہ نے افسردگی سے کہا۔
"مجھے اویس کے بچوں کی ابھی سے فکر ہے۔"
"آپا۔۔۔۔ آپ بھی کیسی باتیں کرتی ہیں۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ انعم کی گود بھرے گا۔۔۔ ابھی تو اویس کی شادی کو چھ ماہ ہوئے ہیں۔۔۔۔ بچے آئے نہیں اور آپ فکر میں دبلی ہو رہی ہیں۔۔۔ کتنی کمزور سی لگ رہی ہیں۔"
اس نے زلیخا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔
زلیخا کے لبوں پر اداسی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔
نعیمہ مسکرا کر بولی۔۔۔ "تمہارے ہونے والے پوتوں کی اماں کہاں ہیں؟"
"وہ سو رہی ہو گی۔۔۔" زلیخا نے منہ بنا کر کہا۔
"اس وقت۔۔۔۔ یہ کوئی سونے کا وقت ہے۔۔؟"
وہ قہقہہ لگا کر بولی۔
"نعیمہ! تم سامان نہیں لے کر آئی ہو؟" زلیخا نے ادھر ادھر دیکھ کر پوچھا۔۔۔ ایک ہینڈ بیگ ہی تھا۔۔۔۔ جس میں سے نعیمہ نے اپنا دوپٹہ نکالا تھا۔۔۔۔ وہ سائز میں چھوٹا سا تھا۔
"آپا! میں رہنے کے لیے نہیں آئی ہوں۔۔۔ میں آج رات ہی نکلوں گی۔ ندیم کے کزن وہاب کی پرسوں شادی ہے۔۔۔ ورنہ ضرور آپ کے ہاں ٹھہرتی۔ بس وہ تو اسلام آباد کا نام سنا۔۔۔ تو قدم پھر رک نہ سکے۔" وہ مسکرا کر بولی۔
"تم نے اچھا کیا۔ جو ملنے چلی آئیں۔" زلیخا نے آہ بھر کر کہا تھا۔ زلیخا کا افسردہ چہرہ دیکھ کر نعیمہ نے پوچھا

—

"آپا! سب خیریت ہے ناں؟"
"ہاں ہاں۔۔۔۔ سب خیریت ہے۔۔۔۔ وہ بس ہلکا سا بخار محسوس کر رہی تھی۔" زلیخا نے خود پر قابو پا کر کہا تھا۔۔۔ اور پھر انعم کو جگانے کا کہہ کر کمرے سے نکلی۔
انعم بچوں کی آواز سے اٹھ چکی تھی۔۔۔ اس کو اندازہ ہو گیا تھا کہ نعیمہ خالہ آئی ہیں۔۔۔ اس نے جلدی سے کپڑے تبدیل کیے۔۔۔ [illegible]
زلیخا نے نعیمہ کی آمد کی اطلاع [illegible] بجھے دل کے ساتھ۔ انعم نے [illegible] بھی افسردہ سی

ہو گئی۔۔۔ مگر اس نے اظہار ظاہر نہ کیا۔
انعم نعیمہ سے بہت اچھی طرح ملی بہت خوش دلی سے خیر و عافیت پوچھی۔
"آپا! انعم بہت پیاری بچی ہے۔۔۔ بالکل ہمارے اویس کی طرح۔ حساس سی ہے۔۔۔ ہر کسی سے اچھے طریقے سے بات کرتی ہے۔ چھ ماہ میں ہی گھر سنبھال لیا ہے۔"
انعم کھانا پکانے کے لیے کچن میں گئی۔ تو نعیمہ نے اس کے خوشگوار رویے کو محسوس کر کے کہا۔
"بس دوسروں کے سامنے اچھا بننے کا ڈرامہ کرتی ہے۔۔۔ اندر سے بہت تیز ہے۔۔۔ کسی غلط فہمی میں نہ رہنا۔" زلیخا نے مسکرا کر کہا۔
"آپا۔۔۔ یہ بھی بہت ہے کتنا اچھا رویہ تھا اس کا۔"
نعیمہ نے انعم کی سائیڈ لیتے ہوئے جواب دیا۔
"گھر کا خیال نہیں رکھتی۔۔۔ دیکھو۔ پچھلے دو ماہ سے ان کشنز کے لیے کپڑا خرید رہا ہے۔۔۔ مجال ہے۔ جو ان پر دھیان دے۔۔۔" زلیخا نے کشن دکھایا۔۔۔ جس کا غلاف پھٹا ہوا تھا۔
"اوہو۔۔۔ بچی ہے ابھی۔۔۔ سی دے گی۔۔۔ آپ کیوں فکر کرتی ہیں میں پرائی تھوڑی ہوں۔۔۔ [illegible] شرمندگی۔۔۔ محسوس کر رہی ہیں [illegible] کہ زلیخا پھٹے غلاف کی وجہ سے [illegible] محسوس کر رہی ہیں اس نے زلیخا کو [illegible]
"پھر بھی۔۔۔ کیا [illegible] سمجھے گی۔
پچھلے سال جب [illegible] تعلق کہا تھا۔۔۔ کہ [illegible] میں نے اویس سے بات کی تھی
۔۔۔ وہ [illegible] کے ساتھ پردے خریدنے بازار گیا۔۔۔ [illegible] کے بجائے نیل اٹھا لائی تھیں۔"
[illegible] نیلی کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا۔
نعیمہ مسکرا کر بولی۔۔۔ "آپ کے کمرے کے پینٹ کی مناسبت سے پردے مجھے مختلف لگے تھے در حقیقت پردے اتنے بھی پرانے نہیں۔۔۔ کہ آپ تبدیل کر دیں۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔
زلیخا نعیمہ کو جواب دینے والی تھیں۔ کہ انعم کوڑے

میں شربت کا جگ لاتے دیکھ کر تھملا اٹھیں۔
"یہ کیا شربت اٹھا کر لے آئی ہو۔" زلیخا نے غصے سے کہا تھا۔
"نعیمہ خالہ کو بادام کا شربت پسند ہے۔ اس لیے لے آئی ہوں۔" اس نے بوکھلا کر جواب دیا۔
نعیمہ بولی۔۔۔ "ہاں ہاں۔۔۔ انعم [illegible] ہے۔ بادام کے شربت کا طریقہ جو انعم نے مجھے [illegible] سچ میں کمال کا ہے۔ ندیم بھی اکثر [illegible] کرتے ہیں۔۔۔ کہ گھر میں کب بنا [illegible] تیار ہی تمہیں کہہ آئی ہوں۔۔۔ [illegible] کا گلاس اٹھاتے ہوئے کہا۔
زلیخا نے خفگی [illegible] بچوں کو بھوک لگ رہی ہو گی۔ جلدی سے کھانے کا انتظام کر لو۔"
"جی امی۔" انعم نے پیار سے جواب دیا۔
"[illegible] لے آتے ہیں تو پیسی اور طرح طرح کے [illegible] منگوا لیتی ہے۔۔۔ اور میری دفعہ۔۔۔"
[illegible] نے منہ بنا کر بات ادھوری چھوڑ دی۔
نعیمہ ہنس پڑی۔ "تمہیں کیوں ہنسی آ رہی ہے؟"
"آپا۔۔۔ مجھے آپ کے گھر میں آ کر اسٹار پلس کی یاد آ رہی ہے۔ جہاں ہر وقت ساس اور بہو کے ڈرامے چلتے ہیں۔۔۔ انسان اکتاہٹ محسوس کرتا ہے۔" زلیخا بھی ہنس پڑیں۔۔۔ انعم پھر کمرے میں آ گئی۔ اور بولی۔
"نعیمہ خالہ! چکن کا قورمہ بنا لوں۔۔۔؟"
"نہیں۔۔۔ چکن پلاؤ تیار کرو۔۔۔ اور ساتھ مٹن کا قورمہ بنا لو۔۔۔" زلیخا نے خفگی سے کہا۔
"آپا۔۔۔ نہیں۔ چکن قورمہ اور گھر کی روٹیاں ٹھیک رہیں گی۔" نعیمہ نے انعم کا مان رکھ لیا۔۔۔
انعم خاموشی سے کچن میں چلی گئی۔
"اویس نے کیا کم اس کو سر پر چڑھایا ہوا ہے جو اب تم بھی اس کی حمایت کر رہی ہو۔" زلیخا تیوری چڑھا کر بولیں۔
"آپا چھوڑیے۔۔۔ بچی ہے۔۔۔ وقت کے ساتھ سمجھ دار ہو جائے گی۔ وہ مجھے اپنے ہاتھ کا چکن

قورمہ کھلانا چاہتی ہے۔۔۔ تو اس میں وہ ماہر ہو گی آپ دل چھوٹا مت کریں [illegible] کھاؤں گی۔۔۔ تو چکن پلاؤ۔۔۔ مٹن کے قورمے کے ساتھ فرج میں پڑی ہر چیز صاف کر کے جاؤں گی۔" اس نے قہقہہ لگا کر کہا تھا۔
زلیخا نے طنز سے کہا۔۔۔ "قورمہ بنا کر پیش کرے گی۔۔۔ تو تب تمہیں اندازہ ہو گا میری بات کا۔"
نعیمہ مسکرائی۔ "آپا۔۔۔ آپ انعم کی ہر بات میں نقص نکالتی ہیں۔ جب میں ساس بن جاؤں گی۔۔۔ تو کیا میں بھی نکتہ چیں بن جاؤں گی۔"
"چل دفع ہو۔۔۔ میں کہاں نکتہ چینی کرتی ہوں۔"
زلیخا نے ہنستے ہنستے پوچھا۔
"نہیں آپا۔۔۔ میرے لیے تو آپ بری نہیں ہیں۔ شاید انعم کے لیے بری ہوں۔۔۔ بھی بری ہوں۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔ زلیخا بھی ہنسی نہ روک سکیں۔

☼ ☼ ☼

وہ کچن میں پریشان کھڑی تھی۔۔۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔۔۔ کہ وہ کس طرح کھانے کا بندوبست کرے۔۔۔ اس کو اپنی ماں کی باتیں یاد آنے لگیں۔ اس کو رخصت کرتے وقت انہوں نے کہا تھا۔
"اچھی بہو وہ ہوتی ہے۔۔۔ جو اپنے گھر کی عزت کے لیے سب سے پہلے سوچے۔۔۔ جو اپنے گھر کی عزت کو سنبھالے رکھے۔۔۔ میں ایک اچھی بہو ثابت ہوئی ہوں۔ اور انعم! تم سے بھی یہی امید رکھتی ہوں تم بھی اچھی بہو ثابت ہو گی۔" ابھی وہ ان ہی سوچوں میں الجھی تھی کہ جب خالہ نعیمہ کے دونوں بچے سعد اور نعمان کچن میں آ پہنچے۔
سعد نے معصومیت سے کہا۔۔۔ "آنٹی مجھے برگر کھانا ہے۔" ساتھ ہی نعمان نے بھی آواز ملائی۔
انعم کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ کہ وہ کیسے ان شریر بچوں کو سنبھالے اور پھر کھانا تیار کرے۔
اس نے بچوں سے کہا کہ وہ باہر کھیلیں وہ ان کے لیے برگر تیار کر رہی ہے۔ پھر اس نے فرج کھولا۔

اس نے کل کے سالن میں سے بچی ہوئی دو چکن بوٹیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کیے اور انہیں انڈے میں ملا کر ایک بڑا آملیٹ بنا لیا۔ اور ڈبل روٹی کے سلائس لے کر اس نے برگر تیار کر دیا۔ ساتھ آلو کے چپس بھی بنا لیے۔

بچے برگر کی پلیٹ دیکھ کر بھاگے۔۔۔ دونوں نے اپنا اپنا برگر اٹھا لیا۔ نعیمہ فکر مندی سے دیکھ رہی تھی کہ انہیں برگر اچھا لگتا ہے یا نہیں۔

سعد اور نعمان کافی دیر سے کھیل رہے تھے۔ انہیں بہت بھوک لگی ہوئی تھی۔ اس لیے انہوں نے انعم کے بنائے برگر میں نقص نہ نکالا۔ اور دونوں مزے سے کھانے لگے۔

نعیمہ نے بچوں کا شور نہ سنا۔۔۔ تو اس نے سعد اور نعمان کو پکارا۔۔۔ دونوں ماں کے کمرے کی طرف دوڑے۔

"ارے بچوں۔۔۔ یہ کیا کھا رہے ہو۔۔۔؟" نعیمہ نے دونوں کو برگر کھاتے دیکھا۔ تو مسکرا کر پوچھا۔

سعد بولا۔ "ممّا! نعیمہ آنٹی نے چکن برگر بنا کر دیا ہے۔ آپ سے بھی اچھا بناتی ہیں۔" اس نے برگر کھاتے ہوئے کہا۔

نعیمہ خوش ہو گئی۔ اور بولی۔ "اچھا دیکھو گھر سے باہر نہ جانا۔" اور پھر زلیخا سے مخاطب ہوئی۔۔۔ "اتنی اچھی بہو آپ کو ملی ہے۔۔۔ دیکھیے آپ کے بھانجوں کے لیے اس نے چکن برگر بنا دیا۔ جو بچوں کا خیال رکھ سکتی ہے۔ وہ بوڑھے لوگوں کو کیسے نظر انداز کر سکتی۔ آپا آپ ساس بن کر سوچتی ہیں۔ انعم بری نہیں ہے۔"

زلیخا کا منہ بن گیا۔۔۔ وہ خفا ہو کر بولیں۔ "میں تمہیں بوڑھی نظر آتی ہوں۔"

نعیمہ نے زلیخا کی بات پر قہقہہ لگایا۔ "اوہو آپا! اتنی مدت کے بعد ملے ہیں۔۔۔ آپ کیا باتیں لے بیٹھ گئی ہیں۔۔۔ آپ کے نزدیک وہ اچھی بہو نہیں۔ یقیناً" "وہ اچھی نہیں ہو گی۔۔۔ کیونکہ وہ [illegible] عزت کرتی ہے۔ ہم لوگ آپ کے [illegible] ہیں۔۔۔ میں نے تو ایسی بہوئیں بھی دیکھی ہیں۔ جو ساس کے رشتے داروں کے ساتھ سیدھے منہ بات نہیں کرتیں۔ اس لیے میں انعم کی سائیڈ لیتی ہوں۔"

اس نے کہا تو زلیخا کا چہرہ کھل اٹھا۔

"تھوڑی دیر کے بعد انعم نے اطلاع دی۔ کہ کھانا تیار ہو گیا۔ تو زلیخا منہ میں بڑبڑائیں۔ تو نعیمہ نے حیرت سے پوچھا۔ "آپا کیا ہوا؟"

"منحوس لڑکی پر چکن کا کام چھوڑا ہے۔ خدا خیر کرے۔ کہیں ندیم کے سامنے بے عزتی نہ کروا دے۔" "کیا سوچے گا کہ کیسی پھوہڑ بہو ہے۔" زلیخا نے آہستگی سے کہا تھا کیونکہ ندیم اس کا میاں بھی آ چکا تھا۔

"اوہو آپا! کھانے کے ذائقے میں کمی بیشی تو ہو جاتی ہے۔ میرے ہاتھ کے کھانوں کا ذائقہ بھی کبھی کبھی خراب ہو جاتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ میں "پھوہڑ" ہوں۔"

انعم نے ٹیبل پر کھانا لگایا۔ تو کھانا دیکھ کر نعیمہ بھی چونک پڑی۔ ایک ڈونگا قورمے کا تھا۔ اور ساتھ پتلی پتلی دیسی روٹیاں تیار کی ہوئی تھیں۔ سلاد باریک کٹی ہوئی تھی۔ اور رائتہ بھی ایک پیالی میں بنایا ہوا تھا۔

نعیمہ نے تھوڑا سا قورمہ لیا۔ جو قورمہ کم شوربہ [illegible] زیادہ تھا۔ روٹی کا نوالہ توڑا۔ تو اس کو یوں لگا [illegible] پیپر ہاتھ میں پکڑا ہو۔ نعیمہ کو انعم [illegible] مگر اس نے غصہ ضبط کر لیا۔ [illegible] کا اظہار کرتی۔ پچھلے [illegible] انعم کی تعریفیں کر رہی [illegible]

ندیم [illegible] والوں کے جانے کے ساتھ کافی لوازمات [illegible] اس نے کھانے پر اتنا [illegible] اور نعمان برگر کھا چکے تھے۔ انہیں اب کھانے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس لیے وہ بار بار اپنے باپ کو باہر چلنے کو کہہ رہے تھے۔ کہ "[illegible] پارک میں جھولے پر جانا ہے۔" انہوں نے آتے ہوئے زلیخا کے گھر کے پاس پارک دیکھا تھا۔ ندیم ان کو وہاں لے گیا۔ نعیمہ کی اٹکی سانس بحال ہوئی۔

زلیخا نے خفگی سے کہا۔ "کیا میں غلط کہہ رہی تھی۔ یہ لڑکی بہت ہوشیار ہے کام سے جی چراتی ہے۔ اگر توجہ سے کھانا تیار کرتی۔ تو یہی کھانا مزے دار ہوتا۔"

"نعیمہ کو ندیم کی باتوں کا ڈر تھا۔ مگر جب وہ بچوں کو لے کر باہر نکل گیا۔۔۔ تو اس نے سکون کا سانس لیا۔ کیونکہ ندیم نے کھانے پر خاص توجہ نہیں دی تھی۔ وہ صوفے پر ہی بیٹھا رہا تھا۔

نعیمہ کو خاموش دیکھ کر زلیخا نے کہا۔

"میں ابھی اس لڑکی کو تمہارے سامنے سبق سکھاتی ہوں۔ کہ ایسا کھانا تیار کرتے ہیں" زلیخا نے انعم کو پکارا۔

"آپا۔ رہنے دیں [illegible] ہو جائے گی۔" نعیمہ نے [illegible] سے کہا۔ وہ ندیم کے باہر جانے [illegible] ہوئی تھی۔ وہ بھی اچھے میکے والوں کی [illegible] نہیں چاہتی تھیں کہ اس کا شوہر [illegible]

[illegible] کا ہاتھ تھام لیا۔ "آپا آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ میرے جانے کے بعد انعم سے کچھ نہیں کہیں گی۔"

اس سے پہلے کہ زلیخا کچھ کہتیں۔ انعم نعیمہ کے پاس آ کھڑی ہوئی اور بولی۔

"نعیمہ خالہ! مجھے کوکنگ نہیں آتی۔ میں آہستہ آہستہ سیکھ جاؤں گی۔ مجھے پتا ہے۔ کہ میں کھانا پکانے میں ماہر نہیں ہوں۔ میں نے کوشش کی۔ مگر۔"

اس نے کھانے کی طرف دیکھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔ زلیخا۔ ہکا بکا رہ گئیں۔ ان کا دل رونے لگا۔ مگر ان کی آنکھیں پتھر کی ہو کر رہ گئیں۔

نعیمہ نے مسکرا کر اس کے سر پر پیار دیا۔ اور بولی۔

"ان شاء اللہ اگلے سال آؤں گی تو۔۔۔ تب تک تم کھانا پکانا سیکھ لو گی۔"

انعم خالی برتن اٹھا کر چلی گئی۔ نعیمہ نے زلیخا سے کہا۔

"آپا! سیکھ جائے گی۔ اور دیکھیے۔ وہ اپنی غلطی کا اعتراف بھی تو کرتی ہے۔ میرے خیال میں ایسی بہو تو میں کوئی نہیں ہو گی۔"

زلیخا کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ چیخ چیخ کر نعیمہ سے کہے کہ انعم واقعی ایک اچھی بہو ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک گھر میں راشن کی کمی تھی۔ اویس کو ایک بار کمپنی میں ہڑتال کروانے کی وجہ سے نکالا گیا تھا۔ گھر میں ایک پیسہ نہ تھا۔ ایسے میں گھر کی [illegible] جات "آٹا" بھی بہت کم تھا۔ زلیخا سوچا کرتیں کہ انعم کو پھوہڑ مشہور کر کے نعیمہ سے اپنے گھر کے حالات چھپائیں گی۔ مگر وہ حیران ہو گئیں۔ جب انعم نے اپنے گھر کی عزت بچانے کی خاطر خود کو اناڑی ثابت کر دیا۔ وہ جو کھانے پکانے میں اتنی ماہر تھی کہ لوگ اس کے ہاتھ کا کھانا کھا کر انگلیاں چاٹتے رہ جاتے تھے۔ اور اس کا چرچا زلیخا کی پوری سسرال میں تھا۔ جو کوئی دعوت کرتا۔ انعم کو فون کر کے کھانے کی ترکیبیں پوچھتا۔

نعیمہ خوشی خوشی چلی گئی تو زلیخا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔۔۔ انعم نے روتی زلیخا کو تسلی دی۔ اور بولی۔

"اماں! آپ فکر نہ کریں۔ اویس کو بہت جلد نوکری مل جائے گی۔ کیا ہوا جو نعیمہ خالہ نے مجھے پھوہڑ سمجھا۔ گھر کی عزت تو بچ گئی۔ اماں! آپ مت روئیے۔ ہمارے گھر کے کیا حالات ہیں۔ یہ کسی کو نہیں علم ہو گا۔ میں کبھی اویس کا سر نیچا نہیں دیکھنا چاہتی۔ میں اس انسان کی بیوی ہوں۔ جو دوسرے کے گھروں کے چولہے کے لیے لڑ رہے ہیں۔ مجھے اپنے شوہر پر فخر ہے۔ مجھے اپنے رب پر یقین ہے۔ اویس کو بہت جلد اچھی جاب مل جائے گی۔ ہمارے اچھے دن آ جائیں گے۔"

وہ زلیخا کو تسلی دے رہی تھی۔ جب اویس خوشی خوشی گھر میں داخل ہوا۔ اس نے اطلاع دی۔ کہ کمپنی کے مالک نے مزدوروں کی تنخواہوں میں اضافہ کر دیا ہے۔ اور اسے بھی واپس جاب پر رکھ لیا۔ تو انعم نے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔

جبکہ زلیخا نے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر اس بات پر ادا کیا۔ کہ انہیں انعم جیسی اچھی بہو ملی ہے۔ جس نے ان کی۔۔۔ اور ان کے گھر کی عزت کو اپنا سمجھا۔ اور نعیمہ کے سامنے گھر کی عزت کو بچا لیا۔ اپنے نفس کو نیچا دکھا کر۔۔۔ اور ایسی بہو ہی۔۔۔ اچھی بہو کہلانے کے قابل ہے۔

☆

عفت سحر پاشا

دھنک کے رنگ

ناولٹ

بریانی، قورمہ، زائنہ، دو قسم کا سلاد اور میٹھے میں ازمیرٹ کی فیورٹ فرنی۔ سب ہی میرے بنائے کھانے کی تعریفیں کر رہے تھے۔

اور میں اترا اترا کر گردن اکڑائے سب کی داد وصول کر رہی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ مجھے خود پر رشک بھی آ رہا تھا۔ ایسا تو خواب میں ہی ہو تا تھا کہ ازمیرٹ۔ جی ہاں۔ ازمیرٹ میرے بنائے کھانے کی تعریف کرے۔

"واہ۔ لگتا ہے آج عرصے بعد امی جان نے کھانا بنایا ہے۔ جی چاہتا ہے ان کے ہاتھ چوم لوں۔"

اف سارے شوق کے میں تو لجا ہی گئی۔

کیا فلمی سچویشن تھی۔ میرے اللہ! اس دن کے تو میں سپنے دیکھا کرتی تھی۔ میں لجاتی ہوئی ڈرامائی انداز میں اٹھی اور شرما کر اپنا ہاتھ ازمیر کے سامنے کر دیا۔

ان پانچوں نے آنکھیں پھاڑ کے میری بے باکی دیکھی۔ بے چاری بھلا ان کی سڑی بسی زندگی میں کب رومانس کے پیڈسٹل فین نے ایسے جھونکے بھیجے تھے۔

"یہ کھانا تم نے پکایا ہے؟" میں ازحد حیران ہوا تو میں نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس نے گہری سانس بھری اور اپنے مخصوص دلکش انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔

"اب جو کہا اسے پورا کرنا ہے۔"

اور میرا ہاتھ تھام کر [illegible] تک لے گیا۔

میرے دل میں گدگدی [illegible]۔ ان پانچوں کی "آہ" مجھے قطعاً [illegible] تھا۔

مجھے [illegible] کیا ہوا؟ اگر انڈیا والے یہ گانا [illegible] میں [illegible] گئی۔

[illegible] لیے ازمیرٹ کے اندر کا بھوت بیدار ہو گیا جن۔ اس نے میرے ہاتھ پہ اپنے دانت گاڑ دیے۔

"اف۔" میں نے چیخ ماری۔ اور اٹھ بیٹھی۔

جی ہاں۔ منحوس خواب ہی تھا۔

عالم بیداری میں کیا دیکھتی ہوں کہ دادو جان اپنی چھڑی تھامے جلال کے عالم میں کھڑی ہیں۔ مجھے شک ہوا کہیں انہوں نے میرا بے باک سا خواب دیکھ تو

نہیں لیا۔ مگر میرا ہاتھ۔ ابھی بھی دکھ رہا تھا۔

وہ جب دادو نے دوبارہ چھری کی نوک میرے ہاتھ پہ چبھو کے مجھے "باقاعدہ" جگانے کی سعی کی۔ تب مجھے حقیقت کا ادراک ہوا کہ یہ درد سا کہاں سے اٹھتا ہے۔ میں اپنا ہاتھ دوسرے ہاتھ سے سہلاتی اٹھ بیٹھی۔

"آپ کیوں آئیں دادو جان! مجھے بلوالیتیں۔"

"سات دفعہ بھیجا بلوانے کو مگر تمہاری نیند ٹوٹے تب نا! اب تب ملک الموت کو بھیجنے کی کسر رہ گئی تھی۔" وہ غصے میں تھیں۔

"سوری دادو! دراصل اتنا اچھا خواب دیکھ رہی تھی۔"

"اب یہ خواب دیکھنا چھوڑو اور عملی زندگی میں قدم رکھو۔ کتنی بار کہا ہے اتنا مت سویا کرو بی بی! میں کہتی ہوں میں نہ پاندھنے کی الیکی پوتی اپنے ہیرے جیسے پوتے کے پلے۔"

وہ بدلحاظی سے بولیں تو میں نے بھی ناراضی دکھائی۔

"یہ سب از میرٹ کی چغلیوں کا اثر ہے ورنہ آپ کا دور دور تک بھی چنگیز خان کے خاندان سے کوئی تعلق نہیں۔"

"اچھا اب بس کرو ڈرامے اور فوراً" اٹھو۔ سارا کام ایسے ہی پڑا ہے۔"

اب کی بار دادو نے کڑک لہجے میں کہا تو مجھے بڑبڑاتے ہوئے اٹھنا ہی پڑا۔

"مجھے تو سب نے اس گھر کی ملازمہ سمجھ رکھا ہے۔ نہ سونے کو پورا نہ کھانے کو اور محنت ڈٹ کے۔" دادو نے اب کی بار چھری میرے سر پہ بجائی۔

"یہ کیا بڑبڑا رہی ہو؟" ایک تو دادو کی قوت سماعت قابل رشک تھی۔

یا اللہ یا اب دادی فضلاں بھی تو میری دادو ہو سکتی تھیں۔ کتنی مزے تھے۔ جو چاہو بولتے رہو نہ سنتیں نہ ڈانٹتیں۔

"اوفوہ۔ صبح وظیفہ شروع کیا تھا دادو [illegible] رہی ہوں۔" میں سر سہلاتی [illegible] کی طرف

بڑھی۔ میرے واش روم سے نکلنے تک دادو کمال صبر سے کمرے ہی میں بیٹھی رہیں۔

"کام تو ہوتے ہی رہتے ہیں دادو جان! آج تو کہیں تفریح کی جائے۔ جہاں ہر طرف سبزہ اور ہریالی ہو۔ پھول کھلے ہوں چڑیا چہچہا رہی ہوں۔ پھر ذہن بیدار ہوگا اور نظروں کو کیسی تراوٹ پہنچے گی۔" میں نے سماں باندھ کر گویا دادو کو للچایا تو وہ آرام سے بولیں۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔"

"اف تو میں باقی سب کو بتا آؤں سب تیار ہو جائیں؟" میں تو خوشی سے اچھل ہی پڑی۔ دادو کی رضا مندی تو گویا لیپ کا سال تھی۔ ہر تین سال بعد ایک بات مانتی تھیں بس۔

"نہیں صرف فائقہ کو بتا آؤ۔ وہ تیار ہو جائے جانے کے لیے تمہارے ساتھ۔" وہ انتہائی اطمینان سے بولیں تو مجھے حیرت ہوئی۔

"کیا صرف میں اور فائقہ جائیں گی؟"

"ہاں۔" انہوں نے جواب دیا۔

"مگر کہاں؟"

"باہر لان میں۔ کیونکہ آج تم دونوں کی ڈیوٹی ہے لان درست کرنے کی۔ پودوں کو پانی دینا، کیاریاں صاف کرنا، خشک پتے سمیٹنا۔ باقی رہ جائے گا [illegible] کرنے کا کام تو وہ کل کر لینا۔ [illegible]

ہے۔"

وہ کمال مہارت سے [illegible] اور میں بے ہوش ہونے کو [illegible] اللہ [illegible] معلوم تھا ہٹلر کا [illegible] ایڈیشن [illegible] ہمارے [illegible] (یہ زور چھری)

[illegible] میں احتجاجاً چلائی۔

"بھی تو فرمائش کر رہی تھیں ذہن و نگاہ کو تازہ کرنے کی۔ سبزہ دیکھنے اور کھلی ہوا میں سانس لینے کی۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے کیسا اچھا سبب بنا دیا۔" وہ پچکار کر بولیں۔

اف اللہ یہ بزرگ کتنا چالاک ہیں۔ ہمیں نہ آئیں پتا ہوتا تو میں تو سو دفعہ سوچ کے بولتی کچھ۔

"میں گھر کے لان میں تھوڑی کہہ رہی تھی۔ باہر کھلی فضائیں۔"

"تو یہاں کون سا آکسیجن کی کمی ہے۔ اب اٹھو فوراً" اور گھر کس لو۔" وہ بے اعتنائی سے بولیں۔

"آپ کی۔؟" میں حیران ہوئی۔ "ہیلٹ سے یا ازار بند سے؟"

"بدتہذیب۔ موئی انگریزی پڑھ کے سب [illegible] کا ناس مارنے بیٹھی ہیں۔ کہہ رہی ہوں [illegible] لیے تیار ہو جاؤ۔" وہ [illegible]

"وہ تو ٹھیک ہے [illegible] گھمنے کی کیا ضرورت ہے [illegible] ہیں۔" میرا اعتراض اپنی [illegible] عالم جلال میں چھری چلی۔ [illegible] میں ابھی بچی تھیں۔

"[illegible] کے پیچ ڈھیلے ہیں بس۔ بات [illegible] میسو۔۔۔"

"[illegible] دادو ابھی نہیں۔ میں ابھی بالکل بھی شادی نہیں کروں گی۔" میں نے شرمانے کی اداکاری کی۔

"ارے لوح۔ میں تمہارا دماغ درست کرانے کی بات کر رہی ہوں۔ شادی کی تاریخ طے نہیں کر رہی مجھے تو ترس آرہا ہے۔" وہ چمکیں۔

"کوئی بات نہیں دادو! اب وہ جیسا بھی ہے میں گزارا کر لوں گی صبر شکر کے ساتھ۔" میں نے آہ بھری۔

"کم بخت! میں میسو پہ ترس کھا رہی ہوں۔" دادو نے چھری اٹھائی اور اب کی بار مجھے کمرے سے بھاگنا ہی پڑا۔

☆ ☆ ☆

مہینوں گزر گئے تھے لان کی صفائی کیے۔ مالی کب کا بھاگ چکا تھا۔ کبھی کبھار گھر والوں میں سے کوئی پودوں کو پانی دے دیتا اور بس۔ وہ تو ہمارے لان کے پودے ہی بھلے مانس اور شریف تھے جو پاکستانی عوام کی طرح بنا بجلی پانی گیس (خوراک) کے سرسبز و شاداب کھڑے تھے۔

"نہ تم منحوس نیند سوتیں اور نہ یہ سزا ملتی۔ میرا تو بس تمہارے ساتھ جوڑا دیا تھا دادو نے ورنہ میں نے [illegible] نہیں کیا تھا۔" فائقہ کو ہر دس منٹ بعد غصہ آرہا تھا۔ لان کی صفائی کر کر کے ہم بھکاری بن گئے تھے۔ کیاریوں میں گوڈی کر کر کے ہم ٹوٹے لوٹے تھک چکے تھے۔ اوپر سے فائقہ نے جذبات میں آکر پودوں کو اتنا پانی دیا کہ وہ کیاریوں سے باہر آکر گھاس میں احتجاجاً" کھڑا ہو گیا تھا۔ کپڑوں اور ہاتھوں کا ستیاناس تو ہوا ہی تھا اب جوتے بھی کیلے ہو کر مٹی میں لتھڑ گئے تھے۔

"میری شادی ہو لینے دو ان شاء اللہ میسو سے کہہ کر پہلے ان ہی پودوں کو کٹواؤں گی۔"

میں نے کینہ توز نظروں سے نا دھو کر نکھرے ہوئے پودوں کو دیکھا۔

"وہ تمہاری گردن کاٹ دے گا۔ اتنی محبت ہے اسے ان پودوں سے۔" فائقہ نے مجھے یاد دلایا۔

اسی وقت ڈور بیل بجی۔ پھر وقفے سے بجی۔ اور اس کے بعد پھر۔

"دیکھ لینا۔ ان مرن جوگیوں میں سے کوئی نہیں اٹھے گا۔ پتا ہے نا" مانیں "باہر موجود ہیں" دروازہ کھول دیں گی۔" میں پکی۔

"آج پچیس مارچ ہے۔ میرے خیال میں اخبار والا ہو گا۔ خواتین اور شعاع لایا ہو گا۔" فائقہ کو یاد آیا۔ ساتھ ہی ہم دونوں نے پہلے ڈائجسٹ حاصل کرنے کے لیے دوڑ لگائی اور میں دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گئی۔ مگر وہاں ہاکر کی بجائے ایک مولوی نذیر احمد ٹائپ کے بزرگ اور ساتھ میں اکبری یا اصغری جیسی کوئی خاتون کھڑی تھیں۔

"کون ہے؟" فائقہ نے میری بغل کے نیچے سے گردن گھسیڑی تو مجھے اس کی جاہلانہ حرکت پہ سخت غصہ آیا۔

"تمہارے سسرال والے" دانت پیستے ہوئے میں نے آہستہ سے کہا تو وہ ان کا حلیہ دیکھ کر تڑپ اٹھی۔

"یہ اردو دان قسم کے سسرالی تمہیں ہی مبارک ہوں۔"

"کسی گھر والے کو بلاؤ۔" خاتون نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

"ہماری ابھی شادی نہیں ہوئی تو گھر والے کو کہاں سے بلائیں۔" فائقہ نے دانت نکوسے (گھٹیا کامیڈی)

"میرا مطلب ہے اندر سے کسی فرد کو بلاؤ۔" انہوں نے ہمیں گھورا۔

"آپ ہم سے بات کریں نا!"

"بھئی کام والیوں سے کیا بات کریں۔ گھر کے کسی بندے کو بلاؤ۔ ہمیں ضروری ملنا ہے۔" وہ بزرگ رعب سے بولے تو ہم دونوں تھر تھر کانپنے لگے۔ ان کی آواز کے رعب سے نہیں بلکہ غصے سے۔

"آپ کی اتنی ہمت۔ ہم آپ کو کام والیاں لگ رہے ہیں؟" فائقہ تڑپ اٹھی۔

"ہمارے ہاں تو ایسی ہی ہوتی ہیں۔" خاتون نے ہمارے میلے چکٹ حلیے کی طرف اشارہ کیا تو مجبوراً برداشت کرنا پڑا۔

"آپ کو ملنا کس سے ہے؟"

"حشمت اللہ بٹ صاحب سے۔" بزرگ صاحب نے ہاتھ میں پکڑی چٹ پر سے نام پڑھا پھر پوچھا۔

"یہ بٹ ہاؤس ہی ہے نا؟"

میں نے دانت کچکچائے اور آرام سے بولی۔

"یہ تو بٹ ہاؤس ہی ہے مگر حشمت اللہ بٹ صاحب سے ملنے آپ کو خواجگان کے قبرستان جانا پڑے گا۔"

"وہ کیا وہاں کسی کا جنازہ پڑھنے گئے ہیں؟"

"جی نہیں۔ وہ وہیں رہتے ہیں۔"

میں نے بتایا تو وہ دونوں متحیر رہ گئے۔

"قبرستان میں رہتے ہیں؟ گورکن ہیں کیا؟"

"جی نہیں فوت ہو چکے ہیں نا!" [illegible] کمال اطمینان سے کہا تو ان دونوں کا رنگ اڑ گیا۔

"دادا جان آپ اپنا [illegible] ہیں ان کام والیوں سے [illegible] ہوں۔" خاتون کے کہا تو فائقہ تلملا گئی۔

"ہم کام والیاں نہیں گھر والیاں ہیں۔"

"ہیں۔ ابھی تو تم کہہ رہی تھیں کنواری ہو اب کہہ رہی ہو کہ کسی کی گھر والی ہو۔" انہوں نے ہمیں مشکوک نظروں سے دیکھا۔

"او فوہ خالہ جی! یہ گھر ہمارا ہے۔ حشمت اللہ بٹ صاحب ہمارے مرحوم دادا تھے۔" ہمیں ذرا شرافت کے جامے میں آئی۔

پھر انہوں نے ابو اور چچا جان کا نام لیا تو ہم مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق انہیں اندر لے ہی آئے۔ ہمارے حلیہ ٹھیک کر کے آنے تک وہ ڈرائنگ روم میں دادو اور چچی جان کے ساتھ گپیں لڑانے میں مصروف تھے۔

"یہ کون ہیں پرانے ناولوں کے دقیانوسی کردار؟" میں نے زرمینہ سے پوچھا تو وہ ہنسی روکتے ہوئے بولی۔

"فائقہ نامی لڑکی کے لیے اپنے پوتے کا رشتہ لائے ہیں۔" فائقہ کی تو آنکھیں ابل پڑیں۔

"یا خدا! یہ قدیم میاں کے میرا پرپوزل لائی ہیں۔"

"شرم کرو بزرگوں کو ایسے کہہ رہی ہو [illegible] پرانے نہیں ہیں۔" خود میرا قہقہہ [illegible] تھا۔

"منحوس "کلی زبان والی" [illegible] کہا تھا انہیں میرے سسرالی۔" [illegible] ہو گئی۔

"اف [illegible] نے حق دیا میری [illegible] کل کو میں اپنے شوہر [illegible] میں ڈال سکتی کہ کیسے اعلا رشتے [illegible] لیے۔"

"ہماری تاریخ تو نہیں بلکہ مستقبل خراب ہونے کا اندیشہ ضرور ہے مجھے جس طرح سب ان سے کھل مل کے باتیں کر رہے ہیں۔" میں نے جائزہ لیا۔ بڑے ایک جانب اور لڑکیاں قدرے سائڈ پہ بیٹھی تھیں۔

"فائقہ ادھر آؤ بیٹا! انکل کے پاس۔" چچی جان نے فائقہ کو بلایا تو وہ پاؤں گھسیٹتی ہوئی گئی۔ دانت پیستے ہوئے بظاہر بڑے ادب سے سلام کیا۔

"بھئی انکل وِنکل نہیں۔ ہمیں تو دادا ابا کہہ کر پکارے گی ہماری بچی۔" وہ خوش دلی سے بولے اور فائقہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"ہم تو قدم رنجہ فرماتے ہی گیٹ پہ سمجھ گئے تھے کہ ہمارے پوتے کی قسمت چمک گئی ہے۔"

وہ کہہ رہے تھے۔ فائقہ سلام و دعا کے بعد پلٹ آئی۔

"یہ تمہیں جنت میں جانے کا [illegible] بزرگوں تک [illegible] گیٹ پہ [illegible] ہمیں [illegible] دیا ہے نا اور اب کہہ رہے ہیں [illegible] پہ قدم رکھتے ہی رنج ہوا تھا تو نہ آتے۔"

"رنج [illegible] ہوا تھا بےوقوف! ان کا مطلب ہے قدم [illegible]" ماہین نے اسے گھورا۔

"ہم [illegible]" وہ کھسیا کر بولی۔

"آج کل کی لڑکیوں میں تو ادب و احترام کا فقدان ہے۔ کوئی کوئی ہو گا جس نے اچھی تربیت کی ہو اپنی بچی کی۔"

"یہ کل دان تو سنا تھا فقدان کیا ہوتا ہے؟ اگلدان کو تو نہیں کہتے؟" فائقہ نے ماہین سے رابطہ کیا تو ابا "اس کی کھوری پر" ہم کر رک گئی۔

"اب یہ سوچو ہو گا کیا۔" میں نے مڑ کر لیا تو فائقہ نے منہ بسور لیا۔

"پلیز میں پلیز۔ میں کسی سائنس دان کے ساتھ رہ لوں گی، کسی سیاست دان کے ساتھ رہ لوں گی مگر کسی "اردو دان" کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔"

"تو سیاست دان کون سا اصلی ڈگریاں لے کے بیٹھے ہیں۔ ان کی تو اردو بھی گئی گزری ہے بجا انگریزی۔" ماہین نے طنز کیا تو زرمینہ نے ہمدردی سے کہا۔

"ایسے ہمدرد اور عوام سے پیار کرنے والے سیاست دان تمہیں دنیا کے نقشے میں کہیں نہیں ملیں گے۔ مرے جا رہے ہیں عوام کی خدمت کو۔ جعلی ڈگریاں بنوا بنوا کر خدمت کرنے پہنچ رہے ہیں۔ بھلا

اب کے دل پہ ہاتھ رکھنے کی باری فائقہ کی تھی۔ اسے تو ضرور ہی چھوٹا موٹا اٹیک ہونے والا تھا کہ عمران عباس کو خود اس نے مرضی سے گنوا دیا تھا۔

"بی بیگم... وہ احضور!" فائقہ جذباتی ہو کر دادا کی طرف لپکی تو ہم سب نے لپک کر اسے پکڑ لیا۔

"بس فائقہ! اسے بھول جا، اسے بھول جا۔"

زرمینہ گنگنا رہی تھی اور فائقہ کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

فائقہ کی تو دنیا ہی اندھیر ہو گئی تھی۔

جس عمران عباس کے انتظار میں وہ بیٹھی میرپاور والیوں کے طعنے سن رہی تھی اس کا پروپوزل آیا بھی تو کس کے لیے؟

اور زرمینہ پورے گھر میں مینا کی طرح اڑتی چہکتی پھر رہی تھی۔

"یہ رشتہ تمہارے لیے نہیں آیا' بلکہ تمہاری طرف شفٹ ہو گیا ہے' یہ میرا رشتہ ہے۔" فائقہ نے اسے پکڑ کر صوفے پر پٹخ دیا۔

"مجھے اس لیو سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے خوشی ہے تو اس بات کی کہ مجھے کسی نے پسند کر لیا ہے۔"

وہ آخر میں کالر کھڑا کر کے بولی۔

"ہائے اللہ! میرے مجھے تو اس روبھاگل کی بددعا لے ڈوبی۔ ایسے اردو دانوں سے پالا پڑا کہ میرے گلدانوں کے سارے پھول مرجھا گئے۔ مجھے کیا پتا تھا یہ تاریخی بزرگ کہاں سے آئے ہیں۔" فائقہ نے اچھے بھلے بین کر کے میرا دل دہلا دیا۔

"خیر۔ انکار تو تمہیں کرنا ہی پڑے گا زرمینہ بی بی!" میں نے فیصلہ کرتے ہوئے ہاتھ جھاڑے۔

"کیوں؟" وہ پنجے نکال کے غرائی۔

"کیونکہ گھر سے پروپوزل فائقہ کے لیے بھیجا گیا ہے۔" میں نے ترنت کہا۔ تو وہ تفاخر سے بولی۔

"مگر دادا جان نے مجھے پسند کیا ہے۔"

"تم ان سے شادی کر سکتی ہو مجھے کوئی اعتراض نہیں' مگر میں تمہیں کسی سے شادی کی اجازت نہیں دے سکتی۔"

فائقہ نے احتجاج کیا تو زرمینہ کا ایک زوردار دھموکا بھی پشت پہ کھایا۔

"تنا۔ میری عمر ہے تمہاری دادی ساس بننے کی۔"

"یہ کیا ان کی امی سے شادی کرنا چاہ رہی ہے؟"

ماہین نے چشمہ درست کرتے ہوئے اپنی الجھن کو زبان دی۔

"امی نہیں میمن سے بھی۔" فائقہ نے دانت پیس کر درستی کی پھر بولی۔

"خیر۔ میں تمہیں اتنی بے تکلفی کی اجازت نہیں دوں گی۔ تم صرف دولہا بھائی کہہ سکتی ہو۔ اگر اس پہ اعتراض ہو تو بھائی جان کہہ لینا۔ مگر اس سے زیادہ کچھ نہیں' جم جانی کا نک نیم رکھنے کا حق صرف میرے پاس ہے۔"

زرمینہ بڑے ناز' انداز اور اتراہٹ سے کہتی چلی گئی تو فائقہ رونکھی ہو گئی۔

کندھا ڈھونڈا بھی تو کس کا؟ جی' مجھ غریب مسکین روبھاگل کا۔

"دیکھا' یہ تمہاری سنڈ گلی کا گند' کبھی تمہیں سکھ کا سانس نہ لینے دیا اور اب کیسے دن دہاڑے میرے حق پہ ڈاکہ ڈالنے لگی ہے۔"

فائقہ نے میری ہمدردی حاصل کرنے کی [illegible] بھرپور کوشش کی تھی۔ اور میں [illegible]

"ویسے تو مجھے اس کی [illegible] ہونے پہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنا چاہیے [illegible] کسی میرا اچھا تو ہوئے مگر [illegible] کی بددعا سے ڈر لگتا ہے۔ [illegible] ہی پڑے گا۔"

میں نے اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے تسلی دی۔

اور [illegible]

"اب باقی کی ناک اپنے دوپٹے سے پونچھ لو۔ آدھی تو میرے شانے سے صاف کر ہی چکی ہو۔"

وہ جھینپ گئی۔ پھر آس بھرے انداز میں پوچھنے لگی۔

"پھر تم کچھ ضرور کرو گی نا؟"

وہ کوشش، میری جان کوشش سے سب ممکن ہے۔ دیکھا نہیں تمہیں اپنے سیف (کزن) کی شادی کامیابی سے کروادی تھی۔ میں نے اسے پرانا قصہ یاد دلایا۔

"خیر۔ اب دن دہاڑے اتنے سفید جھوٹ بھی نہ بولو۔ تم نے تو اسے ازمیر کے ساتھ پھنسانے کی پوری کوشش کروالی تھی۔ وہ ہی کمیں اور اتو الو تھی۔"

فائقہ نے صاف گوئی کی انتہا کردی تو کھسیا کر میں نے اسے گھورا۔

"میرے خیال میں تمہیں میری مدد کی اتنی خاص بھی ضرورت نہیں۔ تمہارا تو اپنا دماغ بہت چلتا ہے۔"

"نہیں۔ نہیں۔ سیر صاحب!"

اس نے فوراً میری ٹھوڑی چھوئی تو میں مطمئن ہوگئی۔

☼ ☼ ☼

مگر کیا کیا جائے کہ بٹ ہاؤس کا ہر بندہ مجھ سے کچھ زیادہ ہی ایکٹیو ہے۔

ادھر بس کا رشتہ آیا۔ ادھر فرض شناس بھائی ازمیر بٹ جا کر نا صرف عمران عباس سے مل بھی آیا بلکہ اس کے متعلق ساری معلومات اکٹھی کرکے اسے اوکے بھی کردیا۔ اپنے گھر والوں کے اس کے گھر جانے سے پہلے وہ ان لوگوں کے متعلق اپنی تسلی کرنا چاہتا تھا۔

"لڑکا اچھا ہے۔ کاروبار بھی ٹھیک ٹھاک ہے ان لوگوں کا۔ اور خاندان بھی شریف ہے۔"

ازمیر نے تو اوکے کردیا تھا۔ اب اگر باقی گھر والے جاتے بھی تو فقط تسلی کے طور پر۔

فائقہ سے تو نوالہ نگلنا مشکل ہوگیا۔ زرمینہ شرماتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔

اور میں اپنی زندگی کے باقی بچے دنوں پر غور کررہی تھی۔ ساتھ ہی اس غلطی پر بھی جو میں نے زرمینہ کا عمران سے رشتہ نہ ہونے دینے کا فائقہ سے وعدہ کرکے کی تھی۔ میرے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ازمیر اتنی جلدی اس کام کو نمٹائے گا۔ [illegible] سجاد عمران کو فون کرکے اس [illegible] زیادہ ترین

کارنامہ بتاؤں گی اور ادھر سے پروپوزل کی درستی کروادی جائے گی۔ مگر نہ کی۔ فرشتوں سے زیادہ ایفی شنٹ تو یہ بندہ ہے۔ وہ حساب لکھنے میں بھی اتنی جلدی نہ کرتے ہوں گے۔

اور قارئین۔ اب مجھے ازمیر بٹ سے ٹکرانا ہے۔

اوفوہ۔ وہ رومانٹک والی ٹکر نہیں۔ بلکہ ظلم سے ٹکرانے والا ٹکرانا۔

اب تو یہ فائقہ اور زرمینہ یعنی حق و باطل کی لڑائی تھی۔ مجھے کہ فائقہ کی لالی پوپ زرمینہ نے لے لی تھی۔ وہ اب مجھے اسے فائقہ کو واپس دلانی تھی کہ زرمینہ بھی نہ روئے۔ اب سمجھے؟

☼ ☼ ☼

میں فائقہ کی معیت میں ازمیر بٹ کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"پنک والا جوڑا استری کرکے میری الماری میں لٹکا دیا تھا نا؟" میں نے یاد دہانی چاہی۔ تو اس نے لب کی بار دانت کچکچائے۔

"فکر مت کرو۔ اگر آج اس کمرے سے تم زندہ ہو کے نکلیں تو تمہیں دفنایا بھی اسی پنک جوڑے میں جائے گا۔"

میں کھسیا گئی۔ شاید کچھ زیادہ [illegible] بولا گیا تھا۔

"اچھا معوذتین اور [illegible] پڑھ کے پھونک دو مجھ پر۔"

کمرے کے دروازے کے سامنے جاکر میں نے خوف سے جھرجھری لی تو اس نے ہمدردانہ نظروں سے مجھے دیکھا۔

"تمہاری زندگی میں تو باقاعدہ طور پر ایک جن آچکا ہے۔"

"مجھے بھی یہی لگتا ہے۔"

میں گہری سانس بھر کے دروازے پر دستک دینے کو بڑھی تو فائقہ وہاں سے اڑن چھو ہوگئی۔

لمحہ بھر میں نے کھڑے ہو کر ان نکات کا جائزہ لیا جو مجھے اس پروپوزل کو فائقہ کے حق میں بہترین ثابت کرنے کے لیے بولنا تھے۔ پھر خود کو شاباشی بھی دی۔ کیا ہی قائداعظم نے چودہ نکات لکھے گئے ہوں گے۔

(ویسے چھوٹا موٹا پاکستان تو میں بھی بنا ہی سکتی ہوں)

ایسے ہی بے تکی سوچوں میں گم نا دانستگی میں جھک کر میں نے کی ہول سے آنکھ لگا دی۔ ادھر جاگالم جن کی مصروفیت کا اندازہ ہو جائے گا۔ ادھر میں ایک آنکھ بند کرکے جھکی ادھر ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔ خوشبوؤں کے [illegible] وہ ایک جھونکے میں باہر نکل رہا [illegible] ناٹنگ بل کی طرح سر جھکائے [illegible] کر [illegible] بیٹھ گئی۔ اور میں وہ ادھر عالم سے نکلی۔

"[illegible]"

[illegible] پیچھے ہٹا۔ اور میں اتنی پھرتی سے اٹھی کہ [illegible] زندگی بھر میں اتنی پھرتی دکھائی ہوگی۔ جی تو چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹے اور میں اس میں سما جاؤں۔ مگر پھر سوچا اتنی محنت سے بٹ ہاؤس تعمیر کیا گیا ہے خوامخواہ توڑ پھوڑ کرنے سے کیا حاصل۔

"تم کیا کررہی ہو ادھر؟"

غصہ تو اس کی ناک پہ دھرا رہتا تھا یا پتا نہیں مجھے دیکھ کے آجاتا تھا۔ (اس پر ریسرچ ابھی جاری ہے)

"وہ میں۔ میں۔ میں۔"

مجھے لاکھ یاد کرنے پر بھی کوئی بہانہ یاد نہیں آیا تو میں بے بسی سے ہاتھ مسلنے لگی۔

"تم یہاں ممیانے آئی تھیں؟" اس نے طنز کیا تو میں کھنکھاری۔

دفعتاً مجھے خیال آیا کہ جس کام کے لیے میں آئی ہوں، وہ بہادری اور ہمت کا متقاضی ہے۔ پہلے ہی ہلے میں یوں ہتھیار ڈال دیے تو فائقہ بے چاری کی زندگی کے سارے پینٹ برش زرمینہ کی زندگی میں چلے جائیں گے۔

"مجھے تم سے انتہائی ضروری بات کرنی ہے۔" میں فوراً مدعے پر آگئی۔

"ہاں کراس [illegible] سلسلے میں دے کر کیا دودھ والا پانی زیادہ ملانے لگا ہے۔ سبزیوں میں اس بار آلو نہیں بلکہ کدو تھے۔ چوزے کی گٹھیاں وہ تھیں، چار کیوں نہیں [illegible] یا کوئی اور انتہائی ضروری بات ہے۔"

بڑے شرمندہ کرنے والے انداز میں اس نے مجھے میری ضروری باتیں یاد دلائیں۔

"یہ ان سب باتوں سے بڑی بات ہے۔"

میں نے سنجیدگی کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

"تو چلو۔ سب کے سامنے ہو جائے۔"

وہ باہر نکلنے لگا تو میں کمرے میں گھس گئی۔

"نہیں۔ صرف تم سے کہنی ہے۔"

"پھر سے کوئی تازہ نظم یا غزل تو وارد نہیں ہوگئی؟"

اس نے طنز سے کہتے ہوئے میرے پیچھے قدم بڑھائے تو میں کھسیا گئی۔ اس لیے فوراً ہی اصل بات کی طرف آگئی۔

"میں زرمینہ والے پروپوزل کے سلسلے میں آئی تھی۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"مطلب یہ کہ وہ پروپوزل فائقہ کے لیے آیا تھا۔"

میں نے اس کی معلومات درست کیں۔

"مگر وہ مینا کو پسند کرکے گئے ہیں۔" وہ شانے اچکا کر بولا۔

"مگر یہ پروپوزل مینا کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔"

میں نے اپنی بات پر زور دیا۔

"اچھا۔ اور فائقہ کے لیے ٹھیک ہے؟" اس نے طنز کیا۔

"میرا مطلب ہے کہ کہاں زرمینہ اور کہاں عمران عباس۔" میں نے چاپلوسانہ انداز میں کہا۔

تو اس نے کڑے تیوروں سے مجھے گھورا۔

"تم نے کہاں دیکھا ہے اسے؟"

"میرا مطلب ہے کہ کہاں ہم لوگ اور کہاں وہ اتنی دور مرغزار کالونی میں رہتے ہیں۔ اس لیے کہہ رہی تھی کہ کہاں زرمینہ اور کہاں عمران عباس۔"

میرے جو دماغ میں آیا زبان سے بک دیا۔ وہ ایسے ہی تیز نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔

میں نے تھوک نگلا۔ کن اکھیوں سے دیوار کی جانب دیکھا۔ مجھے آج تک سمجھ میں نہ آیا تھا کہ دادا جان کی تاریخی بندوق اس خطرناک بندے کے کمرے میں کیوں لگی ہوئی تھی؟

"اچھا... تو فائقہ کی مرتبہ وہ ہمارے قریب ہو جائیں گے۔ اور مرغزار کالونی کیا پاکستان سے باہر ہے؟"

"خیر۔ اب ان سوالوں کے جواب تو میں یاد کر کے نہیں آئی۔" میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا تو اس نے دانت پیسے۔

"جو تیاری کر کے آئی ہو وہ بکو۔ میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔"

قسم سے اس کے دانت پیسنے کی آواز مجھے اتنے فاصلے سے بھی سنائی دی تھی جیسے دانتوں تلے مجھے پیس رہا ہو۔ اس کے بعد تو میں ٹیپ ریکارڈر کی طرح بولی۔

"دیکھو کسی کے حق پہ ڈاکہ ڈالنا بہت بری بات ہے۔ یہ پروپوزل فائقہ کے لیے آیا تھا اس لیے رشتہ بھی فائقہ ہی کا طے ہونا چاہیے۔ یہ ٹھیک ہے کہ دادا جان اور تایا ابی نے زرمینہ کو بعد میں پسند کر لیا تھا۔ مگر وہ اتنے پرانے بندے ہیں یادداشت ان کی خراب نظر ان کی کمزور... غلطی ہو گئی ہو گی۔"

"تمہاری اس ساری بکواس کا مطلب کیا ہے؟"

اس نے سینے پہ بازو لپیٹے اور بغور مجھے دیکھا۔

(اف میرے خدایا! مجھے پتا ہوتا یہ دیکھنے والا سین بھی ہو گا تو بس منہ پہ پانی کے چار چھپاکے مار کے نہ چلی آتی۔)

"مطلب یہ کہ میں یہ رشتہ نہیں ہونے دوں گی۔ مطلب کہ زرمینہ کے ساتھ۔" میں نے [illegible] ماری۔

"فضول باتیں مت کرو اور [illegible] پانی کے چار چھینٹے مارو تاکہ تمہاری [illegible]" اس نے طنز کیا۔

(اف۔ لائٹ میک اپ ہی کر آتی۔)

"میں مکمل طور پر حواس میں ہوں۔ تم نہیں جانتے کہ تم کسی معصوم لڑکی کے حق پہ ڈاکہ ڈالنے جا رہے ہو۔ اس کی پوری زندگی کو بے رنگ کرنے والے ہو۔ مقابلے میں تمہاری بہن ہے تو کیا ہوا؟ وہ بھی تو تمہاری بہنوں جیسی ہے۔ میں تمہیں یہ ظلم کبھی نہیں کرنے دوں گی۔"

میں مکمل طور پر سن ساٹھ کی ہیروئن کے روپ میں آ چکی تھی۔

اور وہ بے چارہ حیران و پریشان۔

"دماغ تو خراب نہیں ہو گیا تمہارا؟"

اسے یوں حیران دیکھ کر میرا حوصلہ اور بڑھا۔

"اور اگر پھر بھی تم نے اس رشتے سے زرمینہ کے لیے انکار نہیں کیا تو تمہیں میری لاش پر سے گزر کے جانا ہو گا۔"

"واقعی؟" اس نے استفہامیہ انداز میں بھنوؤں کو جنبش دی۔

"ہاں۔" میں نے سینے پہ بازو لپیٹتے ہوئے ضدی انداز میں کہا تو وہ پلٹا اور دیوار تک گیا۔

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ ذرا دروازے سے [illegible] ہو کے کھڑی ہو جاؤ۔ میں اپنے کمرے میں [illegible] نہیں کرتا" اور [illegible] مت [illegible] کے بجائے [illegible] میں گولی لگ [illegible] نہیں تو خیر۔ قتل ہو کے [illegible]"

وہ بندوق [illegible] ہوا بڑے اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

[illegible] ایک بار تو بھاگنے کی کوشش کی مگر [illegible] جیسے کسی نے ایلفی ڈال دی تھی۔ ہل [illegible] نہیں سکی۔

"ایک خوب صورت لڑکی کو گولی مارتے تمہیں ذرا بھی دکھ نہیں ہو گا؟"

میں نے اسے احساس دلانا چاہا تو اس نے بندوق سیدھی کر کے نشانہ سیدھا کرتے ہوئے آرام سے

کہا۔

"ہاں ہے۔ خوب صورت لڑکی کو مارنا تو بہت دکھ ہوتا۔ مگر تمہیں تو میں بہت آسانی سے گولی مار دوں گا۔"

میرا دل دکھ دکھ گیا۔

"اب تو تم مجھے گولی مار ہی دو۔ کیا فائدہ دنیا کو وہ شکل دکھانے کا جو منگیتر کو اچھی نہ لگے۔"

میں باقاعدہ روہانسی ہو گئی تو وہ بے اختیار [illegible] دیا۔

جی ہاں۔ بے تاب یقینی والی بات۔

ازمیرٹ ہنستا بھی ہے۔ [illegible] ہنستے ہوئے وہ لگا بھی بہت اچھا۔ شاید اسی لیے کم ہنستا ہو کہ [illegible] لگ جائے۔

بہرحال [illegible] آخری وقت چل رہا تھا اس لیے [illegible] اچھا لگ رہا تھا۔

"[illegible] اس میں گولی نہیں ہے۔ ورنہ آج [illegible] ہو جاتا لاش پر سے گزرنے والا۔ ویسے بھی [illegible] ہمارے دادا جان کے چالیسویں کے بعد سے کوئی بڑا فنکشن نہیں ہوا بٹ ہاؤس میں۔"

وہ مجھے جتاتے ہوئے بولا تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔

تو یہ ہماری باتیں بھی سنتا رہتا ہے؟

مگر میں پروانۂ آزادی پا کر بھی وہاں سے نہ ہلی۔

"اب کیا اتفاقیہ گولی کھانے کا پروگرام ہے تمہارا؟"

وہ بندوق کی نال زمین سے لگاتے ہوئے چڑ کر بولا تو میں نے اسی ڈھیٹ لہجے میں وہی بات دہرائی۔

"زرمینہ کی شادی وہاں نہیں ہو گی۔"

"شٹ اپ۔ ہوا میں تیر مت چلاؤ۔ ریزن کے ساتھ بات کرو۔ دلائل دو۔"

وہ بڑی خطرناک سنجیدگی کا لبادہ اوڑھتے ہوئے بولا۔

نہ ہوتی میں علی احمد کرد۔ زلفیں ہلا ہلا کر ایسے دلائل دیتی کہ ازمیرٹ کو فیصلہ میرے حق میں کرنا ہی پڑتا۔

"انگلش میڈیم میں پڑھی ہماری لڑکیاں۔ اور دادا جان کی اردو سنی ہے تم نے؟ عربی اور فارسی کے شیرے میں لتھڑی۔ زرمینہ بے چاری تو بس گاڑھی اردو بول کے [illegible] ہے۔" میں نے اسے قائل کرنا چاہا۔

"پھر دوسری [illegible] ہے۔ فائقہ کی اردو بہت خراب ہے۔ دادا [illegible] اور [illegible] ہی صحیح رہے گی۔"

[illegible] گھورتے ہوئے بولا۔

[illegible]۔ اگر اس بندے نے خود [illegible] چلایا ہوتا تو اسے اشارہ دیتی نا اس مرجانی فائقہ اور لیو عمران عباس کے پہلی نظر کے پیار کے بارے میں۔

"زرمینہ اتنی سگھڑ، اتنی پیاری اور اتنی... پتا نہیں کیا کیا ہے۔ اس کے لیے رشتوں کی کوئی کمی ہے کیا؟ جو ہم فائقہ کے لیے آیا رشتہ اس کے لیے قبول کر لیں۔"

میرے دلائل جواب دینے لگے مگر وہ بندہ ٹس سے مس نہیں ہوا۔

"تم جا کے نیند کی چار گولیاں کھاؤ۔ جب سو کے اٹھو تو شاید دماغ اپنی جگہ پہ واپس آ جائے۔"

یقیناً "اس نے بہت تحمل سے کہا تھا۔ جتنی بحث میں اس سے کر چکی تھی اسے تو مجھ پہ خالی بندوق ہی چلا دینی چاہیے تھی۔

(ہو سکتا ہے کوئی اتفاقیہ گولی نکل ہی آتی۔)

مجھے رونا آنے لگا۔

فائقہ کی زندگی اب ٹریجک (المناک) ہونے والی تھی۔

"خود کو تو پیار، محبت اور نرم لفظوں کا نہیں پتا مگر دوسروں کی زندگی کے متعلق اتنے کرخت فیصلے کرنے کا تمہیں کوئی بھی اختیار نہیں ہے۔"

روندھے ہوئے لہجے میں کہہ کر میں وہاں سے پلٹ آئی۔ یاد ہی نہیں رہا ایک بار پلٹ کے دیکھتی تو سہی اتنے گاڑھے ڈائیلاگ نے کیسے ازمیرٹ کو ایک ہی جگہ باندھ دیا ہے۔

٭ ٭ ٭

"تم بولتی لے کے آ گئی ہو بس۔ بڑے دعوے کر کے گئی تھیں تم تو۔"

"اللہ تیرا شکر۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی میرے دل میں وہم آیا تو میں اپنا کالا سوٹ اس کی الماری میں سے نکال لائی تھی۔"

فائقہ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کے منہ پر پھیرے۔

"بس۔ یہ ہی بری نیت تھی تمہاری جس نے مجھے کامیاب نہیں ہونے دیا۔"

میں نے اسے ایک دھمو کا جڑتے ہوئے دانت کچکچائے۔

"تمہاری خاطر میں موت کے منہ سے نکل کر آئی ہوں۔"

"آ ہی گئی ہونا کون سا جان دے دی ہے۔ ایک رشتہ تڑوا لیا میں گیا تم سے۔" اس نے منہ پھلایا۔

"اے کمینی۔ مطلب کہ زرمی۔" زرمینہ کو مخاطب کرتے ہوئے میں سنبھلی۔ غصہ دکھانے سے بات مزید بگڑ سکتی تھی۔

"تم ہی انکار کر دو۔ بچی کا دل رہ جائے گا۔" میں نے اسے پچکارا۔

"بچی کا دل رہ جائے اور جو رشتہ ٹوٹنے سے ہماری عزت جائے گی۔" وہ اچھلائی۔

"ادھر کون سے چھوارے بٹ گئے ہیں نکاح کے۔" فائقہ بگڑی۔

"شریفوں میں زبان ہی نکاح ہوتی ہے۔ دے دی تو دے دی۔" زرمینہ بڑی۔

"نہ۔ ایسی کالی زبان لے کر وہ کیا کریں گے۔" مجھے غصہ آنے لگا۔

مگر دوسری طرف بھی ازمیرٹ ہی کی بہن تھی۔ دل جلانے میں ماہر۔

فائقہ کو رونا آنے لگا۔ تو وہ سسک کر بولی۔

نہ چاند ہوگا' نہ تارے ہوں گے
کیا ہم ہمیشہ کنوارے ہوں گے
اس دنیا میں کتنوں کے نکاح ہوں گے
ہمارے نصیب میں بس نکاح کے چھوارے ہوں گے

دل کی لگی نے بے چاری کو عظیم شاعرہ بنا دیا۔ یک بہ یک میرا دل بھی اس کے دکھ سے لبریز ہو گیا۔ اس کا سوال لاجواب تھا۔

☼ ☼ ☼

گھر والے جا کر عمران عباس کو ٹھونک بجا کے دیکھ آئے۔

"اتنا سستا' پائیدار اور فرماں بردار داماد کہیں نہیں ملنے کا بھائی۔" ابرار نے آکر بھو کیا تھا۔

"صوفہ یا بیڈ؟" ماہین نے عینک کی پوزیشن درست کرتے ہوئے کتاب سے سر اٹھایا۔

"داماد کہہ رہا ہے۔" میں نے دانت پیسے۔

"داماد میں لگتا ہے فرنیچر والی کوالٹی بھری ہوئی ہے۔" نورین ہنسی تو میں نے اسے بھی گھورا۔ نورین اور جیا دانوں چٹھکیاں تھیں۔ اس لیے جب جی چاہتا ہم چاروں انہیں لفٹ دے دیتیں اور جب جی چاہتا رعب ڈال لیتیں۔

بہرحال۔ بات ہو رہی تھی رشتے کی۔ تو ادھر جھٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ ہوا۔ ادھر گھر والے دیکھ کے آئے ادھر بابا ہی رضامندی سے ہاں ہو گئی۔ ساتھ ہی فون کر کے لڑکے والوں کو منگنی کا دن بتا دیا گیا۔

روتے ہیں چھم چھم نین
اجڑ گیا چین
دیکھ لیا

فائقہ کی آواز میں سوز بہ منتہا ہو رہا تھا۔ پتا نہیں وہ الو کا شاگرد عمران عباس کہیں بے وقوف بنا بیٹھا تھا۔ اسے نہیں پتا ... کی کشتی کو زرمینہ نامی سونامی ... ہوتی۔ واللہ عالم بالصواب۔

آ گیا عمران ازمیرٹ کا تھا۔ مجھ سے کیا چیلنج نبھایا تھا اس نے۔ بڑے سب جا کر عمران عباس کو انگوٹھی پہنا کر پانچ ہزار ہاتھ پہ بھی رکھ آئے۔

اور آج وہ لوگ زرمینہ کو انگوٹھی پہنانے آ رہے تھے۔

"تمہیں ذرا شرم نہیں آ رہی؟"

میں نے خوشی خوشی تیار ہوتی زرمینہ سے تاسف
آمیز لہجے میں پوچھا تو وہ جاتی گئی۔
"اگر وہ ساتھ چلے آئے تو ضرور آئے گی۔"
"مناسب لڑکی! کسی کی دنیا اجاڑنے کی شرم کررہی
ہوں۔" "میں کرتی۔"
"در فتنے منہ۔" وہ خالصتاً گجراتی اسٹائل میں بولی
تو مجھے اپنا منہ وہاں سے غائب کرنا ہی پڑا۔
اگلا شکار ازمیر شاہ تھا۔ سارے انتظامات نمٹا کر اور
کچھ لڑکوں کے حوالے کرکے وہ چینج کرنے کے ارادے
سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا تو میں نے یہ موقع
غنیمت جانا اور فریج میں سے گجرے لینے کے بہانے
اس کے کمرے میں آگئی۔
"کیا ہے؟" وہی لٹھ مار انداز۔
حالانکہ یقین کریں ایمبرائیڈڈ سی گرین لے لائن
شرٹ اور ٹراؤزر میں آج میں بہت حسین و جمیل
دوشیزہ لگ رہی تھی مگر یہ میسو۔ اخدا جانے نزدیک کا
چشمہ کیوں نہیں لگواتا؟ یا شاید اسے اپنی نظر کی
کمزوری کا پتا ہی نہیں۔
"میں آج تمہیں کچھ بتانے آئی ہوں۔" شدید
غصے میں تو مجھے یوں بھی کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ سو اس
کی تیوریاں بھی دکھائی نہ دیں۔
"تم اپنا قوم سے خطاب کسی اور دن نہیں رکھ
سکتیں؟ مہمان آنے والے ہیں۔"
وہ چڑ کر طنزاً بولا تو مجھے مزید غصہ اور غصے سے شدید
رونا آیا۔
"میں تمہیں آج ہی بتانا چاہتی ہوں ازمیر شاہ کہ
تم ایک پتھر دل بلکہ بے دل شخص ہو۔ جسے اپنی من
مرضی کے علاوہ اور کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ چاہے کسی کا
دل ٹوٹ رہا ہو یا کسی کے احساسات کو ٹھیس پہنچ رہی
ہو۔ تم میں وہ حس ہی نہیں ہے کہ کسی کے دکھ
تکلیف کو سمجھ سکو۔ خود سے آگے تمہیں کچھ بھی
دکھائی نہیں دیتا۔ میں بھی نہیں، دوسرے [illegible]
میں آتے ہیں۔"
میں بولی تو پھر تب ہی رکی جب ازمیر شاہ کو اپنے
بالکل قریب پایا۔ گھبرا تو گیا میری سانس بھی تھم گئی۔
"ارے۔" میں ایک عجیب سے احساس میں
گھرنے لگی۔
وہ میرے رخسار پہ آرکنے والا آنسو اپنی انگلی کی پور
سے اٹھا رہا تھا۔
پتا نہیں ناولوں کی ہیروئنیں کیسے رومینس کروا لیتی
ہیں مجھے تو عجیب سے خیال آنے لگے جن میں سب
سے پہلا وہاں سے بھاگنے کا اور دوسرا ہیرو کا دماغ
خراب ہوجانے کا خیال تھا۔
اس نے میرا آنسو انگلی اور انگوٹھے سے جھٹکا اور
شاید مسکرایا۔ آنسوؤں بھری آنکھوں سے کچھ ٹھیک
سے پتا نہ چل سکا۔
"میں اتنا بھی بے دل و سنگ دل نہیں ہوں جتنا کہ
تم مجھے سمجھ کے میرے کمرے میں چلی آئی ہو۔"
یا خدا! میں چکرا سی گئی۔ اتنا نرم لہجہ۔
مجھے خوشی کے بجائے الجھن ہونے لگی۔
میں جو سوچا کرتی تھی ازمیر کی قربت اس کے
ڈائیلاگز۔ اب عجیب سے احساسات کا شکار تھی۔
"اب تم جو بھی کہو، جو ہونا تھا وہ ہوچکا۔ وہ لوگ
آرہے ہیں اور منگنی اسی سے ہوگی جس سے [illegible]
ہے۔ تم نے اگر بیچ میں اپنے اعتراضات کے روڑے
اٹکانے کی کوشش کی تو پھر اپنے انجام کی خود ذمہ دار
ہوگی۔" اس نے مجھے [illegible]
لوگی۔ [illegible] سے اصل [illegible]
منٹوں بلکہ [illegible] میں میری ساری طراری ہوا
کردی اس [illegible] اپنا ہینگ کیا ہوا سوٹ
دیکھنے لگا [illegible] جان بچی سو لاکھوں پائے کے
مصداق وہاں سے بھاگنے ہی میں عافیت جانی۔

☆ ☆ ☆

"یہ تم میرا مسئلہ حل کرنے گئی تھی یا اپنا
رومینٹک سین شوٹ کرانے؟" فائقہ ساری
تفصیل سن کے جل بھن گئی۔
"ہاں۔" تاسف سے میرا منہ کھل گیا۔ اور پھر
شدید غصہ آیا۔
"بھرے موڈ فنی ہوا [illegible] بلکہ بدلحاظ میں بھلا کس
احسان فراموش کے چکر میں اپنی پیاری سندی کی منگنی کا
فنکشن برباد کر رہی ہوں۔"
"رو بھا!" اس نے روتی صورت بنائی۔
"بس۔ اب شٹ اپ ہوجاؤ، ہم سے جتنا ہو سکتا
تھا ہم نے کرلیا۔ باقی ہوگا وہ ہی جو اللہ نے لکھ رکھا
ہے۔ اب اچھے سے تیار ہو جاؤ۔ منگنی تو اس کی ہو
جاتی ہے بعد میں تصویریں اور مووی [illegible]
تو ہوگی کہ میک اپ ہی کرلیتی۔ [illegible]
اس سے بھرے [illegible] ساری کسر نکال [illegible]"
میں نے کہا تو [illegible] بعد جب وہ تیار ہو کے باہر
نکلی تو
"ساتھ [illegible] ساتھ لے کے جل میں؟"
[illegible] تو وہ پریشان سی بولی۔
"[illegible] لوٹا۔"
[illegible] میں نے اسے گھورا۔
"آج تک کسی کو لوٹے میں شراب پیتے نہ دیکھا
[illegible] سنا۔"
"اچھا۔ اچھا۔" وہ کھسیائی۔ تو میں نے ٹھنڈی
سانس بھری۔
"اسی کمزوری کی وجہ سے عمران عباس کو کھویا ہے
تم نے [illegible] لے کے اردو زبان کا دلیہ بنا دیتی ہو۔"
"مجھے کون سا اردو بولنی نہیں آتی۔ وہ تو بس مشکل
الفاظ کی سمجھ نہیں آتی۔ اے کاش! اردو ادب میں
ماسٹرز ہی کرلیتی۔" فائقہ کا صدمہ اپنی جگہ تھا۔
"وہ تو اب بے فائدہ ہے فائقہ ڈیر! ہاں مگر تم وہ
ماسٹر ضرور کرسکتی ہو جس نے اردو ادب پڑھا ہو۔"
اندر آتی زرمینہ کا مشورہ مفت تھا۔
فائقہ تلملا کر رہ گئی۔
"لڑکے والے آگئے ہیں اور پتا ہے ساتھ وہ بھی آیا
ہے۔" زرمینہ نے لہجا کر اطلاع دی تو میں نے فائقہ کی
روتی صورت پر نگاہ ڈالی اور سنجیدگی سے کہا۔
"دفع کرو فائقہ! اگر اس نے تم ہی سے رشتہ جوڑنا

ہوتا تو زرمینہ کے رشتے پر یہاں کیوں آتا؟ اور جس کے دل میں تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں تمہارے دل میں بھی اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہونی چاہیے۔

"بہارو پھول برساؤ میرا محبوب آیا ہے
میرا محبوب آیا ہے۔"

زرمینہ بے حد خوش تھی۔

ڈرائنگ روم میں مہمانوں کے ساتھ تعارف کا مرحلہ طے ہوا تو ہمیں شدید حیرت ہوئی۔ عمران کے ساتھ اس کا چیلا بھی تھا۔ جی ہاں "کعب عزیز"۔

میں نے بے اختیار زرمینہ کو دیکھا تو اس کی رنگت لالیاں چھلکا رہی تھی۔

"کمبخت۔ چڑیل اور وہ بھی دو دو۔" میرا دل دھک سے رہ گیا۔

"ڈھونڈ ہی لیا ہم نے آپ کو۔" وہ دلکشی سے مسکرایا۔

"مگر بہت دیر کر دی۔"

میں مایوسی سے سامنے صوفے پر بیٹھے تو پیس میں ملبوس، بہت ڈیسنٹ دکھائی دیتے (صرف دکھائی دیتے) عمران کو دیکھتے ہوئے بولی اور وہاں سے ہٹ گئی۔

دادا جان اور آپا بیگم بے حد خوش تھے۔ عمران یقیناً "ان کا بہت لاڈلا رہا تھا۔

"مینا کی تو حستول ہونی چاہیے، کیسے لفنگی لڑکیوں کی طرح اپنی منگنی کے فنکشن میں پھر رہی ہے۔"

میں نے دانت کچکچا کر ماہین سے شیئر کیا۔ پھر اس سے پوچھا فائقہ کے متعلق تو زرمینہ آٹپکی۔

"تمہیں پتا نہیں؟ بے وقوف اب تو سمجھ جاؤ۔ یہ فنکشن اسی کے لیے تو ہے۔ ابھی دادا جان اسے انگوٹھی پہنانے والے ہیں منگنی کی۔"

اس نے ہنستے ہوئے راز افشا کیا تو میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

اتنی پیاری لڑکی کا دکھ دینے پر ہاتھ مارنے لگا۔

میرے خدا! اس فائقہ نے مجھے بھی [illegible] کیا تھا کہ اس کی منگنی دادا جان۔۔۔

میرے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے اگر آج ہی پیار لڑکے سے منگنی کرائی ہوتی تو۔

میں گرتی پڑتی فائقہ کی تلاش میں نکلی۔ زرمینہ مجھے آوازیں دے کر کیا کہہ رہی تھی، میری سائیں سائیں کرتی سماعتوں نے نہ سنا۔

فائقہ دوپٹہ سر پہ جمائے اسی طرف آ رہی تھی۔ اس کی چمکتی رنگت اور دلکش بتیسی دیکھ کر مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ کس دکھ کا شکار ہے۔

"فائقہ! یہ کیا ہو گیا، وہاں دادا جان تمہیں انگوٹھی پہنانے والے ہیں؟" میں رونے کو تھی۔

"معجزہ اسی کو کہتے ہیں [illegible]! بہت شرارتی ہیں وہ۔ اصل میں تو مجھے اسی روز پسند کر لیا تھا انہوں نے۔"

وہ شرمائی تو میری سانس بند ہونے لگی۔ آنکھیں بھی یقیناً باہر کو ابلی ہوں گی۔

"یا خدا! کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہی۔ یہ خبیث تو واقعی اس زرمینہ کی دادی، ساس بننے جا رہی ہے۔"

"اب لے چلو نا مجھے اندر، دادا جان تو آتاؤلے ہو رہے ہوں گے مجھے انگوٹھی پہنانے کو۔"

اس نے مجھے ٹہوکا دیا تو میں نے تاسف سے اس کی ذہنی حالت دیکھی اور گہری سانس بھری۔

"اب تم تو دادا جان بہت [illegible]"

"چلو بھی، جلدی کرو [illegible] اب صبر نہیں ہو رہا۔" "[illegible] سب آ گئیں۔"

یا خدا!

مجھے [illegible] لگ رہی تھیں۔ دانت کچکچاتے [illegible] قربان کرنے کو تیار۔

"[illegible] تمہیں دیکھ سکتی۔"

[illegible] آنکھوں میں نمی لیے غم زدہ سی وہیں رہ گئی تو سب ڈرائنگ روم میں چلی گئیں۔

ڈرائنگ روم سے ہنسی اور قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"کیا خبر فائقہ پاگل ہو چکی ہو۔" میں نے لرز کر سوچا۔

ڈرائنگ روم کے دروازے پر ایستادہ ازمیر کو دیکھ کر میں چیل کی طرح اس کی طرف لپکی۔

"بس۔ کرالی اپنی من مانی۔ پڑ گئی دل میں ٹھنڈک۔"

وہ چونک کر میری طرف متوجہ ہوا۔

"ظاہر ہے، اینڈ تھینک یو۔ تم نے حقیقت بتا کر مجھے غلط ہونے سے بچا لیا۔ فائقہ بھی مجھے بہنوں کی طرح عزیز ہے۔"

وہ مطمئن تھا اور پہلی مرتبہ مجھ سے [illegible] لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ادھر دادا جان [illegible] فائقہ بیٹھی تھی اور وہ اسے انگوٹھی پہنا رہے تھے اور تو اور وہ [illegible] عمران عباس [illegible] وقت چہک رہا تھا۔ (اتنی جوان دادی [illegible] والوں کو ہی ملتی ہے نا!)

"[illegible] کا کام کیا ہے۔ اس سے تو اچھا تھا کہ [illegible] کہیں دھکا دے دیتے۔"

مجھے [illegible] کا دورہ پڑ گیا تو وہ متحیر سا مجھے دیکھنے لگا۔ "[illegible] ہے کہ میں اس وقت فل میک اپ میں [illegible]۔"

"تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ زرمینہ کے بجائے فائقہ کی منگنی ہونی چاہیے۔"

اس نے جیسے غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔

ادھر میرے آنسو چھلک پڑے۔

"ہاں تو یہ تھوڑی کہا تھا کہ دادا جان کے ساتھ منگنی کروا دو۔ ہائے اللہ! اس خبیث عمران سے یہ نہ ہوا کہ [illegible] کے کود پڑتا سین میں۔ چھین لیتا دادا سے انگوٹھی اور بنا لیتا اپنی ہونے والی دادی کو اپنی منگیتر۔"

میرے بین جاری تھے اور سامنے ہنستی مٹھائی کھاتی فائقہ مجھے مخبوط الحواس لگ رہی تھی۔

"واٹ؟" وہ جیسے بدکا۔

"کس کی دادی؟ کون؟"

"اب دادا جان نے منگنی کی ہے فائقہ سے تو وہ عمران کی دادی۔۔۔"

وہ میری پوری بات سنے بغیر مجھے بازو سے پکڑ کر گھسیٹ کر باہر لے آیا۔

"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا؟" اس نے حیرت سے پوچھا اور [illegible] طرح بولا۔

"[illegible] مجھے یہ پوچھنا چاہیے دماغ تو ہے نا تمہارے [illegible]"

"[illegible] ایک انتہائی ظالم، جابر اور پتھر دل انسان ہو تم [illegible] ایک بیچتے جاتے انسان کی خوشی کا ذرہ برابر بھی خیال نہیں کیا۔"

میں نے دکھی لہجے میں کہا تو اس نے دانت پیسے۔

"ان کی خوشی ہی کا خیال کیا تھا۔ وہ اپنے پوتے کی منگیتر یعنی اپنی بہو کو اپنے ہاتھ سے انگوٹھی پہنانا چاہتے تھے۔"

"تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ۔۔۔" میں نے روانی سے کہنا چاہا، مگر ذہن نے اس کے فقروں کو ڈی کوڈ کر لیا۔

پوتا۔ یعنی عمران عباس اور منگیتر کو انگوٹھی۔۔۔ بہو یعنی فائقہ۔

میں نے تھوک نگلتے ہوئے ازمیر کی طرف دیکھا تو وہ کھا جانے والی نظروں سے مجھ ہی کو دیکھ رہا تھا۔

"تو وہ زرمینہ کی دادی، ساس نہیں بن رہی؟"
مجھے ایک اور سوال سوجھا تو وہ غرا اٹھا۔

میں نے ڈرائنگ روم کی طرف چھلانگ لگائی جہاں سب کے ساتھ میں نے بھی لڈی ڈالنی تھی۔

اور رہ گیا ازمیر۔ تو ثابت ہو گیا کہ وہ اتنا بھی سنگ دل نہیں ہے جناب! اور یہ سوچ سوچ کر میرے دل میں لڈو تو کیا پورا سویٹ پیلس پھوٹ رہا ہے کہ میں اس پر ڈورے ڈالنے کی نئی مہم شروع کروں تو کبھی نہ کبھی کامیاب ہو ہی جاؤں گی۔

جامِ جم سے میرا جامِ سفال اچھا ہے

انسان مختصی ارتقا کے ابتدائی ادوار میں "گیلی مٹی" کی مانند ہوتے ہیں۔ جنہیں معاشرے کا "کمہار" "تربیت" کے "چاک" پر دھرتا ہے اور بازارِ حیات کی "مانگ" کو مدِنظر رکھ کر اپنی نیت اور چاہت کے ہاتھوں سے ایک خاص سانچے میں ڈھالتا ہے۔ اس قالب سازی کے دوران اس کی "انگلیاں" "ہر برتن" کے بدن پر رنگوں، رواجوں، مذہب، سیاست، جذبوں، خوابوں اور سرابوں کی ان گنت پیچیدہ تحریریں رقم کرتی ہیں۔

گیلی مٹی کے یہ "سانچے" حالات کے "آوے" میں ڈھلتے ہیں۔ ان مراحل سے گزرتے ہوئے ہر برتن کا "ظرف" اور "منصب" اس کی قیمت کا تعین کرتا ہے۔ کچھ "سفال گر" کی بے توجہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کچھ اس کے اناڑی پن کی نذر ہوتے ہیں۔ کچھ "آوے" کی "دہک" برداشت نہیں کر پاتے اور تڑخ جاتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو بازار تک تو پہنچتے ہیں مگر انہیں کوئی "خریدار" میسر نہیں آتا۔ ان کا نصیب اور بازار کا اسلوب ہی "ظرف" کا مقام طے کرتا ہے۔ گل دان اور پیک دان میں ساخت کا فرق بھلے نہ ہو مگر نصیب کا فرق ضرور ہوتا ہے۔

یہی میرے ناول کی تھیم ہے۔

محض چند واقعات کو اپنے انداز میں آپ کے سامنے پیش کر رہی ہوں۔ کرداروں کے ساتھ انصاف کرنے کی زحمت میں نے نہیں اٹھائی کیونکہ میرا فہم و ادراک ناقص اور نامکمل ہے۔ میں یہ کام آپ پر چھوڑ رہی ہوں کیں آپ کو خود ہی بہتر منصف بننا ہے۔ میں اپنی رائے بھی نہیں دے رہی۔ صرف آپ کی رائے مانگ رہی ہوں۔ آپ اس ناول کو بھی تنقیدی نظر سے دیکھیں مگر اسے مٹی کے بے جان برتنوں کی کہانی مت سمجھیے گا۔

یہ جیتے جاگتے وجود رکھنے والے اور جدوجہد کرنے والے انسانوں کی داستان ہے۔

بشریٰ سعید

بشریٰ سعید

سفال گر

صوفیہ بچپن سے ناسازگار حالات سے گزر رہی ہے۔ اسے نہیں معلوم کہ اس کا باپ کون ہے جبکہ اس کی ماں البا گرانٹ کے عشق میں پاگل تھی۔ ماں کے انتقال کے بعد گرانٹ نے اس کی پرورش کی ہے۔ صوفیہ کو نہ اپنے والدین سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ ہی مذہب سے۔ وہ پابندیوں سے آزاد زندگی گزارنا چاہتی ہے۔ کلاس میں جیسکا اور کیلی کو مستقبل کے حوالے سے وہ بتاتی ہے کہ وہ غلط راستے پر چلنا چاہتی ہے۔ نیل صوفیہ کے پڑوس میں رہتا ہے۔ وہ صوفیہ کا خیال رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ گرانٹ صوفیہ کو پوسٹ آفس خط ڈالنے کو کہتا ہے جسے وہ ہر مرتبہ کی طرح لاپروائی سے ہوا برد کر دیتی ہے۔ کارل میکارتھی کالج کا سب سے ہینڈسم اور فلرٹ لڑکا ہے۔ لیکن صوفیہ اس پر توجہ نہیں دیتی۔ وہ کارل کے لیے تیز مرچ ثابت ہو رہی ہے۔

عمر کی پرورش حکیم بیگم کے ہاتھوں ہوئی ہے۔ جن کا خمیر محبت اور جفاکشی سے اٹھا ہے۔ انہوں نے عمر کی گھٹی میں "اللہ" سے محبت بھری ہے۔ حکیم بیگم کو اللہ سے عشق ہے۔ عمر کی خواہش ہے کہ بے جی (حکیم بیگم) کو اس کی ذات سے دکھ نہ پہنچے لیکن ہر مرتبہ کچھ غلط ہو ہی جاتا ہے۔ عمر کو حکیم بیگم نے ایک عیسائی عورت سے گود لیا تھا۔ عمر کو اپنی ماں کے بارے میں جاننے کا تجسس ہے۔ ماسٹر صاحب کا قلم اٹھانے پر حکیم بیگم عمر پر سورۃ الناس اور سورۃ الفلق پڑھ کر پھونکتی ہیں تاکہ وہ آئندہ کوئی غلط حرکت نہ کرے۔ ان کی ایک بیٹی آمنہ امریکہ میں رہتی ہے۔ شادی کے بارہ برس گزرنے کے باوجود وہ بے اولاد ہے۔ حکیم بیگم ہر وقت اس کے لیے اولاد کی دعا مانگتی ہیں۔ عمر کو بے جی کی لگن حیران رکھتی ہے۔

پرنیاں آبزک کو پارک میں ایک اجنبی gloxinia کا پھول دے کر پرپوز کرتا ہے تو وہ ششدر رہ جاتی ہے۔ بعد میں وہ صرف اسی شناسا اجنبی سے ملنے پارک جاتی ہے۔ اس ملاقات میں پرنیاں پر کھلتا ہے اجنبی (احمد) کو اداکاری کا جنون ہے۔ وہ اپنے آپ کو مستقبل کا عظیم اداکار سمجھتا ہے۔ وہ اپنے کردار کی ریہرسل کے لیے پارک میں موجود لڑکیوں کو پرپوز کرنے کی اداکاری کرتا ہے۔ یہ جان کر پرنیاں کو دھچکا لگتا ہے۔

احمد اس سے ملاقات کا وعدہ کر کے اپنی دوست البا باربیلو کے ساتھ چلا جاتا ہے۔

ابراہیم چالیس کی دہائی میں اپنے تایا کے پاس امریکہ چلا گیا۔ جو وہاں فرنیچر کا کاروبار کرتے تھے۔ تایا کی بیٹی ماریہ سے شادی کر کے اس کی لاٹری نکل آتی ہے۔ وہ ان کی جائیداد کا وارث بھی بن جاتا ہے۔ ماریہ کی رفاقت ہر پل اسے اپنی خوش بختی کا احساس دلاتا ہے۔ بد قسمتی اس وقت ابراہیم کے دروازے پر دستک دیتی ہے۔ جب ماریہ اسے ایک بچے کا تحفہ دے کر اپنے رب سے جا ملتی ہے۔ اسپتال جلدی پہنچنے کے لیے وہ اسٹون کی بیش قیمت کار ادھار لیتا ہے۔ جو اس کی بد احتیاطی سے تباہ ہو جاتی ہے۔ ساتھ ہی دو ملین کی رقم بھی آگ کی نذر ہو جاتی ہے۔ اس کی قیمت اسے اپنی تمام جائیداد اور دس انگلیاں اسٹون کے ہاتھوں کٹوا کر چکانی پڑتی ہے۔ وہ اکلوتے بیٹے احمد سمیت سڑک پر آجاتا ہے۔

احمد کی وجہ سے اسے کئی جگہ نوکری سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ ہر مرتبہ اس کا دل احمد کو ختم کرنے کو چاہتا ہے۔ آخر کار وہ کتابوں کی اپنی دکان کھول کر زندگی کی گاڑی کھینچنے لگتا ہے۔ اس کا رجحان مذہب کی جانب [illegible] ہے۔ جبکہ احمد کا دل تمام تر کوششوں کے باوجود اللہ کی جانب مائل ہونے سے انکاری ہے۔

احمد جتنا اللہ سے بھاگتا ہے۔ ابراہیم زبردستی اسے دین کی جانب لانے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک اسٹار بننے کا خواب احمد کو بے چین رکھتا ہے۔ باپ کی سختی اور مار پیٹ اسے اور شدت سے شوق کی [illegible] جاتی ہیں۔ اسکول میں وہ لڑکیوں کی "پسندیدہ" ہستی ہے۔ ایک میٹنی شو کے عوض وہ کسی بھی [illegible] سکتا ہے۔ وہ اداکاروں کا زبردست نقال ہے۔ کیری گرانٹ اس کا پسندیدہ اداکار ہے۔ [illegible] کے لیے گھر سے بھاگنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ عین اس وقت جب وہ دہلیز سے باہر قدم رکھ رہا تھا۔ ابراہیم [illegible] اور اس کا جسم ناکارہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ دن رات کی خدمت سے تنگ آ کر وہ ابراہیم کو مار ڈالتا ہے۔ [illegible] کہ اب قسمت اس پر اپنی مہربانی ضرور کرے گی۔ اس کے خواب اس وقت چکنا چور ہو جاتے ہیں جب پولیس اسے گرفتار کر کے اسے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔

دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر پرنیاں گرانٹ کو [illegible] ہے تو وہ اس کا خیر مقدم کرتا ہے۔ دونوں کے درمیان دوستی پروان چڑھنے لگتی ہے۔ گرانٹ کی ساری [illegible] ڈھونڈتی ہے جو کہ اس کا پہلا عشق بھی ہے۔ پرنیاں گرانٹ کو متاثر کرنے کے لیے کیری گرانٹ کے [illegible] کرتی ہے۔ داؤد اسے ان مشکوک سرگرمیوں پر ٹوکتا ہے۔ کچھ ہی دنوں میں گرانٹ کے سامنے تمام اصلیت آجاتی ہے۔ وہ پرنیاں کے جذبے کی پذیرائی کرتا ہے۔ ہوٹل میں دعوت پر گرانٹ اپنی دوست البا کو لاتا ہے تو البا ہسپانوی زبان میں اسے "گھٹیا" کہتی ہے۔ پرنیاں کو البا کی حرکتیں ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔

صوفیہ "بروم ہنٹ" پر کارل میکارتھی کی ساتھی بننے کی پیش کش [illegible] کرتی ہے۔ شو کے لیے ڈریس تک وہ کارل کے پیسوں سے خریدتی ہے۔ کارل اس پر [illegible] کے علاوہ [illegible] کارل صوفیہ کے ساتھ چند لمحات قربت میں بتانا چاہتا ہے جس کے لیے وہ صوفیہ کو اضافی رقم دیتا ہے۔ صوفیہ اس پیش کش کا جواب بھی مثبت دیتی ہے۔ کارل اپنے دوست کے ساتھ مل کر صوفیہ کی نازیبا ویڈیو بنانا چاہتا ہے تاکہ صوفیہ کو بلیک میل کر سکے۔

عمر کو اس کی ماں حکیم بیگم سے واپس مانگنے [illegible] آجاتی ہے۔ لامحالہ حکیم بیگم کو عمر کو لوٹانا ہی پڑتا ہے۔ عمر کی ماں (آپا) عیسائی ہے اور ایک مقامی اسکول میں [illegible] شدومد سے عمر کو عیسائی بنانے کی کوشش کرتی ہے لیکن عمر دین اسلام سے اپنا قلبی تعلق ختم نہیں [illegible] بیگم کو یاد کرتا رہتا ہے۔ آپا عمر کو اس کے حال پر چھوڑ دیتی ہے۔ آپا کے [illegible] شوکت صاحب کا التفات [illegible] گزرتا ہے جو ان کے اسکول کا پرنسپل بھی ہے۔ آپا اسے غیر ضروری ڈھیل دیتی ہیں جو عمر کو گراں گزرتی ہے [illegible] اس کا اظہار نہیں کرتا۔

آپا نازیبا لباس [illegible] عمر کے ساتھ مارکیٹ جاتی ہے تو عمر شرم سے گڑ کر رہ جاتا ہے۔ اس کی رائے ماں کے کردار کے متعلق اور بھی خراب ہو جاتی ہے۔

بروم ہنٹ [illegible] کے دوران اچانک گرانٹ پہنچ کر کارل کا منصوبہ خاک میں ملا دیتا ہے۔ گرانٹ صوفیہ کو مارتے پیٹتے [illegible] لاتا ہے۔ اس بے عزتی پر وہ کسی سے نظریں ملا نہیں پاتی۔

[illegible] نیل کو اس کی بے حرمتی پر گرفتار کر لیا جاتا ہے تو وہ خوف کے مارے سچ اگلنے کو تیار ہو جاتا ہے جسے سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

احمد باہر نکلتا ہے تو اسے پولیس پکڑ لیتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اسے ابراہیم کے قتل پر پولیس نے پکڑا ہے جبکہ اسے مسز [illegible] کی شکایت پر پکڑا گیا ہے۔ پکڑے جانے پر احمد بھاگنے کی کوشش میں کانسٹیبل کو قتل کر دیتا ہے۔ عدالت اس قتل پر اسے سات سال قید سناتی ہے۔ اس دوران اسے خدا ٹوٹ کر یاد آتا ہے۔ ساتھ ہی ابراہیم کے ساتھ کیے سلوک پر پچھتاوا ہونے لگتا ہے۔

پرنیاں گرانٹ کے عشق میں ڈوب چکی ہے۔ اسی اثناء میں اس پر انکشاف ہوتا ہے کہ گرانٹ نیوڈ ماڈلنگ کرتا ہے۔ یہ بات اسے ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ تب بھی وہ گرانٹ سے بے اعتنائی نہیں برتتی۔ گرانٹ اس سے محبت کا اظہار کرتے ہوئے پرپوز کرتا ہے۔ ساتھ یہ انکشاف بھی کرتا ہے کہ احمد گرانٹ اس کا اسکرین نیم ہے اس کا اصل نام احمد ابراہیم ہے۔ وہ مسلمان ہے۔ یہ خبر پرنیاں کو ساکت کر دیتی ہے۔ وہ احمد کو بتا دیتی ہے کہ وہ اپنا مذہب تبدیل نہیں کرے گی اس لیے احمد اس سے شادی کا ارادہ دل سے نکال دے۔

ہالی وڈ میں حالات احمد کو بری طرح پسپا کرتے ہیں۔ اسے تھرڈ کلاس جگہ پر رہائش اختیار کرنا پڑتی ہے۔ تمام بڑی ایجنٹ کمپنیاں اسے بری طرح ریجیکٹ کرتے ہوئے mocking bird (نقال پرندہ) قرار دیتی ہیں۔ وہ اپنے مالک مکان سے کسی جاب کی بات کرتا ہے۔ سب ادارے احمد کو ایکسٹرا کا کردار قبول کرنے کا مشورہ دیتے ہیں جو اسے قبول نہیں ہے۔ ایک ادارے کا اشتہار پڑھ کر احمد آڈیشن دینے جاتا ہے۔

حکیم بیگم کی دعائیں رنگ لاتی ہیں اور شادی کے 20 سال بعد آمنہ کے یہاں اولاد کی خوش خبری سننے کو ملتی ہے۔ عمر اسے صرف حکیم بیگم کی مستقل لگن قرار دیتا ہے۔ حکیم بیگم کے داماد یوسف اسے پڑھائی کے لیے امریکہ بلوانے کا کہتے ہیں تو وہ انہیں اپنی رضامندی دیتا ہے۔

پرنیاں کو اطلاع ملتی ہے کہ پاکستان میں اس کے والد آبزک کی طبیعت بے حد ناساز ہے اور اسے جلد پاکستان جانا ہو گا۔ آناً فاناً پرنیاں اور داؤد کا رشتہ طے کر دیا جاتا ہے۔ جس پر پرنیاں گم صم رہ جاتی ہے۔ وہ داؤد سے کہتی ہے کہ وہ رشتے سے انکار کر دے۔ داؤد اس سے وجہ پوچھتا ہے تو وہ اسے سچ بتا دیتی ہے۔ وہ پرنیاں کی بات ماننے سے انکار کرتا ہے۔ پرنیاں دل

گے ہاتھوں مجبور ہو کر مسلمان ہونے کے باوجود احمد سے شادی کا فیصلہ کر لیتی ہے۔ احمد کو ”ہمیشہ [illegible] ہونے“ کی بنیاد پر بری طرح مسترد کر دیا جاتا ہے۔ اسے ایک بار پھر وقت آمیز نوکری کرنا پڑتی ہے۔ رائن کے گھر میں رہائش اس کے لیے ناقابل برداشت ہے۔ ایک حادثہ احمد کی ملاقات الیا سے کرواتا ہے۔ جو اس کے یک طرفہ عشق میں مبتلا ہے۔ ناپسندیدگی کے باوجود وہ الیا سے قطع تعلق نہیں کرتا۔ الیا کی حرکتیں بعض مرتبہ مشکوک بھی کرتی ہیں۔ الیا احمد کی ایک نظر التفات کے لیے اپنی بھابھی صوفیہ کو گھر چھوڑ کر آتی ہے۔ ایک بی کلاس فلم میں احمد کو ایک لائن کا کردار ملتا ہے تو وہ اسے نعمت غیر مترقبہ سمجھتا ہے۔ وہ اس اطالوی جملے کی ریہرسل کے لیے پارک میں ہر لڑکی کو gioxinia کا پھول پیش کرتا ہے۔ وہیں اس کی پرنیاں آہزک سے ملاقات ہوتی ہے۔ اس کی خوب صورتی احمد کو متاثر کرتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۵
پانچویں قسط

وہ سادگی اور دھیمے پن سے کلام کرتی تھی۔ اس کی باتوں میں پیچیدگی تھی اور نہ آواز میں بناوٹ۔ وہ سمندر کے ان چھوٹے جزیروں کے مثل تھی جہاں سے کسی جہاز راں کا گزر نہ ہوا تھا۔

اس کی معیت میں وقت بیتنے کا احساس تک نہ ہوا، پھر الیا نے آکر جلدی مچادی، رخصت ہوتے ہوئے اسے پرنیاں کا ٹیلی فون نمبر اور پتا معلوم کرنا یاد نہ رہا۔ بعد میں وہ اس غفلت پر بہت پچھتایا تھا۔ اگر اس کا ذہن آنے والے کل میں الجھا ہوا نہ ہوتا تو وہ کبھی یہ بات فراموش نہ کرتا۔ غنیمت تھا کہ باتوں باتوں میں اس نے پرنیاں کی ہتھیلی پر قلم سے اپنا نام اور ٹیلی فون نمبر لکھ دیا تھا۔ وہ پرامید تھا کہ پرنیاں اس سے رابطہ ضرور کرے گی۔

پوری تمام رات اس نے جاگتے ہوئے، کروٹیں بدل کر اور بے چینی کے لذت بھرے احساس کے ساتھ گزاری۔ صبح بستر سے اٹھ کر طبیعت کے بوجھل پن کو زائل کرنے کی خاطر اس نے بلیک کافی پی اور رائن سے کار لے جانے کی اجازت مانگی۔

”ٹھیک ہے لے جاؤ۔“ اس نے جماہی لے کر باہیں پھیلائیں۔

”لیکن مجھے کتنا وقت لگے گا کوئی اندازہ نہیں ہے۔“

”چھ سے آٹھ گھنٹے بھی صرف ہو سکتے ہیں تم تو اچھی طرح سمجھتے ہو۔“

رائن جانے کس سوچ میں گم تھا۔ خلاف عادت اس نے کچھ بھی کہے بنا محض سرہلا کر کروٹ بدل لی۔

ساؤنڈ اسٹیج نمبر پانچ پر پہنچ کر اسے کسی انہونی کا احساس ہوا تھا۔ اسسٹنٹ ڈائریکٹر کے بقول اسے اپنا مکالمہ ہیلووین پارٹی کے موقع پر ادا کرنا تھا اور سیٹ اس وقت ہیلووین پارٹی کے لیے سجے ہوئے ایک ڈرائنگ روم کا منظر ہی پیش کر رہا تھا۔ مگر کچھ لوگ تیزی سے اس منظر کو بگاڑنے میں مصروف تھے۔ بڑی موم بتیاں، Jack o Lanterns آرائشی [illegible] ہیبت ناک مکھوٹے سب چیزیں [illegible] جارہی تھیں اور اس ڈرائنگ روم کو اسپتال کے ایک کمرے میں ڈھالنے کی تیاریاں [illegible]

کیا اسے آنے میں تاخیر ہو گئی ہے؟ گھڑی کی سوئیوں نے تردید کی۔ ابھی دس بجنے میں پچیس منٹ باقی [illegible] سیٹ کی ہیئت کو بدلتے ہوئے [illegible] نے اسسٹنٹ ڈائریکٹر کو ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی۔ وہ اسے ایک لائٹنگ ٹیکنیشن کے ساتھ بگڑے تیوروں سے بات کرتا ہوا ملا۔ اسے متوجہ کرنے کی خاطر احمد کو کافی تردد کرنا پڑا۔

”میں ایڈم گرانٹ ہوں۔“

”تو؟“ اس کی آنکھوں میں شناسائی کی کوئی رمق نہ تھی۔

”تم نے مجھے دس بجے آنے کے لیے کہا تھا۔ قاتل کے کردار کے لیے۔“

وہ ذرا سا چونکا۔ ”یقیناً!“ اسے یاد آگیا تھا۔ لیکن جواب دینے کے بجائے وہ دوبارہ ٹیکنیشن سے الجھنے لگا۔

”کیا شیڈول تبدیل ہو گیا ہے؟“ اس نے کسی [illegible] کے تحت پوچھا۔

”میں مصروف ہوں، پریشان مت کرو۔“ [illegible] دیکھے بغیر وہ بولا۔

”اگر شیڈول میں کوئی ردوبدل [illegible] مطلع کرنا تمہاری ذمہ داری [illegible]“ اس نے حتی المقدور لہجے کو مہذب رکھنے کی [illegible]

اسسٹنٹ [illegible] کا بوجھ ایک پاؤں سے دوسرے [illegible] کرتے ہوئے اس کی جانب مڑا۔

”میری ذمہ داریوں کے متعلق مجھے مت بتاؤ۔ میں نے [illegible] تھا۔“

احمد کو خیال آیا کہ ان کے ٹیلی فون کا تار ایک مقام پر خاصا مخدوش تھا اور اکثر اس کے یا رائن کے پیروں میں الجھ کر ٹوٹ جاتا تھا۔ شاید رات کو بھی ایسا ہی ہوا ہوگا۔ ایڈی بلیک ول نے اسے اطلاع دینے کی ناکام کوشش کی ہوگی۔

”میں معذرت چاہتا ہوں۔ میرے اپارٹمنٹ کا ٹیلی فون خراب ہے۔ تو اب میں دوبارہ کب آؤں؟“

”اب تمہاری ضرورت نہیں رہی۔“

اس کا دل ڈوب کر ابھرا اور گلا سوکھنے لگا۔

”لیکن میں اس کردار کے لیے موزوں ہوں۔ میں نے اپنے طور پر بہت مشق کی ہے۔“

”ہم نے معمولی سی تبدیلی کا فیصلہ کیا ہے۔ قاتل کا کردار کہانی سے نکال دیا گیا ہے۔“ وہ پھر سے ٹیکنیشن پر برسنے لگا۔

احمد کا کیریئر شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اپارٹمنٹ کا دروازہ کھولتے ہی اسے شبہ ہوا کہ وہ کسی غلط جگہ [illegible] آگیا تھا۔ سب سے پہلے اسے جس شے کی عدم موجودگی کا احساس ہوا وہ رائن کا بیڈ تھا۔ پھر اس نے [illegible] ہیٹ کو بھی غائب پایا۔ داغ دار میز جس کی ٹانگیں [illegible] اکھڑی تھیں، جھولنے والی کرسی، [illegible] ہرے لیمپ شیڈ والا لیمپ جسے وہ رات کو سوتے وقت جلاتے تھے۔ وارڈ روب کے پہلو میں لگی فریم شدہ سیاہ و سفید تصویر جس میں رائن کالو بوائے آؤٹ فٹ میں ہائی اسکول کے دوسرے لڑکوں کے ساتھ griffin (آدھا شیر، آدھا عقاب) کے دیوہیکل مجسمے کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ سب معدوم ہو چکا تھا۔

کمرہ خالی تھا۔ بجز ٹیلی فون اور عقبی کھڑکی سے ذرا ہٹ کر بچھے ہوئے احمد کے میٹرس کے۔ وہ وارڈ روب کے پٹ کھول کر دیکھنے لگا۔ رائن کے تمام کپڑے مع اس کے درجن بھر موزوں کے اب وہاں نہیں تھے لیکن اس کے اپنے کپڑے موجود تھے۔ باتھ روم کا بھی یہی احوال تھا۔ رائن کی تمام اشیاء وہاں سے ہٹائی جا چکی تھیں۔ شاید رائن کو اچانک کہیں جانا پڑا تھا، لیکن اسے تمام سامان ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت تھی اور وہ اس کے نام کوئی پیغام بھی چھوڑ کر نہیں گیا تھا۔ ایسی کیا آفت آن پڑی تھی۔ اس کے اسٹوڈیو جانے اور وہاں سے واپس آنے میں زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے ہی تو لگے تھے۔ وہ خود سے الجھتا ہوا زیریں منزل پر آیا اور لینڈ لیڈی اوما کے اپارٹمنٹ کے دروازے پر دستک دی۔ اندر آنے کی دعوت پر اس نے اوما سے معذرت کی اور اپنا مدعا بیان کیا۔

”رائن نے کہا تھا کہ وہ Seattle جا رہا ہے۔ تم سے ناراض ہے اس لیے تمہیں بتا کر نہیں جا رہا۔“

”اور کچھ؟“ اس نے طویل سانس بھرتے ہوئے کہا۔ رائن سدرلینڈ جیسے شخص کی طرف سے یہ عمل کچھ ایسا انوکھا نہ تھا۔

”اس کے ساتھ ایک بارہ، تیرہ سال کی بچی بھی تھی۔ کہتا تھا اس کی بھتیجی ہے اور ہائی اسکول میں پڑھتی ہے۔ وہ پہلے کبھی نظر نہیں آئی۔ اس نے بڑی عمر کی عورتوں کی طرح میک اپ کر رکھا تھا، تم جانتے ہو

"اسے؟"

اسے رائن کی شناسا سب سے کم عمر hooker جوڈی کا خیال آیا' لیکن اس نے اوبا کو بتانا ضروری نہیں سمجھا۔ "مجھے بھی رائن نے کبھی نہیں ملوایا تھا۔ ٹھیک ہے تم آرام کرو۔" وہ اکتائے ہوئے انداز میں مڑنے لگا تو اوبا نے روک دیا۔

"تب تو تم اکیلے ہی رہو گے تو۔ پچھلے چھ ماہ کا کرایہ واجب الادا ہے۔ میں ابھی تقاضہ نہ کرتی مگر کیا کروں' اخراجات بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ میرا بڑا بیٹا اب کالج میں داخلہ لینے والا ہے۔ چھوٹے دونوں بھی سینئر ہائی اسکول۔"

اس نے اوبا کی بات کاٹ دی۔ "میں تو ہر ماہ باقاعدگی سے رائن کو کرایے کی رقم دیتا رہا ہوں۔"

"اس نے مجھ سے چھپایا نہیں۔ مجھے پتا ہے کہ اسی بات پر تم دونوں کے بیچ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ وہ رقم اس نے تم سے پوچھے بنا اپنی ضروریات پر استعمال کر لی تھی۔ وہ ایسا ہی لاپروا ہے۔ اس نے کہا کہ وہاں پہنچ کر تمہارا قرض لوٹا دے گا۔ اگر اسے جلدی جانے کی اس قدر مجبوری نہ ہوتی تو میں کرایے کی رقم کا تصفیہ کیے بغیر اسے کبھی جانے نہ دیتی۔ اس کی ماں کو ہڈیوں کا کینسر ہے اور اس بے چاری کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی بھی نہیں۔"

احمد کو علم تھا کہ رائن کی ماں کچھ سال قبل Hell's Kitchen میں اسی فارم ہاؤس میں مری تھی' جہاں اس کے دونوں بڑے بھائی کام کرتے تھے اور اس کی ہلاکت کی وجہ نمونیا تھا' لیکن رائن سے اور کیا توقع کی جا سکتی تھی۔ اوبا کچھ دیر کے لیے اندر غائب ہوئی اور ایک نارنجی Persimmon (لیس دار گودے والا ترش و شیریں پھل) لا کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ وہ اب تک منہ کھولے وہیں کھڑا تھا۔

"یہ تمہارے لیے' میں تمہیں رائن کی نسبت زیادہ پسند کرتی ہوں۔ تم میں احساس ذمہ داری ہے۔ تو میں امید رکھوں کہ تم جلد ہی کرایہ ادا کرو گے۔"

وہ خاموشی سے پلٹ گیا تھا۔ اس سے ایک معمولی عمل نہیں ہو پا رہا تھا۔ اگر رائن کسی دوسری ریاست میں مستقل رہائش کے ارادے سے گیا تھا تو وہ اپنی کار اس کے پاس کیوں چھوڑ گیا تھا۔ کچھ خیال آتے پر وہ تیز قدموں سے اپارٹمنٹ میں واپس آیا اور باتھ روم میں گھس کر لکڑی کی کیبنٹ کھولی۔ کیبنٹ کے نچلے چوبی تختے میں دیمک لگنے سے ایک دراڑ پڑ گئی تھی' جس کے راستے کیبنٹ کے تختے اور دیوار کے درمیانی خلا میں با آسانی دو انگلیاں داخل کی جا سکتی تھیں۔ اس شگاف میں انگلیاں ڈال کر اندر رکھی ہوئی پولی تھین کی تھیلی باہر کھینچنے سے پہلے ہی احمد کو معلوم ہو گیا تھا کہ اسے کیا پیش آنے والا تھا۔ جس تھیلی میں وہ پچھلے اٹھارہ ماہ سے رقم جمع کر رہا تھا' جسے گزرے ہوئے اتوار کو اس نے دانت برش کرنے کے دوران یہیں کھڑے ہو کر گنا تھا تو اس کی مالیت چھ سو ستاون ڈالر تھی اور جو اس نے سیکنڈ ہینڈ کار خریدنے کے لیے چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کو پس پشت ڈال کر اکٹھی کی تھی' وہ اپنی کاہلی کی وجہ سے اس رقم کو بینک میں رکھوانے کے بجائے اس تاریک سوراخ میں رکھتا رہا تھا۔ اس وقت پولی تھین کی اسی تھیلی میں ایک رقعے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس نے کانپتے ہاتھ میں کاغذ کا پرزہ تھام کر دھندلی آنکھوں سے اسے پڑھنے کی کوشش کی۔

"مجھ پر انکشاف ہوا [illegible] محبت ہو گئی ہے۔ میں اپنی جوڈی [illegible] احمد [illegible] نئی زندگی کی شروعات کرنے [illegible] سرحد کے پار جا رہا ہوں۔ وہاں قوانین [illegible] نہیں ہیں۔ [illegible] کیلی فورنیا میں جوڈی سے شادی کرنے کے لیے مجھے کم از کم پانچ چھ سال انتظار کرنا پڑتا۔ محبت کا ایک ایک پل قیمتی ہوتا ہے۔ اسے واہیات قوانین کی بھینٹ نہیں چڑھایا جا سکتا۔ میں اپنی Swinger تمہارے ہاتھ بیچ رہا ہوں۔ تمہیں اس کی مجھ سے زیادہ ضرورت ہے۔ تم میرے بہت ہی عزیز دوست ہو' مجھے تمہارے مسائل کا پورا احساس ہے۔ میں میکسیکو جا کر وہاں سے تمہیں

اپنی اور جوڈی کی خیریت سے آگاہ کروں گا۔ مجھے جوڈی میری منتظر ہے۔ آج اس نے سیکسی پنک ڈریس پہن رکھا ہے اور کیا قیامت ڈھا رہی ہے' بیان سے باہر ہے۔

تمہاری کامیابیوں کے لیے ہمیشہ دعا گو۔

تمہارا روم میٹ' آر سدرلینڈ۔"

احمد کو ہتھیلی اور انگلیوں میں چپچپاہٹ کا احساس ہوا تو اس نے چونک کر اپنا ہاتھ دیکھا۔ مٹھی میں دبے Persimmon کی نارنجی کھال پھٹ گئی تھی اور چپ دار گودا رسنے لگا تھا۔

✲ ✲ ✲

"اس نے بہت [illegible] میں برداشت کرتا رہا' شاید اس لیے کہ برداشت کرنے کے سوا میرے پاس [illegible] راستہ نہیں تھا یا شاید اس لیے کہ میں [illegible] دوست سمجھتا تھا۔ قریباً سات سال [illegible] اکٹھے رہتے ہوئے۔ اتنا عرصہ بہت ہوتا ہے [illegible] چھت کے نیچے رہنے والے دو انسانوں میں ہمدردی اور انسیت کا تعلق قائم کرنے کے لیے' پر وہ انسان تھا ہی کب' filthy pig ناپاک سور۔"

احمد کے پاؤں البا کی گود میں دھرے تھے اور صوفے کے ہتھے پر سے گردن ڈھلکائے وہ پچھلی دیوار کو نیچے سے اوپر کی سمت گھور رہا تھا۔ خاصی دیر سے سر لٹکانے کے باعث اس کی آنکھوں میں خفیف سی سرخی در آئی تھی۔ البا اس کے پیروں کی انگلیوں کو نرمی سے سہلا رہی تھی۔ وہ [illegible] سے البا کی طرف ہی تھا۔

"وہ شروع سے ہی میرا استحصال کرتا آ رہا تھا۔ میں نے کیوں اسے اجازت دی۔ سب میری غلطی ہے۔ مجھے لوگوں کی پہچان نہیں ہے۔ میں ہر کسی پر اعتبار کر لیتا ہوں۔ میں الو کا پٹھا ہوں۔ اس کی کار سے جواب میری کار ہے۔" وہ تمسخر سے ہنسا۔ "لوہے کا ناکارہ پنجر ہے۔ سال میں چھ مہینے تو ورک شاپ میں رہتی ہے۔ اس کا میں کیا کروں۔ جانے کب سے مجھے دھوکہ دینے کا منصوبہ اس کے شاطر دماغ میں چل رہا تھا۔ اس وقت وہ ہنس رہا ہو گا مجھ پر اور میں یہاں اپنی بے بسی کا رونا رو رہا ہوں۔ لعنت ہے میری بے چارگی پر۔ بلز کی ادائیگی میں [illegible] سے کروں۔ چھ ماہ کے کرایے کے لیے [illegible] کہاں سے لاؤں۔ میرے پاس اتنی رقم بھی نہیں ہے کہ میں کوئی اچھا سا سیچ لالاٹر زہر خرید کر کھا سکوں۔ مجھے بار کی ملازمت سے نفرت ہے۔ مجھے اپنے آپ سے نفرت ہے۔ مجھے زندگی سے نفرت ہے۔"

البا کی انگلیاں اس کے پنجوں کے درمیانی خلا میں آہستگی سے حرکت کر رہی تھیں۔ "کاش میں تمہیں کچھ رقم دے سکتی' لیکن میں نے..."

احمد نے تلخی سے اس کی بات کاٹی۔ "تمہیں سنانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں تم سے کچھ مانگ رہا ہوں۔"

"احمقوں جیسی بات مت کرو۔ تم مجھے چوٹ پہنچا رہے ہو۔ میرا جو کچھ ہے سب تمہارا ہے۔ دراصل میں نے وانس میں ایک اپارٹمنٹ خریدا ہے اور جتنی بھی رقم میرے پاس جمع تھی وہ ڈاؤن پے منٹ میں چلی گئی۔ چھوٹا سا اپارٹمنٹ ہے دو کمروں کا۔ اسے خریدنے کی متحمل نہیں تھی میں' لیکن تم سے مل کر اپنے گھر کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی۔ ہم دونوں اس میں منتقل ہو جائیں گے تو مسائل کچھ کم ہو جائیں گے۔"

صوفیہ نیند سے جاگ کر رونے لگی تھی۔ احمد نے اس کے cot کی جانب دیکھنے کی کوشش کی تھی مگر اس زاویے سے پچھلی دیوار اس کے ایک گوشے میں نصب باتھ روم کا دروازہ اور چھت کے کچھ حصے کے سوا باقی کمرہ اس کی آنکھوں سے اوجھل تھا۔

"میں اس میں کیوں رہوں؟ وہ تمہارا اپارٹمنٹ ہے' تمہارا اور صوفیہ کا۔"

"تم اس میں نہیں آؤ گے تو وہ اپارٹمنٹ ہو گا۔ تمہارے آنے سے وہ گھر بن جائے گا۔" اس نے پیروں کے انگوٹھوں پر البا کے ہاتھوں کا لمس محسوس کیا۔

"میں نے گھر خریدا ہے' اپارٹمنٹ نہیں۔ میرے رہنے کے لیے تو یہ گھر ہی کافی ہے۔"

"وانس میں کیوں لیا؟"

پہچاننے کے قابل نہیں رہے گا۔ جب تک کوئی جانبدار ادارہ اس کی سرمایہ کاری کرنا چاہتا ہے۔ سوچ کر مجھے بتانا۔" لورکا نے ایک کارڈ اس کی جیب میں ڈالتے ہوئے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرا تو وہ ایک جھٹکے سے دور ہٹ گیا۔ لورکا نے البا کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھ کر ایک قہقہہ لگایا اور اس کی گردن کے جھولتے ہوئے گوشت میں کریہہ جنبش پیدا ہوئی۔

احمد ان دونوں کو چھوڑ کر تیزی سے باہر آ گیا تھا۔

تمام راستے میں البا اسے مخاطب کرنے کی کوشش کرتی رہی اور وہ شیشے سے باہر جھانکتے ہوئے خاموش بیٹھا رہا۔

"مجھے میرے اپارٹمنٹ پر اتار دو۔" بالآخر اس کے لبوں سے مختصر جملہ برآمد ہوا۔

"میں تو تمہاری مدد کرنا چاہ رہی تھی۔ تم اتنے ناراض ہو گئے ہو کہ مجھ سے بات بھی نہیں کر رہے۔ تمہیں لورکا کے لیے کام نہیں کرنا تو کوئی بات نہیں۔ تمہیں کوئی مجبور تو نہیں کر رہا۔"

"تم ایک پورن آرٹسٹ ہو اور تم نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم ایسا گھٹیا کام کر سکتی ہو۔"

"کوئی بھی کام گھٹیا یا اعلا نہیں ہوتا۔ اس کے لیے ملنے والا معاوضہ کم یا زیادہ ہوتا ہے۔ میں نے بھی بہت جدوجہد کی' مرکزی دھارے میں ملنے کی۔ مگر وہ نئے آنے والوں کے ساتھ جو سلوک کرتے ہیں' تم سے بہتر کون سمجھتا ہے۔ یہ اتنی بھی بری چیز نہیں ہے۔ لوگ مصوروں کے لیے نیوڈ پوز کرتے ہیں۔ کلبوں میں strippers ناچتے ہیں۔ اسے تو کوئی بھی پورنو گرافی نہیں کہتا۔ اگر وہ آرٹ ہے تو یہ بھی آرٹ ہے۔ لورکا صرف چند اسٹلز کے دو سو ڈالر دے رہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ دو دن کا کام ہے۔ Van Nuys میں اس کا اسٹوڈیو ہے۔ mileage اور وہاں قیام کا خرچ بھی وہ دے گا۔ یہ کوئی برا سودا نہیں ہے۔ تم کچھ دیر تنہائی میں غور تو کرو۔ [illegible] میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں بھی تمہارا [illegible] جا سکتی

ہوں؟ اچھے دل سے پوچھو۔" البا نے اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھنے کی کوشش کی تھی۔ احمد نے حقارت سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

"پورن اسٹار ہو لینا! آئندہ مجھے اپنی شکل نہ دکھانا۔ تم قابل نفرت ہو۔ اس دن پر خدا کی لعنت ہو' جب میری ملاقات تم سے ہوئی تھی۔ پورن اسٹار۔ پورن اسٹار مجھے تم سے نفرت ہے۔"

کپڑے تبدیل کرتے ہوئے اس کی جیب سے لورکا کا کارڈ نکل کر فرش پر گرا تھا۔ اس نے جھک کر کارڈ اٹھایا' مٹھی میں بھینچ کر مسلا اور کچرے کی ٹوکری میں اچھال دیا۔ وہ کار البا کے اپارٹمنٹ پر ہی چھوڑ آیا تھا۔ وہاں سے لورکا سے ملنے کے لیے وہ دونوں البا کی کار میں گئے تھے۔ بس کے ذریعے بار جانے کے ارادے سے وہ نیچے آیا تو البا اب تک وہیں اس کے انتظار میں موجود تھی۔ اسے کار میں بیٹھنے پر آمادہ کرنے کی خاطر البا کچھ دور تک اس کے قریب آہستہ رفتار سے ڈرائیو کرتے ہوئے اس کی منت سماجت کرتی رہی' مگر اس کے مسلسل دھتکارنے اور انتہائی سخت الفاظ میں انکار کے بعد البا نے اس کا تعاقب ترک کر دیا تھا۔

وہ کئی بلاک بنا کچھ سوچے سمجھے پیدل چلتا رہا اور جب اس کا گزر ایک ٹیکسی اسٹینڈ کے سامنے سے ہوا تو تھکن سے شل ہوتی ٹانگوں [illegible] اس نے ایک ٹیکسی ڈرائیور کو بار کا پتا بتایا اور پچھلی نشست پر نیم دراز ہو گیا۔ ٹیکسی [illegible] کی نسبت خاصا مہنگا تھا مگر [illegible] حاصل تھا۔

بار میں اس وقت [illegible] سے زیادہ بھیڑ تھی۔ وہ بے دلی سے [illegible] سے گزرنے لگا۔ کاک ٹیل بھرے اور خالی ہوتے گلاس بار سے میزوں کی طرف اور میزوں سے واپس بار تک' ایلون کے سامنے دھری گلاسوں کی نئی کھیپ لے کر پھر سے میزوں تک' گاہکوں کی عجلت بھری فرمائشیں' بے ہنگم چیخیں' بھونڈی ہنسی' بے ہودہ مذاق' بہکی ہوئی باتیں' آنکھوں میں کھٹکتی ہوئی تیز روشنی' الکوحل کی گندھ' کندھوں پر رکھا بھاری پتھر سا سر۔ بے زاری' کوفت' تھکن۔ وہ

ان سب سے دور چلا جانا چاہتا تھا۔ کسی ایسی جگہ چھپ کر بیٹھنے پر مائل تھا جہاں کوئی آواز' کوئی روشنی اور کوئی ہوا اسے چھو نہ پائے۔ ایلون نے اس کی بے توجہی اور سست روی پر شاید چوتھی یا پانچویں دفعہ اسے ٹوکا تھا کہ وہ پھٹ پڑا۔

"میرے بس میں جو ہے' وہ میں کر رہا ہوں۔ سرخ وائن مانگنے والے کو سفید وائن دینا کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ میں انسان ہوں اور مجھ سے غلطی ہو سکتی ہے۔ یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے۔ [illegible] تم نے مجھے خرید نہیں لیا ہے [illegible] کے ساتھ اس لہجے میں بات کرنے کی جرأت [illegible]"

ایلون نے جواب [illegible] تھا [illegible] انکار احمد کو دیتے ہوئے اس نے الٹنے والی میز کی سمت اشارہ کیا اور ان دو لڑکیوں کی جانب متوجہ ہو گیا جو [illegible] کلر (رم والا ایک کاک ٹیل) کی [illegible] ہوئے شور مچا رہی تھیں۔

ایک ایک پل گزارنا اس کے لیے دشوار تھا۔ بے [illegible] بڑھتی جا رہی تھی اور گھڑی کی سوئیاں تھیں کہ ایک ہی نقطے پر جیسے ٹھہر جاتی تھیں۔ بارہ بجنے میں پندرہ منٹ باقی تھے کہ بار کے قریب اسٹول پر بیٹھا ہوا نوجوان اپنا گلاس پھینک کر نیچے لڑھک گیا اور پہلو کے بل لیٹتے ہوئے مکروہ آواز کے ساتھ قے کرنے لگا۔

احمد اس وقت قریب ہی موجود تھا۔ ایلون نے اسے فرش صاف کرنے کو کہا۔ اس نے سر ہلایا۔ لڑکے کے نزدیک جا کر ایک ہاتھ سے اس کا بازو تھاما' وہ زمین پر ہتھیلیاں جما کر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا' دوسرے ہاتھ سے اس کا سر پکڑ کر احمد نے ایک جھٹکے سے نیچے جھکایا اور اس کا چہرہ فرش پر رگڑ ڈالا۔ نہ جانے کس ذہنی رو میں اس سے یہ عمل سرزد ہوا تھا۔ اس کے بعد ایلون کو اس کی نوکری کے خاتمے کا اعلان زبان سے کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

وہ چپ چاپ وہاں سے نکل آیا تھا۔ اپارٹمنٹ میں واپس پہنچ کر اس نے کوئی بھی دوسرا کام کرنے سے قبل ڈسٹ بن کو فرش پر الٹایا' کچرے میں سے وہ مڑا تڑا کارڈ تلاش کیا۔ انگلیوں سے دبا کر اس کی شکنیں نکالتے ہوئے ٹیلی فون سیٹ قریب کھینچا اور نمبر ملانے لگا۔ تھوڑی دیر گھنٹی بجنے کے بعد ایک مردانہ غنودہ آواز [illegible] نسوانیت والی بندش بھی دوسرے سرے پر سنائی دی۔

"لورکا بول رہا ہوں۔"

✻ ✻ ✻

Van nuys میں سہ روزہ قیام کے دوران البا اور صوفیہ بھی اس کے ہمراہ تھیں۔ وکٹری بلیوارڈ پر ایک سابقہ ویئر ہاؤس اور موجودہ اسٹوڈیو میں چند گھنٹے گزارنے کے بعد جب وہ واپس ہالی ووڈ آیا تو شوبز کا اولین قدم اٹھنے کا مرحلہ طے ہو چکا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ قدم شوبز نے اس کے جسم پر رکھا تھا اور ویسا ہی نشان چھوڑا تھا جیسا فلمی ستارے Gravmans چائنیز تھیٹر کے سیمنٹ فورکورٹ میں چھوڑتے تھے۔ کبھی نہ مٹنے والے نقش۔ وہ اس کریڈٹ کو بھلے اپنے پورٹ فولیو کے پہلے ورق پر درج نہیں کر سکتا تھا' لیکن اس کی جیب میں جو دو سو ڈالر تھے انہیں خرچ کرنے میں کوئی رکاوٹ درپیش نہ تھی۔

وہ بیڈ پر چت لیٹا چھت کو ساکت پلکوں کے ساتھ گھور رہا تھا کہ اطلاعی گھنٹی بجی۔ وہ نظروں کا زاویہ تبدیل کیے بنا اسی طرح بے حس و حرکت لیٹا رہا۔ دروازہ کھلا تھا' اگر کسی کو اندر آنا ہوتا تو وہ خود ہی آ جائے گا۔ قدموں کی چاپ سے وہ پہچان گیا تھا کہ آنے والی البا تھی۔ وہ کسی بھی شناسا چہرے پر نظر ڈالنے کا حوصلہ خود میں نہیں پاتا تھا۔ اس نے سختی سے آنکھیں بند کر لیں۔

"تم ایسے بیماروں کی طرح لیٹے ہو؟"

"میں بیمار ہوں۔"

"نہیں۔ تمہیں کچھ نہیں ہوا' تم بالکل ٹھیک ہو۔"

"میرے پاس تمہیں یقین دلانے کا کوئی طریقہ

نہیں ہے۔"

محسوس کرلیا ہے' اس پر پچھتا کر خود کو اذیت مت دو۔ اگر تمہیں یہ پریشانی ہے کہ mainstream سینما سے متعلق کوئی شخص اس میگزین میں تمہیں پہچان لے گا تو یہ فکر بے بنیاد ہے۔ اس میگزین کی اشاعت بہت ہی محدود ہے۔ ہو سکتا Nuys Van سے باہر اس کا کبھی ایشو فروخت...."

"مجھے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مجھے کبھی کوئی نہیں پہچانے گا۔ تم مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

"میں نے Bugsy malone کے دو ٹکٹ خریدے تھے۔ بہت عرصہ ہو گیا ہمیں اکٹھے پکچر دیکھے ہوئے۔ بہت اچھی کلٹ ہے۔ تم اٹھ جاؤ بستر سے۔"

"میں نے کہا نا مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ کیا یہ اتنی مشکل خواہش ہے جو تم پوری نہیں کر سکتیں۔ میں کل تمہیں ملنے آؤں گا لیکن اس وقت تم چلی جاؤ۔"

کچھ دیر البا کی طرف سے خاموشی چھائی رہی' پھر وہ لجاجت سے بولی۔ "میں ٹکٹ یہیں چھوڑ کے جا رہی ہوں۔ اگر تمہارا ارادہ بدل جائے تو مجھے فون کر دینا۔ خود کو کبھی تنہا نہ سمجھنا۔ میں کبھی تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گی۔"

اس کے لوٹتے قدموں کی آہٹ پا کر احمد نے پلکوں میں ذرا سی جھری پیدا کی اور اسے پکارا۔

"تمہارے پاس... ماری جوانا ہو گا؟ مجھے بس ایک جوائنٹ چاہیے۔ بار بار استعمال سے اس کی عادت تو نہیں پڑتی؟"

البا نے رک کر نفی میں سر ہلایا اور شولڈر بیگ میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولنے لگی۔ باتھ روم میں آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے ایک گہرا کش لیا اور کڑوے دھوئیں کو چند سیکنڈ سینے میں روک کر رکھا۔ اس کے گلے اور پھیپھڑوں میں کاٹ [illegible] پیدا ہوئی۔ اسے لگا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی [illegible]۔ ایک اور کش کھینچ کر اس نے دھواں [illegible] سے خارج کیا

اور ٹیلی فون کے خاموش ہو جانے پر اطمینان محسوس کیا۔ یہ سکوت وقتی ثابت ہوا۔ کچھ وقفے سے گھنٹی کی آواز پھر سے خاموشی کو تاراج کرنے لگی تھی۔ اس نے خود پر جبر کرتے ہوئے جوائنٹ کو بجھا کر آئینے کے پیچھے ہوئے بیچے پر رکھا اور باہر آ کر ریسیور اٹھا لیا۔

ایک لمحہ لگا تھا دوسری طرف سے آتی آواز کو شناخت کرنے میں۔ اسے بالکل خبر نہ تھی کسی کی آواز اسے اتنی خوشی پہنچانے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اس پر چھائی مایوسی ایسے اڑ گئی جیسے ہوا کی مدھم ٹھوکر سے زرد تمل بکھر جاتا ہے۔

"مجھے پہچانا؟ تم اور میں پارک میں ملے تھے۔"

وہ بریان آزرک تھی۔ احمد کا دل ایسے ڈھب سے کبھی نہیں دھڑکا تھا۔

"مجھے سوچنے دو۔ آواز سے تو تم جوان اور خوب صورت لگتی ہو۔"

"تم نے میری ہتھیلی پر اپنا نام اور ٹیلی فون نمبر لکھ دیا تھا۔ تمہاری دوست بھی وہیں تھی' وہ سرخ بالوں والی ہسپانوی لڑکی۔"

"کب کی بات ہے؟ مجھے یاد نہیں آ رہا۔" اس نے مسکراتے ہوئے ہاتھ [illegible]

بات کرتے ہوئے اس کا [illegible] اٹکا اور ٹیلی فون مردہ ہو گیا۔ [illegible] وہ فرش پر بیٹھ کر سرعت سے [illegible] کرنے لگا۔ اب اسے اپنے طرز [illegible] تھی۔ بریان نے اس کے [illegible] قبول کرتے ہوئے دوبارہ رابطہ [illegible] اس کے اندر گھبراہٹ کیوں [illegible] تھی۔ پھر اس کے دماغ میں جھماکا سا ہوا۔ [illegible] سے منسلک آنسرنگ مشین پر پیغامات چیک کرنے لگا اور وہ سب بریان آزرک کی جانب سے موصول ہوئے تھے۔ ڈائل گھماتے ہوئے اس نے میٹرس کے آخری سرے پر پڑے ہوئے ٹکٹوں کو دیکھا تھا۔ وہ Bugsy Malone کو دیکھنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

رائن جس خاموشی سے گیا تھا اسی طرح ایک روز لوٹ کر آگیا۔ احمد کھلے ہوئے دروازے سے یہ سوچ کر اندر آیا تھا کہ شاید البا آئی ہوئی تھی۔

اس نے رائن کو کاؤ بوائے آؤٹ فٹ والی بلیک اینڈ وائٹ تصویر وارڈ روب کے ساتھ دیوار پر سابقہ جگہ ٹانگتے ہوئے دیکھا۔ اپنا تمام سامان وہ پہلے والی ترتیب میں رکھ چکا تھا۔ آہٹ سن کر اس نے گردن گھماتے ہوئے پیچھے دیکھا اور اسٹول سے نیچے اتر آیا۔

"تمہاری نئی زندگی کی شروعات میں یہ بوسیدہ اپارٹمنٹ کہاں سے آگیا؟ ابھی تو وہ شروعات بھی شروع ہی ہوئی ہیں۔ اپنی محبت کے قیمتی پل تم یہاں کیوں ضائع کر رہے ہو؟" احمد نے زہر خند لہجے میں کہا۔ رائن نے بھنوؤں پر گرے ہوئے کنگھی کے بچھے والے ملائم ریشوں کو سر کی جنبش سے ذرا سا ہٹایا اور آگے بڑھ کر اس کے گلے لگ گیا۔

"اس نے مجھے دھوکہ دیا۔ جان بوجھ کر اس نے مجھے میکسیکو جانے پر اکسایا۔ وہاں CIUDAD JUAREZ میں اس کا Latino بوائے فرینڈ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ میری ساری رقم لے کر اس کے ساتھ بھاگ گئی۔ اس لڑکے کو غیر قانونی immigrant ہونے کی وجہ سے کچھ عرصہ پہلے یہاں سے ڈی پورٹ کر دیا گیا تھا۔ جوڈی نے اسی کے مشورے پر مجھے بے وقوف بنانے کا منصوبہ بنایا۔ ورنہ وہ خود تو اتنی شاطر نہ تھی۔ تیرہ سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے ایسی چالاکیاں اسے وہ جرائم پیشہ اجڈ میکسیکن سکھاتا تھا۔ وہ اس کے ساتھ کبھی خوش نہیں رہ سکے گی۔ اس کا سچا پیار میں ہوں اور یہ اس کا دل اسے بتائے گا۔ وہ مجھے کبھی بھول نہیں پائے گی۔"

اس کے ٹوکنے پر بھی رائن نے اپنی کہانی جاری رکھی تھی۔

"اب میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟"

"تم میرے لیے کچھ نہیں کرو گے۔ اب میری باری ہے تمہارے واسطے کچھ کرنے کی۔ تم نے سالومن موریل کا نام سنا ہے؟"

یہ سوال بے معنی تھا۔ امریکن فلم انڈسٹری سے ذرا بھی واقفیت رکھنے والا کوئی بھی شخص سالومن موریل کے نام سے انجان نہیں تھا۔

"تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"وہ بڑا آدمی ہے۔ بس یہ سمجھو کہ وہ ہالی ووڈ کا شہنشاہ ہے۔ اس کی کسی فلم میں کام کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"کیا مطلب؟" احمد نے تعجب سے پوچھا۔

"اسسٹنٹ کاسٹنگ ڈائریکٹر میرا دوست ہے۔ مجھے اس نے ایکسٹرا کے طور پر رکھنے کا وعدہ کیا ہے۔ اور میں نے اسے راضی کر لیا ہے کہ میرے کچھ دوستوں کو بھی کام دے دے۔ اسے بہت سارے بیک گراؤنڈ پرفارمرز درکار ہیں۔ تم اپنے آپ کو سالومن کی فلم کا حصہ سمجھو۔ اور وہ تمہاری دوست پامیلوتا کی البا وہ بھی کام کی تلاش میں تھی۔ وہ ابھی فارغ ہے تو اسے بھی بلا لو۔ میں کل تم دونوں کو لے جاؤں گا۔ یونیورسل میں شوٹنگ ہوگی۔"

احمد نے اسے فوراً اپارٹمنٹ سے نکالنے کا فیصلہ کچھ وقت کے لیے ملتوی کر دیا تھا۔

✲

سالومن موریل کا خاندان [illegible] کی دہائی میں پولینڈ سے لاس اینجلس منتقل ہوا تھا۔ وہ نسلاً یہودی تھا اور اس کا [illegible] ہالی ووڈ کے بانیوں میں ہوتا تھا۔ لکھاری، ہدایت کار، [illegible] ان سب ہی حیثیتوں میں وہ خود کو منوا چکا تھا۔ وہ اپنے اندر ایک اکادمی کا درجہ رکھتا تھا۔ اس کی کئی فلمیں کلاسیکی شاہکاروں میں گنی جاتی تھیں۔ جس بھی ادارے کے نصاب میں فلم کا مضمون شامل تھا، وہاں سالومن کی فلمیں ضرور دکھائی جاتی تھیں۔ ظاہری شخصیت کے حوالے سے وہ بالکل بے ضرر اور غیر اہم نظر آنے والا آدمی تھا۔ اس کا قد بمشکل پانچ فٹ تھا۔ بال سفید موم جیسے، بجھے ہوئے نیلے رنگ کی آنکھیں، کنپٹیوں کے قریب نیلگوں رگوں کا جال اور ڈھلکے ہوئے گلابی ہونٹ۔ جب پہلی بار احمد نے سالومن کو دیکھا تو اسے اسٹریک [illegible] ہوا ایبنیزر کا یاد آگیا۔ اس چھوٹے اور معصوم آدمی سے جن کا واسطہ پڑتا تھا وہ جلد ہی واقف ہو جاتے کہ [illegible] سنگین تھا۔ بظاہر معصوم اور [illegible] دیدہ۔ یوں تو اس کی ذات سے منسوب [illegible] بڑی کہانیاں فلمی حلقوں میں گردش [illegible] سب ہی مشاہیر کے ساتھ [illegible] مگر ایک لفظ جو سالومن کے نام کے ساتھ [illegible] بکثرت استعمال ہوتا تھا وہ تھا کاملیت [illegible] کسی خیال کی بنت سے لے کر مارکیٹنگ [illegible] کے تمام تخلیقی مراحل کو اپنی نگرانی میں [illegible] کرواتا۔ کوئی سین خواہ وہ کتنی ہی معمولی نوعیت کا کیوں نہ ہو، سالومن ذاتی شمولیت کے بغیر فلمبند کرنے پر راضی نہ ہوتا۔ اسے مطمئن کرنا ہمیشہ کاسٹ اور کریو کے لیے کڑی آزمائش ثابت ہوتا تھا۔ یہی بے چینی اور عدم اطمینان سالومن کی کامیابی کے پیچھے کارفرما طاقتیں تھیں۔ اس کی سرکردگی میں کام کرنا شوبز کی صفوں میں باعث افتخار گردانا جاتا تھا۔

ان تینوں کو ایک کاک ٹیل پارٹی کے طویل سین کے لیے ایکسٹرا لیا گیا تھا۔ البا کاک ٹیل ویٹرس تھی، رائن دربان جبکہ احمد کو ایک پیانو کے سامنے بیٹھنا تھا۔ پانچ دن کے لیے انہیں اسی سیٹ پر آٹھ گھنٹے روزانہ کی شفٹ میں کام کرنا تھا اور کچھ مناظر فلم کے سیکنڈ یونٹ کے ساتھ کسی دوسری جگہ پر فلمبند کیے جانے تھے۔

جب رائن کے دوست اسسٹنٹ کاسٹنگ ڈائریکٹر نے انہیں سائن کر لیا تو سالومن نے خود ان سب سے ملاقات کی تھی۔ احمد نے تمام وقت اسے ہونٹوں کو زبان سے گیلا کرتے اور ننھے ہاتھوں کو کھولتے بند کرتے ہوئے پایا۔ وہ کسی ایسے شخص کی طرح گھبرایا ہوا لگتا تھا جس میں اعتماد کا فقدان ہو۔ اس سے بات کرنے کی شدید خواہش احمد کے دل میں مچلتی تھی۔ اس نے اخباروں میں سالومن کے متعلق اتنا کچھ پڑھ رکھا تھا کہ اسے [illegible] سب باتیں گمان باطل لگنے لگی تھیں۔ وہ اپنی اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے سے قاصر تھا۔ اس کی حیثیت ایسی ادنیٰ تھی کہ اسے اپنی مرضی سے کسی کو مخاطب کرنے کے حقوق حاصل نہ تھے۔

جب کیمرے roll کر رہے ہوتے تو ساؤنڈ اسٹیج پر اس کے آس پاس بولنے کی سختی سے ممانعت تھی۔ جب بھی وقفہ ہوتا یا ان لوگوں کی سیٹ پر ضرورت نہ ہوتی تو انہیں ساؤنڈ اسٹیج سے محفوظ فاصلے پر ہولڈنگ اسپیس میں بھجوا دیا جاتا۔ بلا ضرورت کوئی بھی آپس میں بات کرنے کا مجاز نہ تھا اور ایکسٹراز تو ضرورت کے وقت بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہ تھے۔ انہیں خود سے کسی ایکٹر یا کریو کے کسی فرد سے بات چیت شروع کرنے کی اجازت نہ تھی۔

سیٹ پر پہلا دن بغیر کسی ہنگامے کے تمام ہوا۔ وہ اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھا خود ترسی میں مبتلا رہا۔ وہ بہت سے عظیم لوگوں کے بیچ ان کے اس قدر قریب ہوتے ہوئے بھی ان سے کوئی تعلق جوڑنے سے محروم تھا۔ اس کی حیثیت بھی سیٹ پر موجود props اور طویل آبنوسی میز پر سجے برتنوں جیسی تھی۔ ان سب اشیا کی طرح منظر میں اس کی ضرورت تو تھی، مگر انفرادی اہمیت کچھ نہ تھی۔

دوسرے دن چائے کے وقفے کے دوران اسٹوڈیو commissary میں اس نے سالومن کو دیکھا تھا۔ گزشتہ روز اس نے چائے اور لنچ اپنی گرل فرینڈ سمون فاکس مین، جو ایک منجھی ہوئی اداکارہ تھی، کے پرائیوٹ trailer میں منگوایا تھا۔ سمون بھی اس فلم میں ایک اہم کردار نبھا رہی تھی۔

وہ احمد سے صرف چند قدم کی دوری پر موجود تھا۔ اس کے جی میں آئی کہ سالومن کے پاس جا کر کچھ کہے۔ کچھ بھی بھلے وہ اتنا معمولی فقرہ ہی کیوں نہ ہو کہ

"مسٹر سورل ہالن ہو بہن ایکسٹراز کو رجسٹرڈ ایکسٹراز کے مقابلے میں بہت کم مراعات حاصل ہیں۔ کیا تم مجھ سے متفق ہو۔" وہ کسی حیلے سے اس polish ہدایت کار سے ہم کلام ہونا چاہتا تھا۔ اپنی تڑپ اور جنون کی تپش کو اس تک پہنچانا چاہتا تھا۔ لیکن اسے یقین نہیں تھا کہ سالومن کا رویہ مثبت ہی ہوگا۔ عین ممکن تھا کہ خفا ہو کر وہ اسے اپنی فلم میں ایکسٹرا بھی نہ رہنے دے۔ اس کی طرح اور بھی بہت سے جستجوی سالومن کا التفات پانے کو ترستے ہوں گے کیا وہ سب کا خیر مقدم کرتا ہوگا؟ یہ تو ممکن نہیں تھا۔ لیکن فاصلہ دو فٹ سے بھی کم تھا اس کے پاؤں اسے اکسا رہے تھے۔ وہ اسی ادھیڑ بن میں کھویا تھا کہ رائن طباق میں دو bagels اور کافی کے مگ دھرے آگیا۔

"مجھے یاد آگیا ہے۔" bagel کو دانتوں سے کترتے ہوئے وہ حسب عادت اونچی آواز میں بولا۔ "میں ہمیشہ کہتا ہوں، میری یادداشت خوب ہے، مجھے کوئی بات بھول ہی نہیں سکتی۔" "اسے کچھ بتانے کی بہت جلدی تھی۔" "وہ تمہاری الباما رسیلو کوئی سنو وائٹ (بے قصور) نہیں ہے۔ مجھے یاد آگیا ہے میں نے اسے کہاں دیکھا تھا۔"

اس کی آواز اور بھی بلند ہوگئی۔

"pussy cat تھیٹر میں ایک پورنو flick میں۔ وہ پورن آرٹسٹ ہے۔ تمہیں کوئی اندازہ ہے۔ فلم میں اس کے بال سرخ نہیں تھے۔ یہ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں۔ اسی لیے تو میں شبہے میں پڑ گیا تھا۔" اس نے کافی کی سطح پر تیرتی کریم کی جھاگ میں انگلی ڈبو کر اسے چوسا اور فاتحانہ نظروں سے احمد کو دیکھنے لگا۔ اپنی دانست میں اس نے دھماکہ کیا تھا۔ احمد نے سختی سے ہونٹ بھینچ لیے۔ اس کے لیے یہ خبر انکشاف نہ رہی تھی۔ لیکن رائن کے جوش و خروش نے آس پاس موجود بہت سے لوگوں کو متوجہ کیا تھا اور سب ہی خاموش ہو کر ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ احمد نے کسی کو بھی دیکھے بغیر احتراز برتتے ہوئے bagel اٹھایا اور اسے منہ کے پاس لایا۔ جبڑے کھولتے ہوئے اس کی نظر بلا ارادہ سالومن کی طرف اٹھی تھی۔ وہ ادھر ہی متوجہ تھا۔ اس کی پتلی سرخ زبان بے چینی سے ہونٹوں کو تر کر رہی تھی اور بجھی ہوئی راکھ سی آنکھوں میں دھواں بل کھاتا تھا۔

اس واقعے کے بعد ایک گھنٹے سے بھی کم وقت میں الباکو فارغ کر دیا گیا۔ سالومن نے سب کی موجودگی میں بوکھلائے ہوئے انداز مگر واشگاف الفاظ میں اسے نکالنے کی وجہ بیان کی تھی اور انہیں بھرتی کرنے والے اسسٹنٹ کاسٹنگ ڈائریکٹر کو اس امر کو یقینی بنانے کی ہدایت کی تھی کہ آئندہ الباء اس کی کسی بھی فلم میں کسی بھی حیثیت سے کام نہ کر سکے۔

"پورنو گرافی اور اس سے جڑے ہوئے لوگ لائق نفرت ہیں اور وہ ہیں۔" ٹھگنا ہدایت کار کسی موزوں لفظ کی تلاش میں اٹکا۔ "وہ ہیں... رستے ہوئے ناسور، کوئی گر وہ انہیں کارآمد مانتا ہے" تو میں ان سے متفق نہیں ہوں، میری رائے مختلف ہے۔"

اس کے الفاظ زہر میں بجھی سوئیاں بن کر احمد کے وجود میں گڑ گئے۔ اپنا چہرہ دیکھے بغیر بھی اسے احساس تھا کہ وہ بے رنگ ہو چکا تھا۔ آستین سے اس نے چمکتا ہوا پسینہ پونچھا تھا۔

الباکا رد عمل بڑا سرسری تھا۔ "مجھے اس بات کا دکھ ہے کہ رائن کی بے احتیاطی [illegible] دونوں کے لیے تم سے دور کر دیا ہے [illegible] کرنا چاہیے تھا۔" اس نے سالومن کے ہاتھوں ہونے والی ہتک کا ذکر تک نہ کیا۔

وہ سیٹ پر رائن کا بھی آخری دن تھا۔ اس رات احمد کے ساتھ گاڑی میں جانے کی بجائے اکیلا ہی اسٹوڈیوز سے روانہ ہوا تھا۔ پوری رات وہ اپارٹمنٹ میں نہیں آیا۔ احمد نے خاص توجہ نہ دی۔ اس کا خیال تھا کہ رائن کسی دوست کے ساتھ تفریح کرنے نکل گیا ہوگا۔ یوں بھی وہ احمد کو اپنی سرگرمیوں کے سلسلے میں بتانے کا پابند نہیں تھا۔ اگلے روز وہ سیٹ پر بھی نہیں آیا تو اس کی جگہ ایک اور ایکسٹرا کو بھرتی کر لیا گیا۔ تب احمد کے لیے اس کی گمشدگی سے لاتعلق رہنا مشکل ہوگیا۔ رائن جیسا حقیر آدمی اتنی بڑی پروڈکشن کے ساتھ ایسی حرکت کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا تو پھر وہ کہاں تھا؟

یہ عقدہ جلد ہی کھل گیا۔ شام کو ایلا اپارٹمنٹ میں واپس آنے پر مقامی اسپتال کی طرف سے پیغام احمد کا منتظر تھا۔ وہ اور الباء اسپتال پہنچے تو لوہے کے نچے کھچے چہرے والے رائن نے انہیں دیکھ کر مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔

"وہ ایک hit and run (حادثہ کر کے جانے والا) کیس تھا۔ cops کہہ رہے تھے کہ مجھے ٹکر مارنے والی گاڑی کی نمبر پلیٹ پڑھی نہیں جا سکی۔ شاید وہ نمبر پلیٹ کے بغیر تھی۔ ایک راہ گیر کے مطابق ڈرائیور کوئی عورت ہو سکتی ہے۔ اس بوڑھے کی نظر کمزور ہے۔ وہ گاڑی کا صحیح رنگ اور ماڈل بھی نہیں بتا سکا۔ کہتا ہے کسی گہرے رنگ کی کار تھی۔"

"کیا تمہیں کچھ نظر نہیں آیا؟" احمد نے پوچھا تھا۔

"ہیڈ لائٹس کی تیز روشنی میری آنکھوں میں پڑی۔ بس ایک لمحے بعد گاڑی نے مجھے اٹھا کر پھینک دیا۔"

"وہ عورت ہی ہوگی۔" الباء نے کہا۔ "عورتیں جلدی بدحواس ہو جاتی ہیں، کل مجھ سے ایک حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔"

احمد بولا۔ "تم جا کہاں رہے تھے؟ میں نے تم سے پوچھا بھی تھا لیکن تم جلدی میں تھے۔"

"میں بھی یہی سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہا ہوں۔ اسٹوڈیوز کے گیٹ پر مجھے ایک بچے نے آ کر رقعہ دیا جو کسی ناگداما نامی لڑکی کی طرف سے تھا۔ لکھا تھا کہ وہ مجھے paramount اسٹوڈیوز میں مل چکی ہے اور تب سے مجھے پسند کرتی ہے۔ اس نے جگہ اور وقت لکھ کر مجھے ملنے کے لیے بلایا تھا۔ میں نے کچھ ماہ پہلے پیراماؤنٹ میں کام کیا ہے۔ لیکن مجھے ناگداما نام کی کسی لڑکی سے ملاقات یاد نہیں ہے۔ پھر بھی تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں چلا گیا۔ میں نے وہ رقعہ cops کے حوالے کر دیا ہے۔"

"حیرت ہے۔ یہ تو کسی سازش جیسا ہے۔ ناگداما شاید رشین نام ہے۔"

"ہاں یہ ناگدلین کا مخفف ہے۔ ایک عام روسی نام ہے۔" الباء نے احمد کی تائید کی تھی۔

رائن کی پسلی ٹوٹ گئی تھی۔ گھٹنے اور دونوں ہاتھوں میں فریکچر تھے۔ ریڑھ کی ہڈی کے مہروں پر چوٹ آئی تھی۔ تین سے چار ماہ اسپتال میں گزارنا اس کا مقدر بن چکا تھا۔

اسپتال سے لوٹتے ہوئے وہ دونوں رائن کے بارے میں بات کر رہے تھے تو الباء بولی۔

"اس کی حالت افسوس ناک ہے، پر میں اسے معاف نہیں کر سکتی۔ وہ اچھا انسان نہیں ہے۔ اس نے پہلے تمہیں دھوکہ دیا اور پھر مجھے تمہاری نظر سے گرانے کی کوشش کی۔ میں نے تم سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں رکھا۔ وہ چاہتا تھا کہ تم مجھے گھٹیا جاننے لگو۔ کاش زخمی ہونے کے بجائے وہ مر گیا ہوتا۔ میرے اور تمہارے بیچ جو بھی آئے اسے تباہ ہو جانا چاہیے۔"

اسے الباء کی بات بڑی عجیب لگی تھی۔ جو عورت رائن سے اس درجہ خار کھائے بیٹھی تھی، پرنیاں کے لیے اس کے جذبات کیا ہوں گے۔ یہ اندازہ کرنا بالکل آسان تھا۔ مگر وہ اس معاملے میں خود کو حق پر سمجھتا تھا۔ اس نے پرنیاں کے بارے میں اپنے محسوسات الباء سے چھپائے نہیں تھے۔ سب کچھ اسی کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا اور وہ اندھی نہیں تھی۔ البتہ اس کی آنکھوں پر پٹی تھی، جسے باندھنے والا خود الباء کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔

اس نے کامیابی کے افق کو چھوا تو اپنی کسی اداکارانہ صلاحیت کی بنا پر نہیں بلکہ ایک بدحواس لڑکے کے ایک ٹوٹے ہوئے بوسیدہ آئینے اور ایک ایک پینٹنگ کی وجہ سے۔

سیٹ جو کسی عالی شان مینشن کے ڈائننگ ہال کی طرح مرتب کیا گیا تھا، کے ایک گوشے میں ملمع دار چوکھٹے والا پرانا سا آئینہ ٹنگا تھا۔ باقی سب بیش قیمت دکھائی دینے والی اشیاء کے مقابل وہ آئینہ بھدا اور بے محل نظر آتا تھا۔ سیٹ پر اس کا چوتھا دن تھا کہ ایک ایکسٹرا جو اسی روز آیا تھا اور جس کا کام آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اسے گھورتے رہنا تھا، وہ سیکنڈ اسسٹنٹ ڈائریکٹر کی ہدایت پر الٹے قدموں پیچھے ہٹتے ہوئے پھسل کر آئینے سے ٹکرایا اور ہاتھوں سے اسے تھام کر سنبھلنے کی جدوجہد کرتے ہوئے آئینہ نیچے گرا دیا۔ احمد کی اس جانب پشت تھی اور سیکنڈ اسسٹنٹ ڈائریکٹر لوئس کی غصہ بھری آواز نے اسے مڑ کر دیکھنے پر مجبور کیا۔

سالومن اپنی جگہ سے اٹھ کر اس مقام تک گیا اور ٹوٹے ہوئے آئینے کو دیکھ کر تاسف سے سر ہلایا۔

"اس نے ہمارا Macguffin توڑ دیا۔"

اگر لوئس ہونق شکل بنا کر اسے نہ دیکھتا تو شاید سالومن کو پتا ہی نہ چلتا کہ وہ Macguffin کے بارے میں لاعلم تھا۔

"لوئس! تمہیں میری بات سمجھ میں نہیں آئی؟"

"میں اسے بدلوا رہا ہوں۔ کوشش کرتا ہوں بالکل اسی جیسا وہ سراغ مل جائے۔" لوئس نے ہکلا کر کہا۔

"نہیں۔ میں پوچھ رہا ہوں۔ Macguffin کیا ہوتا ہے۔ میں نے آئینے کو اس نام سے کیوں پکارا ہے۔ اس کا مطلب سمجھاؤ مجھے۔" لوئس خاموشی سے کھڑا پلکیں جھپکاتا رہا۔

"اتنی عام سی بات تمہیں معلوم نہیں؟ یہ باعث حیرانی ہے۔" احمد سے مزید برداشت نہ ہو سکا۔ اسٹول سے اٹھ کر اس نے سالومن کو متوجہ کیا۔

"Macguffin پلاٹ کا ایک عنصر ہوتا ہے جو ناظر کی دلچسپی کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ کہانی کے بڑے کردار Macguffin کو پانے کے لیے کچھ بھی کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں اور ضروری نہیں کہ Macguffin کوئی اہم شے ہی ہو۔ وہ کوئی معمولی اور غیر واضح چیز بھی ہو سکتا ہے اور کہانی کے آخر تک عموماً Macguffin اپنی افادیت کھو دیتا ہے۔ بعض اوقات اختتام پر ناظرین کو اس کے متعلق یاد تک نہیں رہتا۔ مثلاً جاسوسوں کی کہانیوں میں ہمیشہ دستاویزات کا حصول مطمع نظر ہوتا ہے یا پھر خفیہ حکومتی منصوبوں کا پردہ چاک کرنا، کوئی مجسمہ، بریف کیس، نیکلس، کوئی راستہ یا محض دولت کی تمنا، کچھ بھی Macguffin ہو سکتا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس اصطلاح اور تکنیک کو شہرہ دلانے کے پیچھے الفریڈ ہچکاک کا ہاتھ ہے۔"

لوئس کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا تھا۔ طیش سے مغلوب آواز میں اس نے احمد کو ٹوکا تھا۔

"سیٹ پر ایک اصول رائج ہے کہ جب تک کسی ایکسٹرا کو مخاطب نہ کیا جائے وہ خود سے گفتگو شروع نہیں کرے گا۔ تمہیں پہلی اور آخری بار خبردار کر رہا ہوں۔ اس اصول کی خلاف ورزی ہرگز برداشت نہیں کی جائے گی۔"

سالومن کچھ کہے بنا سر جھکائے ہوئے مڑ کر چل دیا اور اس کے قریب سے گزرتے ہوئے دھیمی آواز میں بولا۔

"تمہاری وضاحت واضح نہیں لیکن تمہارا انداز قائل کرنے والا تھا۔"

☼

وہ سیٹ پر اس کا آخری دن تھا اور اسے یونیورسل اسٹوڈیوز کے ایک ساؤنڈ اسٹیج پر تعمیر کردہ اس عالی شان ولا سیٹ کو چھوڑ کر جانے کے خیال سے افسوس ہو رہا تھا۔

اس کے سامنے ایک خوب صورت گرینڈ پیانو دھرا تھا، جس کا سیاہ خول اور اجلی زرد کنجیاں یکساں چمکتی تھیں۔ پیانو کے اوپر دیوار پر فرانسسکو گویا

Saturn devouring his son کی نقل آویزاں تھی۔ اس روغنی تصویر میں دیوتا Saturn کو ایک انسانی جسم کو پھاڑ کھاتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ رومن دیومالا کے مطابق دیوتا Saturn نے اس خوف سے کہ اس کے بیٹے جوان ہونے پر اس کی سلطنت چھین لیں گے، ان کی پیدائش پر انہیں کھا لیا تھا۔ تصویر کے بیشتر لال لہو اور Saturn کی [illegible] کی غیر معمولی سفیدی کے سوا [illegible] اور راکھ کے رنگوں پر مبنی [illegible] Saturn کی مٹھیاں گوشت کی بے جان [illegible] طاقت سے کسی تھیں اور اس کی [illegible] خون آلود دیدہ دہن سے دیوانگی [illegible] وہ تصویر نہایت وحشت انگیز تھی۔ [illegible] غور سے دیکھتے رہنے پر دل میں کراہیت [illegible] تھی۔ احمد کی مجبوری یہ تھی کہ اس کا انداز نشست کچھ اس طریق پر تھا کہ پیانو اور اس تصویر کو دیکھنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ جب پیانو کی چمکدار سیاہ خمیدہ جلد اور زرد کنجیوں پر مسلسل نگاہیں جمائے رکھنے سے اس کی آنکھیں دکھنے لگتیں تو خود بخود ہی goya کی پینٹنگ پر اس کی نظریں رینگنے لگتیں۔ اس منظر کی صوری ہولناکی کے علاوہ بھی کچھ تھا جو احمد کو الجھن میں مبتلا کر رہا تھا۔ ابراہیم کی بیماری کے دنوں میں اسے باقاعدگی سے بک شاپ جانا پڑتا تھا اور برف باری کے دنوں میں جب وہ کتابوں کے ساتھ بالکل تنہا ہوتا تھا تو مطالعہ کر کے وقت بتاتا تھا۔ اس عرصے میں اس نے بہت سی کتابیں پڑھی تھیں۔ اس کی دلچسپی بالخصوص فنون لطیفہ پر لکھی گئی کتب میں تھی اور اس نے devouring his son saturn کے بارے میں بھی کہیں پڑھ رکھا تھا۔ کوئی بات اس تصویر کے حوالے سے اس کے ذہن میں اٹکی تھی لیکن باوجود کوشش کے وہ شعوری سطح پر نہ آتی تھی۔ وہ اسی بات کو سوچ رہا تھا کہ لنچ کا وقفہ ہو گیا۔

سالومن اور سمون ایک باڈی گارڈ، جو سیٹ پر ہمیشہ سمون کے آس پاس نظر آتا تھا، کے ساتھ سمون کے پرائیویٹ trailer کی سمت بڑھ رہے تھے۔ وہ commissary کی طرف جانے کے بجائے وہیں ٹھہر کر انہیں دیکھنے لگا۔

سمون قیامت خیز حسن کی مالک ہونے کے ساتھ ساتھ ایک پیدائشی اداکارہ بھی تھی۔ فلمی نقاد ابتدا ہی سے اس کے کام کو سراہتے آ رہے تھے۔ اس کی شخصیت میں وہ فسوں پایا جاتا تھا جسے کیرزما (سحر انگیزی) کہا جاتا ہے۔ وہ پردے پر عام سا جملہ کہتی تو ناظر کے تخیل میں کئی معانی منعکس ہوتے۔ وہ آنکھوں اور اعضاء سے باتیں کرنے پر قادر تھی۔ اس معاملے میں بھی سالومن نے کمالیت پسند والی خصوصیت کو پورا کیا تھا۔ سمون اس کے پہلو میں چلنے کی صحیح حقدار تھی۔ ان کے trailer میں داخل ہونے سے چند ثانیے قبل احمد کو وہ بات سمجھ میں آ گئی۔ وہ تقریباً بھاگتے ہوئے ان کے عقب میں پہنچا تو باڈی گارڈ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے مزید آگے آنے سے روک دیا۔

"مسٹر مورئیل! میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں اور یہ نہایت اہم ہے۔" احمد نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا۔

اسٹریک کے بھیڑ کے بچے جیسے چہرے والا ناٹا یہودی اور مغرور سمون بیک وقت رکے۔

"میری بات کا تعلق پیانو کے اوپر لگی ہوئی پینٹنگ سے ہے۔"

سالومن نے ہونٹ چباتے ہوئے گارڈ کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا۔

"کہو... تم وہی ہو Macguffin والے؟"

سالومن نے سمون کی اجلی پیشانی پر بنتی ناگواری کی شکنوں کو نظر انداز کیا۔

"میں ایکسٹرا ہوں۔ لہٰذا مجھے فلم کے اسکرپٹ تک رسائی حاصل نہیں لیکن پانچ دن اس سیٹ پر گزارنے سے مجھے اتنا اندازہ ہو گیا ہے کہ تمہارا Protagonist (ہیرو) امیر زادہ ہر معاملے میں کمال

حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ خود سے جڑی کسی بھی شے میں قباحت یا سقم کو برداشت نہیں کرتا۔ وہ ثقافتی اور فن موسیقی کا دلدادہ ہے۔ ان موضوعات پر اس کی معلومات بے بہا ہیں۔

"برلہ مہربانی تم اس تقریر کو مختصر بناؤ۔ ہم لوگ تھکے ہوئے ہیں۔" سمون نے بے زاری سے کہا۔

احمد اس آخری دن کا وہ آخری موقع گنوانے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ سمون کی اکتاہٹ کو کیا کرتا۔ "ایک ایسا شخص جو کاملیت پسند ہے۔ بالکل تمہاری طرح وہ ایک فیک پینٹنگ کو اپنے مینشن کے سب سے اہم کمرے میں جہاں وہ احباب کی ضیافت کا اہتمام کرتا ہے۔ کیونکر آویزاں کرے گا۔"

سالومن متواتر ہونٹوں کو زبان سے چاٹ رہا تھا اور منہ سے کچھ نہ بولا تھا۔ اسپینش مصور — فرانسسکو گویا نے وہ آئل پینٹنگ جس کا عنوان اس کی وفات کے بعد تجویز کیا گیا۔ del sordo Quinta نامی مکان میں رہائش کے دوران تقریباً ستر سال کی عمر میں اس گھر کے ڈائننگ روم کی دیوار پر براہ راست بنائی تھی۔ اور goya کے مرنے کے کئی سال بعد کچھ دوسری پینٹنگز کے ساتھ اسے کینوس پر منتقل کیا گیا اور اب وہ پینٹنگ Madrid کے پراڈو میوزیم میں زیر نمائش ہے۔ "اسے لگا سالومن کو اس کی بات سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ وہ اپنے موم رنگ بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مضطرب سا کھڑا تھا۔ سمون اس دوران وہاں سے جا چکی تھی۔

"میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آرٹ کی معمولی شدبد رکھنے والا کوئی بھی شخص جان لے گا کہ تمہاری فلم میں دکھائی جانے والی پینٹنگ فیک ہے۔ اگر وہ کوئی گمنام قسم کی پینٹنگ ہوتی تو بھی کوئی حرج نہیں تھا لیکن اس سے تو ایک عالم واقف ہے۔" وہ مایوس ہونے لگا۔ "شاید یہ بات اتنی بھی اہم نہیں جتنی میں نے سوچی تھی۔ میں تو بس [illegible] چاہ رہا تھا کہ تمہارا امیرزادہ ادھورے پن اور [illegible] سے [illegible] ہے۔ ایک نقل تصویر کا اس کے [illegible] میں ہونا اس کے کردار سے ہم آہنگ نہیں ہے۔"

احمد خاموش ہو گیا۔ اس کے پاس کہنے کو کچھ اور نہیں تھا۔ شاید اسے چلے جانا چاہیے۔ سالومن کو متاثر کرنا اتنا آسان نہیں تھا جتنا اس نے سمجھا تھا۔

سالومن اضطراری کیفیت میں ابرو کے بال نوچ رہا تھا اور مجروح انا کے ساتھ اس نے جانے کے لیے قدم اٹھایا اور ٹھٹک کر رکا۔ ہدایت کار کے حلق سے پھنسی ہوئی دھیمی آواز برآمد ہوئی تھی۔

"اپنی قمیص کی آستینیں چڑھاؤ۔"

وہ اس انوکھی فرمائش پر حیران رہ گیا۔ مگر اس نے تعمیل کی تھی۔

"اور اوپر۔ کندھوں تک۔"

وہ تنگ آستینیں اس کی کہنیوں سے آگے نہیں جاتی تھیں۔

"اتار دو۔ اپنی قمیص اس اتار دو۔"

اس نے اچنبھے سے سالومن کو دیکھا اور قمیص کے بٹن کھولتے ہوئے اسے بدن سے علیحدہ کر دیا۔

"ٹھیک ہے۔ اب پہن لو۔" چند لمحوں بعد سالومن نے ہدایت کی۔ "تمہارے بازو کسانوں جیسے ہیں۔ یہ اچھی بات ہے۔ کل شام پانچ بجے مجھے میرے گھر پر ملنے آنا۔ Brent wood والے گھر کا پتہ تو معلوم ہوگا تمہیں۔"

☼

سالومن مورا [illegible] بعد معاشرے کے قابل رشک آرائش کے [illegible] میں ہونے والی اس ملاقات میں سمون [illegible] بھی شامل تھی اور اس کے بشرے سے [illegible] کہ وہ کیا محسوس کر رہی تھی۔ ناپسندیدگی اس [illegible] نقوش پر جگہ جگہ بکھری تھی۔ وہ ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بالکل خاموش بیٹھی تھی۔ احمد نے [illegible] سے نظر انداز کرتے ہوئے اپنی سننے اور دیکھنے کی حسیات کو سالومن پر مرکوز کر رکھا تھا اس ملاقات کا جو بھی نتیجہ برآمد ہونے والا تھا اس کا انحصار معمولی نظر آنے والے اس چھوٹے آدمی پر تھا۔

"دوسرے نقادوں کی اکثریت کی رائے میں 'وار اینڈ پیس' وہ کام ہے جو عظیم ٹالسٹائی کی سب تحریروں میں وہ حیثیت رکھتا ہے جسے کہا جاتا ہے۔" سالومن اٹک گیا۔ سگریٹ کو ایش ٹرے میں بجھاتے ہوئے اس نے پیشانی مسلی۔ "جو کسی تخلیق کار کا بہترین کام ہوتا ہے۔ کیا کہتے ہیں اسے؟"

احمد نے اس کی مشکل حل کردی۔ "Magnumopus۔ تم شاید یہی کہنا چاہتے ہو۔"

سالومن نے اسے ممنون نظروں سے دیکھا۔ "ہاں 'وار اینڈ پیس' کو لیو ٹالسٹائی کا Magnumopus مانا جاتا ہے پر چیزوں اور معاملات کے بارے میں میری اپنی ایک رائے ہے۔ سب کی ہوتی ہے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ 'آنا کارنینا' Anna Karenina اس زرخیز دماغ والے رشین کا سب سے اعلا شاہکار ہے۔"

احمد اس خیال سے سو فیصد متفق تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اس نے 'آنا کارنینا' پڑھا ہوا تھا اور اس پر بننے والی ایک کامیاب فلم جس میں گریٹا گاربو نے آنا کارنینا کا کردار نبھایا تھا۔ بھی دیکھی تھی جبکہ 'وار اینڈ پیس' اپنے بے حد سنجیدہ موضوع کی وجہ سے اس کی توجہ کھینچ نہیں پایا تھا۔ اگر سالومن ٹالسٹائی کے اس ناول پر کوئی ادبی گفتگو کرنے والا تھا۔ تو وہ کسی حد تک اسے سمجھنے اور جواب میں اظہار کرنے کے لائق تھا۔ ان گھڑیوں میں اس کی زندگی کی اولین ترجیح سالومن کو متاثر کرنا تھا اور قسمت راہ ہموار کر رہی تھی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے۔ اگر اس ناول کی کہانی پر فلم بنائی جائے تو سب سے مضبوط کردار کون سا ہے۔ مردوں میں؟"

"ورونسکی۔ آنا کا محبوب۔" اس نے بنا جھجکے جواب دیا۔ "ورونسکی کی ذات میں بغاوت ہے نوجوانی کا جنون ہے۔ وہ ایک شادی شدہ عورت [illegible] معاشرے کی مخالفت اور اپنے اندر [illegible] مابین تنی ہوئی رسی کی مانند اینٹھتا ہے۔ [illegible] جیسا منہ زور ہے مگر اندر سے [illegible] خرگوش کی طرح سہما ہوا۔ ورونسکی کے کردار کو اس کی سادگی و پرکاری کے ساتھ ادا کرنا جوکھم سے بھری مہم ہے۔"

سالومن نے دوسرا سگریٹ سلگا کر ہونٹوں میں دبایا۔ "تم نے صحیح کہا۔ ورونسکی واقعی سب مرد کرداروں میں سے زیادہ متنوع ہے۔ تو تم کیا کہتے ہو اگر اس ناول کی کہانی کو فلمایا جائے تو تجربہ کیسا رہے گا۔ کمرشل حوالے سے؟"

احمد تھوڑی دیر کے لیے متذبذب ہوا۔ کیا اسے بے لاگ تبصرہ کرنا چاہیے۔ یا محض سالومن کو خوش کرنے کے لیے کچھ کہے۔

"جہاں تک میری رائے کا تعلق ہے تو یہ اپنی توانائیاں ضائع کرنے کے مترادف ہوگا۔ اس کہانی پر دنیا کے کئی خطوں میں فلمیں بنائی جا چکی ہیں۔ اس میں سینما جانے والوں کے لیے کچھ بھی نہیں بچا۔"

سمون پہلی بار گفتگو میں شریک ہوئی۔ وہ مسکرائی اور اس کے خم دار ہونٹوں کے گوشوں میں ذو معنی شکن پیدا ہوئے۔

"تمہاری بصیرت قابل داد ہے۔ 'رومیو جیولٹ' سوان لیک 'بیوٹی اینڈ دی بیسٹ' وغیرہ کے سلسلے میں تمہاری نادر آرا کیا ہے؟ یہ سب [illegible] براڈوے 'ٹیلی ویژن' 'اوپیرا' سینما میں [illegible] جا رہی ہیں اور حیرت ہے کہ لوگ [illegible] عاجز ہی نہیں آتے۔"

"تم نے بہت ہی [illegible] کیا ہے۔ جن کہانیوں کا ذکر تم [illegible] آپس میں بھی نہیں [illegible] ناول [illegible]"

[illegible]

"[illegible] سوانگ ہے اور رقص کے [illegible] روپ میں پیش کیے جانے کے لیے ہی قلمبند کیا۔ سوان لیک 'ballet (بیلے)' ہے جس میں ناچ اور بھاؤ کے ذریعے کہانیاں کہی جاتی ہیں جبکہ 'سنڈریلا' 'بیوٹی اینڈ دی بیسٹ' وغیرہ فیری ٹیلز ہیں اور فیری ٹیلز کبھی پرانی نہیں ہوتیں۔"

"میں نے سنڈریلا کا نام نہیں لیا تھا۔" سمون ترخ کر بولی۔ "مجھے معلوم ہے یہ سب۔ اس میں کوئی نیا پہلو نہیں۔ تم یہ بتاؤ کہ 'آنا کارنینا' ان سے مختلف کیسے ہے؟"

احمد نے تحمل سے اس کی بات سنی اور سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا۔ "وہ حقیقت نگاری کا اعلا نمونہ ہے۔ وہ ایک ٹھوس حقیقی اور زمینی کہانی ہے۔ [illegible] کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں [illegible] صورت میں 'بار بار متحرک کردار' [illegible] کے صبر کو آزمانے کا خطرہ مول [illegible]"

سمون [illegible] کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔

"میں [illegible] اسکرین پلے تحریر کر چکا ہوں۔ ساری [illegible] ہو چکی ہے۔" سالومن صوفے میں [illegible] آگے کھسک آیا۔ "مرکزی کردار میں [illegible] ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو سمون میں وہ اہلیت ہے [illegible] ٹالسٹائی کی ہیروئن کو پردے پر زندہ کرنے کے واسطے؟"

احمد سوچ میں پڑ گیا۔ اسے بہت احتیاط سے مہرہ بڑھانا تھا۔ سالومن کیا سن کر مطمئن ہوگا اور سمون کو ناراض کرنا یا اس کی خوشنودی حاصل کرنا سالومن کی نظر میں کتنا اہم تھا یہ ایک اندھی چال تھی۔ سمون کی نظریں کھڑکی سے باہر کی دنیا سے واپس کمرے میں لوٹ آئی تھیں۔

"مس فاکس مین کی شخصیت کے جادو میں کوئی کلام نہیں۔ جب بھی اس نے کوئی کردار نبھایا' دیکھنے والوں نے نقش ثانی کو نقش اول سے برتر پایا۔ لیکن۔" اس نے جملہ ترتیب دینے کے لیے کچھ پل توقف کیا۔ "آنا کارنینا کے لیے مس فاکس مین موزوں نہیں ہے۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ یہ کردار مس فاکس مین کے لیے مناسب نہیں رہے گا۔ عمر کا فرق ایک کلیدی وجہ ہے۔ کارنینا میں جو متانت اور گہرائی ہے۔ وہ کسی کم سن لڑکی میں ہو ہی نہیں سکتی اور مس فاکس مین کی خوبصورتی میں جو شوانی عنصر ہے وہ اس کے ظاہری خدوخال بالخصوص ہونٹوں کا مرہون منت ہے مگر کارنینا کا حسن اس کے اندر سے پھوٹتا ہے۔ اس [illegible] ہے جو اس کے نقوش میں جا بجا بکھری ہے۔ شاید گریٹا گاربو ہی وہ اداکارہ ہے جس نے کارنینا کو اس کی قریب ترین سچائی کے ساتھ پیش کیا۔"

سالومن نے مٹھی بھینچ کر جوش سے ہاتھ ملایا۔ وہ خوش تھا یا شاید احمد کو ایسا لگا تھا۔ سمون اس کی جرات پر حیران نظر آتی تھی۔

"میں تم سے اتفاق کرتا ہوں۔ ٹھیک کہا۔ بالکل ٹھیک۔ کارنینا کے روپ میں سمون بکھرے تاثر دے گی۔ میں نے ایک نئے زاویے سے 'مختلف' نئے پہلو سے اس کہانی کو فلمانے کا سوچا ہے۔ ناول میں کیٹی اور لیوین کی کہانی بھی تو ہے۔ ان کرداروں پر ماضی میں زیادہ توجہ نہیں دی گئی۔ نو عمر کیٹی جو کاؤنٹ ورونسکی کی پیش قدمی کو محبت تصور کرتی ہے اور بعد میں کونستیا یعنی لیوین اس کی دنیا میں شامل ہوتا ہے۔ کیٹی کا شوہر لیوین جو زندگی کی سادگی کو اپنائے ہوئے ہے۔" اس نے سالومن کے گلابی ہونٹوں پر چھوٹے بچوں کی طرح بلبلے بنتے دیکھے۔ "لیوین جو اندر باہر سے کسان ہے۔ میری فلم کی کیٹی میرے پہلو میں ہے اور اپنے لیوین کو بھی میں نے تلاش کرلیا ہے۔ وہ میرے سامنے بیٹھا ہے۔"

اس بات کا مفہوم سمجھنے میں احمد کو بڑی دیر لگی تھی۔

✲ ✲ ✲

اس کا اسکرین ٹیسٹ سالومن نے اپنے زیر نگرانی کروایا تھا۔ وہ خدشوں میں گھرا پسینے سے بھیگی ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑ رہا تھا۔ آنکھیں بند کرکے اس نے ان تمام ناموں کو ذہن میں دہرایا جن کی آواز اور لہجے کی نقل وہ بچپن سے کرتا چلا آیا تھا۔ کیری گرانٹ 'ہمفرے بوگارٹ' کلارک گیبل اور ایک لمبی فہرست جو مکالمے اسے چند لمحوں بعد ادا کرنے تھے وہ کس کے انداز میں ادا کیے جائیں تو پراثر ہوں گے۔

کون سی آواز سالومن کو سب سے بڑھ کر بھلی لگے گی۔ روشنی کی حدت اسے پگھلا رہی تھی۔ اس نے حتمی فیصلہ کرنے کی کوشش کی۔

"ایکشن۔" ایک آواز نے کہا۔

اس نے اپنے گرد چکراتی تیز روشنیوں کو دیکھا اور گہرا سانس لیا۔ "دوسروں کی نقالی کرنے کے بجائے اپنا انداز اپناؤ۔ دوسروں کی تقلید کرنے سے تمہاری انفرادیت سامنے نہیں آسکے گی۔"

برسوں پہلے ایک اجنبی کی کہی ہوئی باتیں اس کے کانوں میں گونجیں۔ کیا اس کا اپنا بھی کوئی انداز تھا؟ ان سارے عظیم ناموں سے کٹ کر وہ کیا رہ جائے گا۔ شاید ایک صفر۔ اس نے ایک آخری بار اپنی گنتیوں والی تھیلی کو چھنکار کر درست سکہ منتخب کرنا چاہا۔ "تم ایک نقال پرندے سے زیادہ کچھ نہیں۔ نقلی۔ گھٹیا۔" مغرور ایجنٹ جارج فلپ کی آواز اس کے اعصاب پر تازیانہ بن کر پڑی۔ اس نے کیمرے سے آنکھیں ملاتے ہوئے بولنا شروع کیا اور وہ لب ولہجہ خود اس کے لیے نیا تھا۔ اسے شبہ گزرا کہ اس کی آواز کانپ رہی تھی خوف سے وہ سُن ہو گیا۔

"کٹ کٹ۔" ڈائریکٹر چلا رہا تھا۔

"اب پھر سے کرتے ہیں۔ گھنٹی بجا دینا۔ ایکشن۔ گڈ۔ کٹ اینڈ پرنٹ۔"

☆ ☆ ☆

"میں نے رشز دیکھے ہیں۔"

سالومن کے الفاظ پر اس کی زندگی کا دارومدار تھا۔ "تمہیں کیسے لگے؟ کیا میں تمہاری توقع پر پورا اترا ہوں؟"

سالومن نے ہونٹوں کو چاٹ کر زبان دانتوں تلے دبائی۔ خرابی ہے تم میں۔ ایک بہت بڑی۔ دوست۔ احمد نے اپنی سانس روک لی تھی۔

"وہ جو ہوتی ہے۔ جو لوگ [illegible] عادت سیاں وہ ہے۔ تم میں۔ تم [illegible] ہو۔"

فوٹو گرافر نے اپنے اپنے ساتھی مرد کے نزدیک ہونے کو کہا۔ اس نے نظر اٹھا کر پہلو میں ایستادہ خوشی سے دمکتے چہرے والے بے حد وجیہ مرد کو دیکھا جو اب اس کا شوہر تھا اور ایک قدم اٹھاتے ہوئے اس کے شانے سے جڑ کر کھڑی ہو گئی۔ کیمرے کی طرف اٹھتے ہوئے ان کی نگاہیں ایک پل کے لیے ملیں اور وہ بیک وقت مسکرائے۔ تصویر کھینچنے سے پہلے فوٹو گرافر کو کوئی خیال آیا تو اس نے کیمرہ آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیا اور لڑکی سے پوچھا۔

"تمہاری ویڈنگ رنگ کہاں ہے؟ اسے پہن لو۔"

وہ جھینپ گئی تھی۔ اس کے بجائے اس کے شوہر نے جواب دیا۔ "یہ ایک بہت ہی ہنگامی نوعیت کی شادی ہے۔ کل میری بیوی پاکستان جا رہی ہے اور اسے ڈر تھا کہ میں اس کے جاتے ہی کسی دوسری لڑکی کو پروپوز کر دوں گا۔ اس لیے وہ مجھ پر اپنا نام لکھ کر جا رہی ہے جیسا کہ لوگ اپنی املاک پر لکھ دیتے ہیں تاکہ کوئی اور ان پر حق نہ جتا سکے اس افراتفری میں بہت سے دوسرے ضروری کاموں کی طرح ہم ویڈنگ رنگ بھی بھول گئے۔"

وہ سینڈل میں اپنے پیر کی انگلیوں اور [illegible] گھسے ہوئے چہرے کے [illegible] اس تیرے [illegible] آدمی سے اسے [illegible] ہو رہی تھی۔

فوٹو گرافر جو ایک [illegible] مزاج آدمی تھا۔ کیمرے کو [illegible] آیا اور اپنی قمیص کا اوپر والا [illegible] گردن میں [illegible] اتار لیا۔ [illegible] معمولی دھات کا گول چھلا پرویا ہوا تھا۔ [illegible] زنجیر سے نکال کر شوہر کی مٹھی میں [illegible] ہوئے اس سے فرمائش کی کہ وہ اپنی بیوی کو پہنا دے۔ وہ چھلا اس کی رنگ فنگر میں ڈالنے پر پتا چلا کہ اس انگلی کے لیے وہ بہت کشادہ تھا۔ اس کے شوہر نے باری باری ساری انگلیوں کی آزمائش کی۔ ان دونوں کو بے طرح ہنسی آ رہی تھی۔ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے میں وہ ڈھیلا ہوا دھاتی تار باقی تمام انگلیوں کی نسبت ذرا کم

کھلا تھا۔ تاہم اسے پھسلنے سے روکنے کے لیے اسے انگوٹھے کی اوپری پور کو خم دینا پڑا تھا۔

فوٹو گرافر نے اسے اپنے شوہر کے بائیں پہلو میں آنے کی ہدایت کی اور اس کا شادی کی انگوٹھی [illegible] مزین ہاتھ پکڑ کر شوہر کی چھاتی پر [illegible] سے گزارتے ہوئے اس کے بائیں کندھے پر دھروا دیا۔ اس [illegible] جسم ترچھا ہو گیا تھا اور شوہر کی [illegible] کو چھونے لگی تھی۔ اس نے ناک [illegible] جلد کے خفیف [illegible] اور اس کی گردن سے [illegible] سانس بھر کر [illegible]

فوٹو گرافر [illegible] کو کہہ رہا تھا۔

"[illegible] ہے؟" اس نے دوبارہ کیمرہ [illegible] سوال کیا۔

"[illegible] بھی دور۔ بہت دور۔" اس کے بیٹے سے [illegible]

اس کے شوہر نے کیا جواب دیا تھا۔ وہ سمجھ نہ پائی۔ فوٹو گرافر کو ان سے تصویر کے لیے مسکرانے کی فرمائش نہیں کرنا پڑی تھی۔ ان دونوں کے ہونٹ مسلسل مسکرا رہے تھے۔

"چیز" چھوٹو روشنی کے پولرائڈ کیمرے کی فلیش گن سے روشنی کا کوندا لپکا اور ان دونوں پر چھا گیا۔ محض ایک ساعت کے لیے۔ ان کی پہلی تصویر بن گئی تھی۔

فوٹو گرافر انہیں اگلی تصویر کے لیے مختلف انداز اپنانے کی ہدایات دینے لگا۔

☆ ☆ ☆

گرانٹ! مجھے بہت دیر ہو گئی ہے۔ صبح سے کچھ چیزیں خریدنے کا کہہ کر نکلی ہوں اور اب دوپہر بھی ڈھل رہی ہے۔" پرنیاں نے اسے چچا کے گھر سے مخالف سمت میں گاڑی موڑتے دیکھ کر لجاجت سے کہا۔

"کیا تمہیں کزن داؤد کی ناراضی کا خدشہ ہے؟"

اسے [illegible] کا خطرہ انہیں الگ رہا، داؤد کے لیے اس [illegible] نہ بھی ہونا ایک قدرتی بات تھی۔

"[illegible] وہ سان فرانسسکو میں ہے۔ آج رات گرانٹ وہ گھر میں ہوتا تو شاید آج کے دن مجھے باہر [illegible] نہ دیتا۔" وہ چند ثانیے خاموشی سے گرانٹ کا چہرہ دیکھتی رہی۔ "وہاں جا کر حالات کیا ہو جائیں گے۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ ممکن ہے میرے گھر والے ہمارے نکاح کو سرے سے مانیں ہی نہ اور زبردستی میری شادی کرنے کی کوشش کریں۔ اگر وہ مجھے مجبور کریں تو میں مدد کے لیے تمہارے سوا کسی سے توقع نہیں رکھ سکتی۔ تمہارا نام اپنے نام کے ساتھ جوڑ کر میں نے خود کو ساری دنیا سے الگ کر لیا ہے۔ تم سمجھ رہے ہو گرانٹ؟ یہاں کی شخصی خود مختاری اور وہاں کا عائلی نظام زندگی بالکل متضاد چیزیں ہیں۔ ہو سکتا ہے اور ہو گا بھی یہی کہ وہ کسی بھی بات کو تسلیم نہیں کریں گے اور شاید مجھے واپس لاس اینجلس نہ آنے دیا جائے۔ ایسا ہوا تو تم پاکستان آجاؤ گے ناں۔ حالات میرے بس سے باہر ہو جائیں اور میں تمہیں بلاؤں تو تم جیسے بھی بن پڑے میرے پاس آجانا۔ تمہارے ساتھ ہونے سے میں ہر مشکل کا سامنا کر لوں گی۔ پھر کوئی مجھے روک نہ پائے گا۔ وہ لوگ مجھ سے ناراض ہوں گے مجھے اور تمہیں برا بھلا کہیں گے مگر کچھ کر نہیں سکیں گے۔ تم آؤ گے ناں۔ دیکھو تمہیں آنا پڑے گا۔ میں تو چاہ رہی تھی تم ابھی پاکستان چلتے میرے ساتھ۔ اکیلے جاتے ہوئے مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا میں نے اتنا بڑا قدم کیسے اٹھایا۔ مجھ میں اتنی جرأت کہاں سے آگئی۔ یہ پچھتاوا نہیں ہے۔ میں خوفزدہ ہوں۔ دیکھو میرے ہاتھ کتنے ٹھنڈے ہیں۔ بالکل برف جیسے۔ تم آجانا۔ چاہے کیسی بھی مجبوری نے تمہیں باندھا ہو۔"

گرانٹ نے کار کا انجن بند کرتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ گرفت میں لیے اور انہیں اپنی جیکٹ کی اندرونی طرف سینے پر رکھ لیا۔ "تم کچھ خوف نہ کرو۔ میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔ میری قلم کا پری

پروڈکشن کا کام تیزی سے جاری ہے اور تھوڑے ہی عرصے میں پرنسپل فوٹو گرافی شروع ہو جائے گی۔ سالومن اس فلم کے بارے میں بہت پرجوش ہے اور ظاہری بات ہے میں بھی ایسا ہی محسوس کرتا ہوں۔ وہ اپنی تمام تر توانائیاں اس میں جھونک رہا ہے۔ فی الحال تو مجھے اسٹیٹ چھوڑنے کی ممانعت ہے لیکن اگر کوئی مشکل آن پڑی تو میں سالومن کو سمجھالوں گا۔ وہ میرا کہا نہیں ٹالے گا۔ وہ مجھے بہت پسند کرتا ہے۔ میں پہلی فرصت میں آؤں گا اور تمہارے گھر والوں سے بات کر کے تمہیں ساتھ لے آؤں گا۔ بس یہ ایسا سادہ معاملہ ہے اور تم بلاوجہ اس خوش ذائقہ وہسکی کو بد مزہ بنانے کی کوشش کر رہی ہو۔"

اس نے کھڑکی سے باہر پیڑوں کی ڈالیوں میں مچلتی ہوا کو دیکھا اس کے جسم کو بادلوں کی گیلی چاپوں نے چھوا۔ ونڈ اسکرین پر نمی کی مدھم لکیریں بن اور مٹ رہی تھیں۔

اس نے ہینڈ بیگ سے ایک کاغذ نکال کر گرانٹ کو دیا۔ "یہ میرا پتہ اور فون نمبر ہے پاکستان کا۔"

گرانٹ نے کاغذ لے کر جیکٹ کی جیب میں ڈال لیا۔

"کہیں کھو نہ جائے۔ اسے کسی نوٹ بک وغیرہ میں نقل کر لینا کہیں ادھر ادھر نہ ہو جائے۔"

گرانٹ نے اپنی جیب کو تھپتھپا کر اسے تسلی دی تھی۔ "اب ہی تو سب صحیح ہونا شروع ہوا ہے اب کچھ غلط نہیں ہو گا۔ اس پتے اور فون نمبر کا میں اپنے جسم پر ٹیٹو کروا لوں گا پھر تو کھونے کا کوئی امکان نہیں رہے گا۔ تم نیچے اترو۔" اس نے کار کا دروازہ کھول دیا۔

"لیکن کس لیے؟"

"تم باہر تو آؤ۔ سوال بعد میں پوچھ لینا۔"

"بوندیں گر رہی ہیں۔ تیز بارش نہ شروع ہو جائے۔"

"تو کیا ہوا؟"

"میں بھیگ جاؤں گی۔"

"تو بھیگ جاؤ۔"

"سردیوں کی بارش ہے۔"

لاس اینجلس کی سردی اتنی بھی سرد نہیں ہوتی۔ اور ابھی نومبر بھی ختم نہیں ہوا۔" اس نے اپنی astronaut جیکٹ اتار کر سیٹ پر پھینک دی تھی۔

"ہم پاکستانی لوگ صرف ساون میں بھیگتے ہیں۔" وہ کار سے باہر آتے ہوئے بولی۔

"تم لوگ مون سون کو ساون کیوں کہتے ہو؟"

"کیونکہ ساون کو مون سون نہیں کہا جا سکتا۔ ساون کو کسی بھی اور نام سے پکارا نہیں جا سکتا۔ بس وہ ساون ہوتا ہے۔"

"اچھا تو تمہارا ساون کیسا ہوتا ہے؟" گرانٹ نے اس کے بالوں میں اٹکنے والے خشک پتے کو نکالتے ہوئے پوچھا۔

"اس میں کیچڑ ہوتی ہے پتنگے اور مینڈک۔ کچھ آدھے اور کچھ پورے ننگے بچے اور گیت ہوتے ہیں۔ پھول اور حبس اور جھولے ہوتے ہیں۔"

"کیا یہ کوئی برا وقت ہوتا ہے؟"

گرانٹ کے سوال پر وہ مبہم سا مسکرائی "وہ [illegible] سال کا سب سے خوبصورت وقت ہوتا ہے۔"

"تو میں ساون کے آگے آتا ہوں [illegible] اردو میں کہا تھا۔ وہ اسے خوش کرنے [illegible] بھی شکستہ اردو میں کوئی چھوٹا [illegible] تا تھا۔ شاید اس کا مطلب تھا کہ [illegible] ساون [illegible] آؤں گا۔"

"ساون [illegible] میں تو ہر ایک پل کو [illegible]"

[illegible] عمارت کے سامنے پہنچ کر اس کے [illegible] مجھے لگ رہا ہے بارش تیز ہو جائے گی [illegible] اس کار میں چلتے ہیں۔ مجھے ٹھنڈ لگے گی۔"

"لگنے دو۔" وہ دیوار الانگ گیا۔

تینوں جل ڈالیاں سرمئی رنگ سے اٹی ہوا کے لمس سے بدن چرائے ہوئے تھیں۔ انہیں اپنے اجلے جسموں کے میلے ہونے کا خوف تھا۔ تنگی طشت کے گرد اگرد وہ گلابی پھولوں والی جھاڑیاں زمین پر بچھی

تھیں۔ نم ہواؤں میں سوسن (للی) کی وہ سفید کلیاں مخملی پوشاکوں کی طرح سبز ڈنٹھلوں پر جھومتی تھیں۔

گرانٹ نے ایک سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبایا۔ لائٹر کے شعلے کو ہاتھ کی آڑ دے کر ہوا سے بچاتے ہوئے کئی کوششوں کے بعد وہ سگریٹ سلگانے میں کامیاب ہوا۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

"ہونے دو۔" وہ سرگوشی [illegible] تھی۔ آسمان ہولا ہے [illegible] وہ جو لایا ساحر تھا اس کے [illegible] ہوا امرت تھا [illegible] سوت [illegible] کے ساتھ ایک نیا نقش ابھر آتا [illegible] چھتا رہا اور قالین کی ہیئت [illegible] باقاعدہ بان گھرے سرمئی سوت سے بے [illegible] لگا اور وہ رنگ باقی رنگوں کو نگل گیا۔

[illegible] سردی نہیں لگ رہی تھی اور وہ کانپتی تھی۔ اس کا اندیشہ سچ نکلا تھا۔ بارش کی پھواریں لگاتار برسنے لگی تھیں۔

"میں نے کہا بھی تھا۔ اب چلتے ہیں۔ یہاں میرے کپڑوں پر کیچڑ لگ جائے گی۔"

"لگ جانے دو۔"

گرانٹ کے نم ہوا کیلے ہونٹوں سے نیلگوں دھوئیں کا مرغولہ نکلا اور بوندوں سے ٹکرا کر بجھ گیا۔ اس نے لبوں کو ڈھیلا چھوڑتے ہوئے بجھا ہوا سگریٹ گرا دیا۔

"یہاں ہمیں کوئی دیکھ لے گا۔"

"دیکھنے دو۔"

پن دریاں بھیگتے ہوئے گنگنا رہی تھیں۔ سفید بل کھائے ہوئے دھڑوں پر فلوس ماہی میں بوندیں اٹک اٹک کر پھسلتی تھیں۔ پتھریلی ناند کے کناروں سے پانی چھلکنے لگا تھا۔

سوسن کی لمبوتری کلیوں پر بارش یوں اترتی تھی۔ جیسے سنگ مرمر سے تراشیدہ جاموں میں شراب کی دھار گرتی ہو۔ اس کی پنڈلیوں اور ٹخنوں کی ننگی کھال پر

گھلی کنکریاں سرسرانے لگی تھیں۔

اس نے [illegible] جھکے ہوئے چہرے کو چھلنے دیکھا۔ وہ اتنا [illegible] کہ اسے نقوش شناخت کرنے میں وقت [illegible] اور وہ پھیلتا چلا جاتا تھا۔ وہ اس قدر پھیل [illegible] سال اور اس سے برستی بارش اس کی آنکھوں [illegible] اوجھل ہو گئے۔ وہ سمٹ رہی تھی۔ وہ اس چھائے ہوئے وجود کے مقابل یوں تھی جیسے کلیور کے سامنے کوئی بالشتیا۔

گھاس میں ٹھہرے ہوئے پانی کی باس، تمباکو کی مہک، کلون کی خوشبو اس کے نتھنوں میں گھس رہی تھی وہ آنکھیں موند کر سوچنے لگی کہ اس کی سماعت میں اترنے والی آواز بارش کی تھی یا کہیں دور گھنٹیاں بج رہی تھیں اور اسے لگا کہ وہ چرچ کے جرس کی آواز تھی پر دور دور تک کوئی چرچ نہ تھا۔ پھر وہ چرچ کی گھنٹیاں کیسے ہو سکتی تھیں۔ ہاں وہ جل پریوں کا آسمانی گیت تھا۔

☼ ☼ ☼

ایئرپورٹ پر اس کی نظریں مسلسل گرانٹ کی تلاش میں یہاں سے وہاں بھٹکتی رہیں۔ اس نے خود ہی گرانٹ کو یہاں آنے سے منع کیا تھا۔ اس کے باوجود اسے آس تھی کہ وہ آئے گا۔ اور جوں جوں وقت گزرتا رہا۔ وہ آس تناور ہوتی گئی۔ "کیا خبر وہ کسی کونے میں موجود مجھے الوداع کہنے کے لیے میری نظر پڑنے کا منتظر ہو۔ میں نے اسے روکا تھا۔ کیا اس کا دل مانا ہو گا۔" جہاز میں سوار ہونے سے پہلے ایک آخری بار ان کا ایک دوسرے کو دیکھنا کتنا ضروری تھا۔ "آخر مجھے یہ الفاظ کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اگر وہ اسے دیکھ بھی لیتا تو یہاں اتنے لوگوں کے بیچ کوئی ہنگامہ کرنے سے پہلے سو بار سوچتا اور جو بات اسے کچھ مدت بعد پتہ چلنے والی تھی، وہ ابھی معلوم ہو جاتی تو کیا فرق پڑتا تھا۔ گرانٹ کو میرا منع کرنا کس قدر برا لگا ہو گا۔ لیکن شاید وہ پروا نہ کرے اور آہی جائے۔ خود اس کا دل بھی تو یہی چاہتا ہو گا۔"

محبت ایسی ہی ہوتی ہے۔ بعض اوقات کہی گئی بات کا مفہوم وہ نہیں ہوتا جو الفاظ ادا کرتے ہیں۔

وہ آخری لمحے تک لوگوں کے ہجوم میں اسے کھوجتی رہی۔ جب روانگی کا وقت آ گیا اور وہ لوگ ویٹنگ لاؤنج میں اٹھ کر چلے تو بھی پریناں گردن موڑے پیچھے دیکھنے میں محو رہی۔

ڈیپارچر لاؤنج کی سمت قدم اٹھاتے ہوئے اس کے محسوسات اس شخص جیسے تھے جسے صبح گاہ 'پابجولاں' پھانسی گھاٹ کی طرف لے جایا جا رہا ہو۔

☼ ☼ ☼
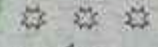
ہسپتال میں اپنے باپ کو دیکھ کر اسے پہلی بار اندازہ ہوا کہ ویشں نے اسے جو بتایا تھا۔ حقیقت اس سے کہیں بڑھ کر خوفناک تھی۔ سفید چادر پر لیٹا ہوا سوختہ زدہ چہرے والا آبزگ جس کے تن میں سوئیاں اور نلکیاں پروئی ہوئی تھیں۔ اتنا زرد تھا کہ پریناں کو شک ہوا۔ اس کی کھال پر کوئی روغن ملا گیا تھا۔ کوئی زندہ انسان اتنا زرد کیسے ہو سکتا تھا۔

ویشں نے بہت سمجھایا تھا کہ "ان کے سامنے جا کر رونا نہیں۔ ان کا حوصلہ پست ہو گا۔"

وہ سب ہدایتیں بھول گئی۔ وہ ایسے آبزگ سے کہاں واقف تھی جو آنکھوں کے پپوٹوں کو تیزی سے جنبش دینے پر بھی قدرت نہ رکھتا ہو جس کی آواز سننے کے لیے کان اس کے ہونٹوں کے پاس لے جانا پڑتا ہو۔ جو درد اور لاچاری کی تصویر ہو۔ وہ تو کوئی اجنبی تھا جس آبزگ کو وہ جانتی تھی۔ وہ ایسے زوردار قہقہے لگایا کرتا تھا کہ اس کا فربہ چہرہ اور پر گوشت جسم اس ہنسی کی توانائی سے لرزنے لگتے۔ پریناں کو اس کی ہنسی اور موٹاپے پر ہمیشہ ہی اعتراض ہوا کرتا تھا۔

"آپ ایسے کیوں ہنستے ہیں۔ میری سہیلی آپ کو دیکھ کر ڈر گئی تھی۔" وہ چھ سال کی تھی جب اس نے بسورتے ہوئے شکوہ کیا تھا۔

آبزگ اور بھی شدت سے ہنسنے لگا تھا۔

وہ مذاق کرنے پر آتا تو مقابل کو عاجز کر دیتا۔ اس کا ہدف اکثر پریناں اور ویشں ہی بنا کرتیں۔ گڑیا پر جب بھی وہ جس مزاح آزمانے کی کوشش کرتا گڑیا رونے لگتا تھا اور روتے ہوئے گڑیا کو بہلانا ایسا کٹھن تھا کہ ویشں اور آبزگ میں اس بات پر کبھی کبھی جھگڑا ہو جاتا۔

"آپ کو رلانا آتا ہے تو چپ کروانا بھی سیکھ لیں۔ آپ کو پتہ بھی ہے اس کا ذہن کتنا سادہ ہے۔ وہ مذاق کو سچ ہی سمجھتا ہے۔"

اس کا جی چاہتا کہ وہ بھی گڑیا والا حربہ اختیار کر کے آبزگ کے مذاق سے جان چھڑا لیا کرے لیکن وقت پڑنے پر لاکھ کوشش کے باوجود اس کی آنکھوں میں آنسو نہ آتے اور آبزگ اسے زچ کیے جاتا۔

"وہ جو سامنے مزار پر فقیرنی بیٹھتی ہے۔ بڑے دانتوں والی۔ اس سے ہم نے تمہیں لیا تھا ایک سیر گیہوں اور شکر کی پڑیا کے بدلے۔ وہ اب تمہیں واپس مانگ رہی ہے۔ کہتی ہے میں دو سیر گیہوں دے دوں گی۔ اب مہنگائی جو بڑھ گئی ہے۔"

اور جب اس نے ویشں سے ضد کر کے اپنے بال ایک ہم جماعت لڑکی کی طرح کٹوائے اس طرح کٹے ہوئے چند لٹیں ماتھے پر گری رہتی تھیں تو آبزگ کا تبصرہ تھا۔

"میرے ایک جاننے والے کے پاس [illegible] ساتھی ہے۔ اس کا بیر اسٹائل [illegible] جیسا ہے بس اس کے کان تھوڑے [illegible] بھی اس پر زیادہ جچتا ہے۔ تم نے بال کٹوا لیے۔ کانوں کا کچھ سوچا نہیں۔"

اور جب وہ اپنی جماعت میں اول آئی تو "ویشں! ہماری بیٹی کی جماعت میں پانچ لڑکیاں پڑھتی ہیں۔ ایک کمزور ہونے کے بعد نکل آئے تو اس سال امتحان میں نہ بیٹھ سکی۔ ایک اور کے بڑے بھائی صاحب کی شادی انہی دنوں میں تھی تو اس نے بھی امتحانوں کو خیرباد کہا۔ دو بچیاں پرچے میں نقل کرتی ہوئی پکڑی گئیں اور باقی رہ گئی ہماری بچی تو وہ اول قرار دی گئی۔ مبارک ہو۔"

وہ لاکھ احتجاج کرتی منہ پھلا کر روٹھنے والے آثار

بناتی پر آبزگ اسے چڑائے جاتا۔ وہ آبزگ۔ اب اتنا بے بس ہو چکا تھا کہ بولنے کے لیے تھک گیا تھا اور آواز نہ نکلتی تھی۔ پچھلے ہوئے پپوٹوں والی آنکھوں سے پانی کی پتلی لکیریں کنپٹیوں کی جانب رینگتی تھیں۔

وہ داؤد چچا اور ماموں دانیال کے ساتھ ڈاکٹر سے مل کر آ رہی تھی۔ داؤد کے ای بیجے سے [illegible] کے باعث ڈاکٹر نے کھل کر ان سے آبزگ کی حالت بیان کی تھی۔ اس کے دونوں گردے [illegible] چکے تھے۔ خون گاڑھا ہونے سے [illegible] چکی تھیں۔ ایک پاؤں میں gangrene [illegible] اور زندہ پٹھوں کی موت [illegible] لیا تھا۔ پاؤں اور پنڈلی کا [illegible] amputate کرنے کے سوا کوئی صورت نہ [illegible] اور اتلاف عضو سے بننے والے زخم کا [illegible] ایک مسئلہ تھا۔ زیادہ وزنی ہونے اور [illegible] سے چلے بنا لیٹے رہنے سے نچلے دھڑ پر bed sores بن گئے تھے جو ٹھیک ہونے کے بجائے روز بروز بدتر ہو رہے تھے۔ اس کا بدن سڑنے لگا تھا۔

وہ آبزگ کے سینے سے چمٹ کر رونے لگی تھی۔ اس کے بیمار تن سے اینٹی بائیوٹکس کی دل کو پژمردگی اوڑھانے والی بو پھوٹتی تھی۔ انیتا اور ویشں کے سنبھالتے سنبھالتے بھی اس کی ہچکی بندھ گئی تھی۔ آبزگ نے اسے واضح طور پر دیکھنے کے لیے ویشں سے مانگ کر نظر کا چشمہ لگایا اور انگلی کا خفیف اشارہ کر کے اسے رونے سے منع کیا۔ پھر اس نے پریناں کو اپنے ہونٹوں کے قریب کان لانے کو کہا تھا۔

"ہونے والے دولہا کے سامنے اس طرح روؤ گی تو وہ سمجھے گا تم اس شادی پر راضی نہیں ہو۔ کیوں ریں ریں کر کے اپنی آنے والی ازدواجی زندگی خراب کر رہی ہو؟" اس کی آواز نحیف اور بھرائی ہوئی تھی۔ "میں بڑا ڈھیٹ ہوں۔ اس کر سمس سے پہلے نہیں مروں گا۔ مرنے سے قبل تمہیں دلہن بنے ہوئے بھی تو دیکھنا ہے۔ جو بھی خریدنے کا دل چاہے 'خرید لینا' تمہاری ماں کنجوس ہے، پر تم پروا نہ کرنا۔ میں نے بھی تو کبھی نہیں کی۔ یہ اناڑی ڈاکٹر مجھ پر کچھ تجربے وغیرہ کر کے

دل کی بھڑاس نکال لیں تو میں تمہارے ساتھ گھر چلوں گا۔ سارے ارمان پورے ہوں گی۔ ہم جلت میں کچھ نہیں کریں گے۔ ایک ہی بار تو شادی ہوتی ہے۔ تمہاری [illegible]"

پریناں کے آنسو تھم گئے۔ جو کچھ وہ کر آئی تھی اس کی سنگینی اب اس پر طلوع ہو رہی تھی۔ کیا وہ اس شخص کو جو اس کا باپ تھا جو اسی ایک آس کی ڈور کو تھامے موت سے لڑ رہا تھا کبھی بھی وہ بات بتانے کے قابل ہو سکے گی؟ وہ کون سے الفاظ تھے جن میں وہ اپنی خود سری اور بے رحمی کی داستان سنائے اس شخص کی بجھتی ہوئی آنکھوں سے نور کی آخری بوند بھی چھین لینے کی طاقت وہ کہاں سے اپنے اندر لا سکے گی؟

☼ ☼ ☼

رات کا جانے کون سا پہر تھا کہ کرسی پر بیٹھ کر اونگھتے ہوئے اس نے اپنے بازو پر ایک جھلستے ہوئے بھاری ہاتھ کا لمس محسوس کیا۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھولی تھیں۔ آبزگ اس کا بازو تھام کر ہلا رہا تھا۔

ساتھ والے بستر پر داؤد اور دانیال ماموں کا بڑا بیٹا بلال آڑے ترچھے اکٹھے لیٹے تھے۔ رات کو وہ تینوں آبزگ کے پاس ٹھہر گئے تھے اور وہ آبزگ کے سرہانے بیٹھ کر اس کا سر دبا رہی تھی کہ نیند کا غلبہ ہونے پر بیٹھے بیٹھے سو گئی۔ آبزگ کو شاید کسی شے کی ضرورت تھی، تبھی اس نے پریناں کو جگانے کے لیے اس کا بازو پکڑا تھا۔

"جی ابو!" اس نے آبزگ کے اوپر جھکتے ہوئے آہستگی سے پوچھا۔

اس کی سوتی ہوئی آنکھوں میں نیند کی کوئی رمق نہ تھی۔

"آپ کو نیند نہیں آ رہی؟ کہاں درد ہے؟"

"یہ نہیں پتا کہاں ہو رہا ہے، پر... ہو رہا ہے۔"

"میں ڈاکٹر کو بلا لاتی ہوں۔"

"نہیں۔" آبزگ نے اس کے کندھے پر انگلیوں سے دباؤ ڈالا۔ "آدھی رات کے وقت میں کوئی بے زار

صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔ سارا دن مجہول ڈاکٹرز اور کالی پیلی نرسیں دیکھ کر آنکھیں پک جاتی ہیں۔ شکر ہے میری بینائی گھٹ گئی اور وہ سب مجھے دھندلے سے دکھائی دیتے ہیں۔ میرا دل گھبرا رہا ہے‘ تم ذرا وہ کھڑکی تو کھول دو۔“

”لیکن باہر ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔“ وہ ہچکچائی۔

”کمرے میں حبس ہے‘ تھوڑی دیر کھول کر بھلے بند کر دینا۔“

اس نے کھڑکی کھولنے سے قبل آذرک کے گرد اچھی طرح کمبل لپیٹ دیا تھا۔ اس کے پاس آتے ہوئے وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھی تو آذرک آنکھیں سکیڑے کھڑکی کی جانب گھور رہا تھا۔ کھلی ہوئی کھڑکی کی جالی سے رات کی گھور تاریکی جھانک رہی تھی۔

آذرک بولا۔ ”یہ سیاہ کوئی رنگ تو نہیں ہوتا۔ وہ سائنس میں کیا پڑھاتے ہیں کہ جب کوئی سطح روشنی کے ساتوں رنگوں کو جذب کر لیتی ہے اور ہماری آنکھوں میں کوئی رنگ نہیں لوٹتا تو ہمیں سیاہی دکھائی دیتی ہے۔ پھر اسے رنگ تو نہیں گننا چاہیے۔ یہ تو رنگوں کی عدم موجودگی کا نام ہے۔ ہم انسان موت کے بارے میں جب سوچتے ہیں تو اسے کوئی مجسم روپ دینے کی کوشش کرتے ہیں‘ لیکن کوئی ٹھوس شکل تخیل میں نہیں آتی۔ بس ایسا لگتا ہے کہ موت بھی سیاہ ہوتی ہوگی۔ رات کے رنگ جیسی۔ لو میں پھر سیاہ کو رنگ کہہ رہا ہوں۔“

آذرک کی نظریں اس تاریک چوکھٹے پر جمی تھیں اور پریاں کو ان نظروں سے خوف آیا تھا۔

”اچھا مجھے وہ تو سناؤ‘ وہ داؤد کا مشکیل (زبور) جو تم نے گرجے کے میر مغنی سے سیکھا تھا۔“

یہ فرمائش قطعی غیر متوقع تھی۔

”رات کے اس وقت؟“ اس نے آذرک کو ٹالنا چاہا۔

”خدا کو یاد کرنے کا کوئی وقت بھی [illegible] ہوتا ہے؟ اپنے پادری چچا جیسی بات مت کرو۔“

”مجھے وہ ٹھیک طرح سے [illegible] نہیں رہا۔ اتنا عرصہ گزر گیا ہے۔“

”ایسے کیسے بھول سکتی ہو۔ تم نے ہفتم جماعت میں اسے یاد کیا تھا اور کتنے ہی مواقع پر سنا چکی ہو۔ چلو جتنا یاد ہے‘ وہی سنا دو۔“

”داؤد اور ریال جاگ جائیں گے‘ ابھی سوئے ہیں۔“

”ہونے والے شوہر کے آرام کا ابھی سے اتنا خیال ہے؟ اچھی بات ہے‘ ہم اسے نہیں جگائیں گے۔ تم میرے کان میں آہستہ آواز میں بولنا۔“

وہ اس کے ہر عذر کو ناکام بنا رہا تھا۔

وہ سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔

آذرک نے کمبل اتار کر پرے پھینک دیا تھا۔ شاید وہ بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ اس کے مدقوق چہرے پر پسینے کی بوندیں یوں چمکتی تھیں جیسے کسی ان دیکھی آگ کی تپش اسے اندر سے پگھلا رہی ہو۔

”احمق نے اپنے دل میں کہا کہ۔“ آذرک نے خود ہی مشکیل کا آغاز کیا۔ پریاں کے سوکھے ہونٹوں سے گھٹی ہوئی سرگوشی نکلی۔

”احمق نے اپنے دل میں کہا کہ کوئی خدا نہیں۔

وہ بگڑ گئے۔ انہوں نے نفرت انگیز بدی کی ہے۔“

اسے الفاظ یاد تھے‘ لیکن وہ آواز میں تقدیس [illegible] سے لاتی۔ وہ خلوص کیسے پیدا کرتی [illegible] خدا کا نام لیتے ہوئے دل میں موجزن ہوتا ہے [illegible] نے کسی وقت خود کو الفاظ دہرانے پر [illegible]

”کوئی نیکوکار [illegible]

خدا نے آسمان پر سے بنی آدم پر نگاہ کی

[illegible] دیکھے [illegible] کوئی دانش مند

[illegible] خدا کا طالب ہے یا نہیں۔“

[illegible] میں بے شمار آنسو آن بیٹھے تھے۔ اس کی آواز کانپنے لگی۔

”وہ سب کے سب پھر گئے ہیں۔ وہ باہم نجس ہو گئے۔“

کسی ہاتھ نے اسے حلق سے دبوچ لیا تھا۔ آواز نکلنے نہ پائی تھی۔

”وہ باہم نجس ہو گئے۔

کوئی نیکوکار نہیں‘ ایک بھی نہیں۔“ اس نے آذرک کو پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھا۔ اس کا پورا بدن ان آنسوؤں کی تندی سے ہلتا تھا۔

اوائل دسمبر کی وہ خنک رات جب آسمان پر چاند کا نشان تک نہ تھا اور ہوا اپنا آہٹ کے [illegible] باپ اور اس بچی نے آنکھوں میں کاٹ دی۔ ان [illegible] کے جاگنے کی وجہ سے جملے مختلف [illegible] مقام پر تھے۔ ایک دوجے کے [illegible] اسپتال کے اس کمرے [illegible] رہی اور تاریکی انہیں [illegible]

✲ ✲ ✲

ٹیلی فون کی گھنٹی بہت دیر بجتی رہی اور پھر ٹیپ شدہ پیغام [illegible] لگا۔

”[illegible] ایڈم گرانٹ ہوں۔ معذرت خواہ ہوں اس وقت گھر پر نہیں ہوں۔ اگر تم اپنا نام اور ٹیلی فون نمبر دے دو گے تو میں جب لوٹوں گا تمہیں کال کروں گا۔ براہ مہربانی سگنل سننے تک انتظار کرو‘ شکریہ۔“ پھر ایک تیز بیپ سنائی دی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تذبذب کا شکار رہی اور پھر عجلت میں بولنے لگی۔

”مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کیا ہونے والا ہے۔ میں کسی کو کچھ نہیں بتا پا رہی۔ داؤد نے بھی کسی سے کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ مجھے لگتا ہے میرا دل پھٹ جائے گا۔ اگر میں جلد ہی نہ بولی تو۔ میں اپنے ماموں دانیال کے گھر۔“

فون کٹ گیا تھا۔ وہ ٹیپ کی طوالت سے زیادہ دیر بولی تھی۔

✲ ✲ ✲

ریکارڈ کیے گئے پیغام کے اختتام پر وہ بولی۔ ”میں اپنے ماموں دانیال کے گھر ہوں۔ ان کے گھر سے اسپتال آنا جانا آسان ہے۔ میں ان کا فون نمبر اور پتا بتا رہی ہوں۔ تم آجاؤ جیسے بھی ہو سکے۔ تمہارے بغیر میں۔“ جملہ ادھورا چھوڑ کر اس نے ٹیلی فون نمبر اور پتا دہرانا شروع کیا۔

✲ ✲ ✲

فون کسی نے [illegible] اٹھایا تھا۔ اس نے اپنی گرفت ریسیور پر سخت ہوتے محسوس کی۔

”ہیلو۔ میں پریاں بات کر رہی ہوں۔“

دوسری جانب خاموشی تھی۔

”کیا تمہیں میری آواز آرہی ہے؟ ہیلو جواب دو۔“

سائیں سائیں کے سوا کچھ بھی سنائی نہ دیا۔

”مجھ سے بات کرو۔ خدا کے لیے جواب دو۔ تم مجھے سن رہے ہو۔ مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا۔ گرانٹ! تم مجھے فون کیوں نہیں کرتے؟ ایک بار بھی رابطہ نہیں کیا۔ پر شاید تم نے کیا ہوگا۔ میرا زیادہ وقت اسپتال میں گزرتا ہے۔ آنسرنگ مشین میں وہ وقت ریکارڈ کر دینا جس پر میں فون کروں تو تم گھر پر ملو گے۔ ہیلو۔ تم سن تو رہے ہو نا۔ فون بند مت کرنا۔ میری بات سننے کی کوشش کرو۔ میں بے بس ہوں۔ سب کچھ میرے قابو سے باہر ہوا جا رہا ہے۔ اگر تم نہ آئے تو میری شادی کر دی جائے گی۔ تم کب تک آرہے ہو؟“

وہ چھوٹے بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگی تھی۔

✲ ✲ ✲

وہ ایک بار پھر آنسرنگ مشین کی میکانکی آواز سے مخاطب تھی۔

”تم میرے کسی پیغام کا جواب نہیں دیتے۔ آخر تم کہاں ہو؟ میں پاگل ہو جاؤں گی۔ مجھے اور نہ آزماؤ۔ اپنی تکلیف بیان کرنے کے لیے میرے پاس کوئی لفظ نہیں ہے۔ میں قطرہ قطرہ مر رہی ہوں۔ تم آجاؤ ورنہ میں۔ بڑی دیر ہو جائے گی۔ میں تمہیں دو دن کی مہلت دے رہی۔“ رابطہ ٹوٹ گیا تھا۔

(باقی آئندہ)

نمرہ احمد

مصحف

سنہری صبح بھیگ رہی تھی جب وہ سست روی سے چلتی بس اسٹاپ تک پہنچی۔ کندھے پہ بیگ لٹکائے' ہاتھ میں پانی کی چھوٹی بوتل پکڑے' چہرے پہ ڈھیروں بے زاری لیے وہ بنچ کے قریب آئی' جہاں بیٹھ کر وہ روز دس منٹ بس کا انتظار کرتی تھی۔

اس نے بیگ ایک طرف رکھا اور بنچ پہ بیٹھ گئی۔ پھر ایک ہاتھ سے جمائی روکتے دوسرے سے بوتل کھول کر لبوں سے لگائی۔ گرمی آج کل بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ صبح ہی صبح اسے پسینہ آنے لگا تھا' جانے آگے کیا ہو گا' وہ گھونٹ بھرتی بے زاری سے سوچ رہی تھی۔ چہرے پہ بھی وہی اکتائے ہوئے تاثرات تھے جیسے دنیا بھر سے خفا ہو۔ سنہری پیشانی پہ مستقل بڑے بل اور کانچ سی خوب صورت بھوری سنہری آنکھوں میں چھائی خفگی ۔۔۔ کچھ تھا اس میں جو اسے سارے میں یکتا بناتا تھا۔

لمبے کرتے اور جینز میں ملبوس' رسی کی مانند دوپٹہ مفلر کے انداز میں گردن سے لپیٹے' ٹانگ پہ ٹانگ رکھے وہ پاؤں جھلاتی' تنقیدی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی اور تب ہی اسے احساس ہوا کہ وہ سیاہ فام لڑکی آج بھی بنچ پہ اس کے ساتھ بیٹھی ہے۔

ان دونوں کے درمیان اس کا بیگ رکھا تھا اور اس وقت وہ سیاہ فام لڑکی سر جھکائے' نگاہ ترچھی کیے اس کے بیگ کو دیکھ رہی تھی' جہاں جگہ جگہ چاک اور وائٹنر سے اس نے اپنا نام لکھ رکھا تھا۔

"محمل ابراہیم..... محمل ابراہیم"

مکمل ناول

آزاد تھا چھوٹے بڑے ہر انداز میں ہی لکھا تھا۔
وہ لڑکی بھی بس ہی اس کے بیگ کو دیکھتی تھی مگر محمل کے تو روز کے دس منٹ اس سیاہ فام لڑکی کا جائزہ لیتے ہی گزرتے تھے۔

وہ بھی عجب پراسرار کردار تھی۔ یہاں اسلام آباد میں سیاہ فام نظر آ ہی جاتے تھے مگر وہ اپنے جیسوں سے مختلف تھی۔ سر پہ رومال باندھ کر گردن کے پیچھے گرہ لگاتی اور نیچے لوور کوٹ موٹے ہونٹ سیاہ رنگت ۔۔۔ مگر چمکیلی آنکھیں ۔۔۔ کوئی ایسی چمک تھی ان میں کہ محمل کبھی ان آنکھوں میں دیکھ نہ پائی تھی ہمیشہ نگاہ چرا جاتی۔ شاید ڈیڑھ مہینہ قبل وہ اسے اپنے مخصوص اوقات میں اسٹینڈ پہ دیکھتی تھی اور ان ڈیڑھ ماہ میں ان کا انداز ہمیشہ یکساں رہا تھا۔

گر سیدھے رکھے الرٹ سی بنچ پہ بیٹھی خاموشی سے سامنے سیدھ میں دیکھتی وہ بہت چپ سی لڑکی معلوم نہیں کون تھی اور پھر اس کی وہ پراسرار کتاب ۔۔۔ ! سیاہ جلد والی بھاری سی کتاب جس کا سیاہ سرورق بالکل خالی تھا اس کی گود میں دھری ہوتی اور کتاب کے کناروں پہ اس کے سیاہ ہاتھ مضبوطی سے جمے ہوتے۔ اس کے انداز سے کچھ خاص جھلکتا تھا۔ کتاب کی حفاظت کا احساس یا شاید اس کے بیش قیمت ہونے کا۔

کتاب بالشت بھر موٹی تھی۔ صفحوں کے جھلکتے کنارے پیلے اور خستہ لگتے تھے جیسے کوئی بہت قدیم کتاب ہو سینکڑوں برس پرانا کوئی نسخہ ہو۔ کچھ تھا اس میں کوئی قدیم راز مخفی پراسرار کتھا۔ وہ جب بھی اس کتاب کو دیکھتی یہی سوچتی اور آج جانے کیا ہوا [illegible] ایسی خاموش سی لڑکی سے مخاطب ہو ہی گئی۔ شاید تجسس عاجز کر رہا تھا۔

"ایکسکیوزمی۔ ایک بات [illegible]"
"پوچھو۔" سیاہ فام لڑکی نے [illegible] آنکھیں [illegible]

اٹھائیں۔
"یہ کتاب کس کی ہے؟"
"میری!"
"میرا مطلب ہے اس میں کیا لکھا ہے؟"
وہ چند لمحے محمل کا چہرہ دیکھتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔
"میری زندگی کی کہانی!"
"اچھا۔" وہ حیرت چھپا نہ سکی۔ "میں سمجھی یہ کوئی قدیم کتاب ہے۔"
"قدیم ہی ہے۔ صدیوں پہلے لکھی گئی تھی۔"
"تو آپ کو کہاں سے ملی؟"
"مصر کی ایک پرانی لائبریری سے یہ کچھ کتابوں کے بیچ پڑی تھی جب میں نے اسے نکالا تو اس پہ زمانوں کی گرد تھی۔" وہ محبت سے سیاہ جلد پہ ہاتھ پھیرتے کہہ رہی تھی۔ اس کے لبوں پہ مدھم سی مسکراہٹ تھی۔
"میں نے وہ گرد جھاڑی اور اسے اپنے ساتھ رکھ لیا پھر جب پڑھا تو معلوم ہوا کہ اسے تو کسی نے میرے لیے لکھ کر ادھر رکھا تھا۔"
محمل منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔
"تمہیں کیا دلچسپی ہے اس میں [illegible]"
"میں اس کے بارے میں [illegible] ہوں۔ کیا میں اسے پڑھ سکتی ہوں؟" [illegible]
"[illegible] قدیم زبان میں لکھے [illegible] کہاں [illegible]"
"[illegible] اس میں لکھا کیا ہے؟" وہ تجسس [illegible] کر رہا تھا۔
"[illegible]"
[illegible] بس نے ہارن بجایا تو محمل نے چونک کر سامنے سڑک پہ آتی بس کو دیکھا۔
"میرا حال ۔۔۔" وہ سیاہ فام لڑکی کہہ رہی تھی۔
محمل بیگ کا اسٹریپ پکڑے کھڑی ہوئی اسے جلدی کالج پہنچنا تھا۔

"اور میرا مستقبل بھی مجھے کیا پیش آنے والا ہے؟ یہ کتاب سب بتاتی ہے۔"
"میں چلتی ہوں۔" وہ بس کی طرف دیکھتے معذرت خواہانہ انداز میں کہہ کر آگے بڑھ گئی۔
"اس میں تمہارا بھی ذکر ہے محمل!" وہ الٹے پیروں مڑی۔
"میرا ذکر؟ میرے بارے میں کیا لکھا ہے؟" وہ ششدر رہ گئی تھی۔
"یہی کہ میں [illegible] یہ کتاب [illegible] جس میں تمہیں [illegible] سامنے آ کر خود تمہیں [illegible] اس میں تمہاری زندگی کی کہانی بھی ہے جو ہو چکا اور جو ہونے والا ہے۔ سب لکھا ہے۔"
بس [illegible] ہارن بجا تو وہ کچھ کہے بنا تیزی سے اس طرف [illegible] راڈ پکڑ کر اوپر چڑھتے اس نے پل بھر کو [illegible] دیکھا تھا۔
وہ سیاہ فام لڑکی اسی طرح مسکرا رہی تھی۔ پراسرار معنی خیز مسکراہٹ محمل کو ایک دم اس سے بہت ڈر لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

کالج کے بعد وہ اپنی دوست طوبیٰ کے ابو کی اکیڈمی میں سیونتھ کلاس کے بچوں کو سائنس اور میتھس پڑھاتی تھی۔ گھر پہنچتے پہنچتے اسے روز ساڑھے تین ہو جاتے تھے۔
گیٹ عبور کر کے پورچ میں دیکھا تو تین گاڑیاں آگے پیچھے کھڑی تھیں۔ دل کراہ کر رہ گیا۔ گھر میں گاڑیوں کی قطار کے باوجود بسوں کے دھکے کھانے پہ مجبور تھی۔
"ہم بیچاروں کے رحم و کرم پہ پلنے والے یتیموں کے نصیب بھی کتنے یتیم ہوتے ہیں نا!" خود پہ ترس کھاتی وہ اندر آ گئی۔
لاؤنج میں خاموشی دوپہر اتری تھی۔ وہ سب کے

سونے کا ٹائم تھا۔ آغا جان اس گھر کے سب سے بڑے بیٹا [illegible] آفس سے لوٹ آئے تھے اور ان کی [illegible] پورے گھر کو حکم ہوتا تھا کہ پتہ بھی [illegible] ورنہ وہ ڈسٹرب ہوں گے۔ حکم بظاہر پورے گھر کو ہوتا در حقیقت محمل اور مسرت کو سنایا جاتا تھا اور آخر میں جب آغا جان کی بیگم تائی مہتاب ان الفاظ کا اضافہ کرتیں۔
"اور مسرت! ذرا اپنی بیٹی کو سمجھا دینا کہ جب اور اور شہر پھرنے سے فارغ ہو جائے تو گھر آتے ہوئے مین ڈور آرام سے کھولا کرے آغا صاحب کی نیند خراب ہوتی ہے۔ اب میں کچھ کہوں گی تو اسے برا لگے گا۔ گز بھر کی تو زبان ہے اس کی، نہ چھوٹے کا لحاظ نہ بڑے کا ادب استغفراللہ۔ ہماری بیٹیاں بھی کالج میں پڑھتی ہیں ان کے تو انداز ایسے نہ نکلے جیسے محمل کے۔۔۔" وغیرہ وغیرہ تو اسے تو آگ ہی لگ جاتی تھی۔ ہر روز

دروازہ کھولتے ہوئے یہی فقرہ سماعت میں گونجتا تو وہ چڑنے کے باوجود دروازہ آہستہ بند کرتی۔

کچن کی طرف آئی تو سنک میں جھوٹے برتنوں کا ڈھیر لگا تھا۔ ناگواری سے ناک چڑھائے اس نے بیگ سلیب پہ رکھا اور ہاٹ پاٹ کی طرف بڑھی۔ صبح ناشتے کے بعد سے اب تک کچھ نہ کھایا تھا اور اب زوروں کی بھوک لگی تھی۔

ہاٹ پاٹ کھولا تو وہ خالی تھا۔ رومال پہ روٹی کے چند ذرے بکھرے تھے۔ اس نے فریج کھولنا چاہا تو وہ لاکڈ تھا۔ مہتاب تائی اس کے آنے سے قبل فریج لاک کر دیتی تھیں۔ مسرت اس کے لیے کھانا بچا کر ہاٹ پاٹ میں رکھتی تھیں، مگر جب سے مہتاب تائی نے کھانے کی خود نگرانی شروع کی تھی، ہاٹ پاٹ ہر تیسرے دن خالی ہی ملتا تھا۔

تکلیف سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، لیکن پھر ضبط کر کے باہر نکلی اور آہستہ سے گیٹ عبور کر کے کالونی کے باہر نکڑ والے ہوٹل سے ایک نان اور ایک کباب لے آئی کہ اتنے ہی پیسے تھے۔

واپسی پہ وہ پھر سے پرانی محمل بن چکی تھی۔ لاؤنج کا دروازہ کھول کر دھڑام سے بند کیا۔ فرش پہ پڑی فٹ بال اٹھا کر پوری قوت سے دیوار پہ ماری اور صوفے پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھی نان کباب کا لفافہ کھولنے لگی۔

لمحے بھر بعد ہی آغا جان کے کمرے کا دروازہ کھلا اور تنتناتی ہوئی تائی مہتاب باہر آئیں۔

"محمل!" وہ گرجیں تو اس نے آرام سے سر اٹھایا۔

"کباب کھائیں گی تائی اماں؟"

"شٹ اپ! ہزار دفعہ کہا ہے کہ آرام سے دروازہ کھولا کرو مگر تم..."

"آہستہ بولیں تائی اماں! اس وقت آغا جان سو رہے ہوتے ہیں، اٹھ جائیں گے۔" [illegible] کباب رکھ کر پاؤں جھلاتی بے نیازی سے [illegible]

"تم... احسان فراموش... [illegible] بھی احساس ہے کہ آغا صاحب [illegible] کر..."

فقرہ مکمل ہونے سے قبل ہی وہ اپنا نان کباب اٹھائے اپنے کمرے کی طرف جا چکی تھی۔

تائی مہتاب تلملاتی کلستی رہ گئیں۔

اندر مسرت آوازوں پہ جاگ چکی تھیں۔

"کیا ہوا ہے محمل! بھابھی بیگم کیوں ناراض ہو رہی ہیں؟"

"دماغ خراب ہے ان کا پیدائشی مسئلہ ہے۔ آپ کو نہیں پتہ؟" اس نے بے زاری سے نان کباب کا لفافہ بستر پہ رکھ دیا۔

"مگر ہوا کیا ہے؟" ان کی نگاہ پھسل کر لفافے پہ گئی۔ "پھر باہر سے کھانا لائی ہو؟ فریج میں..." اور پھر خود ہی خاموش ہو گئیں۔

"آپ کے لیے لائی ہوں، آپ نے کچھ کھایا۔"

"میں کھا چکی ہوں، یہ تم کھاؤ، مجھے معلوم ہے تم نے کچھ نہیں کھایا۔" وہ تھکاوٹ سے مسکرائیں تو محمل نے لمحہ بھر کو ماں کو دیکھا۔ سادہ گھسے ہوئے کاٹن کے جوڑے میں، سفید ہوتے بال اور جھریوں زدہ چہرے والی اس کی تھکی تھکی بے ضرر سی ماں، جو واقعی اس عالیشان کوٹھی کی مالکن ہوتے ہوئے بھی ملازمہ [illegible]

"دل برا مت کیا کرو محمل! اللہ کا [illegible]"

"مجھے غصہ آتا ہے ان لوگوں [illegible] اماں!"

باہر تائی مہتاب کے [illegible] تھی۔

وہ اب شور کرتے جا [illegible] رہی تھیں۔

"ناشکری [illegible] انہوں نے رہنے کے لیے ہمیں چھت [illegible] دیا ہے۔"

"احسان نہیں کیا، میرے باپ کا گھر ہے۔ اے ابا [illegible] بنوایا تھا۔ یہ بزنس، یہ فیکٹریاں، یہ سب ابا نے خود بنایا تھا، سب کچھ ابا نے ہمارے نام کیا تھا۔"

"تمہارے ابا اب زندہ نہیں ہیں محمل! وہ اب کہیں بھی نہیں ہیں۔" وہ جیسے تھک کر کہہ رہی تھیں اور وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔ پھر سر جھٹک کر لفافہ اٹھایا۔ نان سخت ہو گیا تھا اور کباب ٹھنڈا۔ وہ بے دلی سے لقمے توڑنے لگی۔

✱ ✱ ✱

یہ ٹھنڈا، بے لذت کھانا کھا کر وہ کچھ دیر ہی سو پائی تھی کہ ٹھاہ کی آواز کے ساتھ کمرے کے دروازے سے فٹ بال ٹکرایا۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

باہر دیواروں پہ فٹ بال مارنے کی آواز [illegible] تھی۔

کچی نیند ٹوٹی تھی۔ وہ بڑا سا [illegible] اٹھی۔ سلیپر پہنے اور ہاتھوں سے [illegible] دروازہ کھولا۔

اس کا اور [illegible] مشترکہ [illegible] دراصل کچن کے ساتھ ملحقہ اسٹور روم [illegible] بہت چھوٹا نہ بہت بڑا۔ عرصہ ہوا [illegible] سے خالی کروا کے ان دونوں کو [illegible] دیا تھا۔ اس کے ساتھ باتھ روم نہ تھا، [illegible] ان کو لاؤنج پار کر کے گیسٹ باتھ روم کی طرف جانا پڑتا تھا۔

باہر لاؤنج میں ناعمہ چاچی کے چھوٹے معاذ اور معیز فٹ بال ادھر ادھر مارتے دوڑتے پھر رہے تھے۔

"تمیز نہیں ہے تم لوگوں کو، دیکھ کر کھیلا کرو، میں سو رہی تھی۔"

کچن کے کھلے دروازے پہ کھڑی، اندر کسی سے بات کرتی ناعمہ چچی فوراً مڑیں۔

"اب میرے بچے کھیلیں بھی نا، تمہارا تو کام ہی سونا ہے، نہ دن دیکھا نہ رات، ہر وقت بستر ہی توڑتی رہتی ہو۔"

"ہاں تو میرے باپ کے پیسے سے یہ بستر آئے تھے، توڑوں یا پھوڑوں، میری مرضی۔ ابا کی ڈیتھ سے پہلے اسد چچا تو غالباً بے روزگار تھے نا!" وہ بھی محمل تھی، سارے حساب فوراً چکا کر بے نیازی سے باتھ روم کی طرف چلی گئی۔ ادھر ناعمہ چچی بڑبڑاتی رہ گئیں۔

منہ ہاتھ دھو کر اس نے اپنے سلکی بھورے بال دونوں ہاتھوں میں سمیٹ کر اونچے کیے اور پونی باندھی۔ بہت اونچی سی بھوری یہ پونی ٹیل اس پہ بہت اچھی لگتی تھی۔ وہ ذرا بھی سر ہلاتی تو اونچی پونی ساتھ ہی گردن کے [illegible]

اس کی آنکھیں [illegible] کانچ سی سنہری تھیں اور ہلکا سا [illegible] دلکش بنا دیتا تھا۔ وہ بلاشبہ گھر کی سب سے [illegible] لڑکی تھی۔

"[illegible] لیے تو جلتی ہیں یہ سب۔" اسے ہنسی آ گئی۔ ایک نظر خود پہ ڈالی۔ جینز کے اوپر کھلا سا کرتا اور گردن کے گرد لپٹا دوپٹہ، مفلر کی طرح ایک پلو سامنے کو لٹکتا اور دوسرا کمر پہ۔ گر وہ واقعی سب سے منفرد تھی۔

کچن میں تائی مہتاب نگٹس نکال کر مسرت کے سامنے رکھ رہی تھیں جو بہت عجلت سے ایک طرف چائے کا پانی چڑھا کر دوسری طرف کڑاہی میں تیل گرم کر رہی تھیں۔ اس پہ نظر پڑی تو نگٹس رکھتے ہوئے ذرا لاپروائی سے گویا ہوئیں۔

"یہ بچوں کے لیے فرائی کر دو مسرت! اب ہر کوئی تو باہر سے منہ مار کر نہیں آتا نا!"

"بجا فرمایا تائی اماں! یہاں تو لوگ گھر کے اندر ہی دوسروں کے مال پہ منہ مارتے ہیں۔" وہ اطمینان سے کہہ کر کولر سے پانی کا گلاس بھرنے لگی۔

"زبان کو سنبھالو لڑکی! توبہ ہے، ہماری بیٹیاں تو کبھی ایسے ہمارے آگے نہ بولیں۔"

"آپ برا مت مانیں بھابھی بیگم! میں سمجھا دوں گی۔" گھبرا کر مسرت نے ایک ملتجی نگاہ محمل پہ ڈالی۔ وہ کندھا اچکا کر کھڑے کھڑے پانی پینے لگی۔

"سمجھا دینا، بہتر ہوگا۔" اس پہ ایک تنفر بھری نگاہ ڈال کر تائی مہتاب باہر چلی گئیں۔ ناعمہ چچی پہلے ہی جا چکی تھیں۔ اب مسرت اور محمل ہی کچن میں رہ گئے تھے۔

"اب یقیناً برتن بھی آپ کو ہی دھونے ہوں گے اماں!"

"دھو بھی دوں تو کیا ہے، ان کے احسان کم ہیں ہم پہ۔" وہ مصروف سی ایک ایک کر کے نگٹس کڑاہی میں ڈال رہی تھیں۔

محمل نے ایک گہری سانس لی اور آستینیں موڑ کر

سنک کی طرف متوجہ ہوئی۔ اسے علم تھا کہ اگر وہ نہ کرے گی تو مسرت کو ہی کرنا ہوگا اور ابھی تو انھوں نے رات کا کھانا بھی تیار کرنا تھا۔

"رہنے دو بیٹا! میں کر لوں گی۔"

"مجھے پتا ہے آپ کر لیں گی مگر میں بھی ان لوگوں پہ ذرا احسان کرنا چاہتی ہوں۔" وہ برتن دھو کر فارغ ہوئی تو مسرت ٹرالی بھر چکی تھیں۔

"محمل یہ باہر لے جاؤ، سب لان میں ہوں گے۔"

وہ بنا احتجاج ٹرالی کھینچنے لگی۔ لان میں روز شام کی طرح کرسیاں لگی تھیں۔

آغا کریم اخبار کھولے دیکھ رہے تھے، ساتھ ہی مہتاب تائی اور ناعمہ چچی باتیں کر رہی تھیں۔ ناعمہ چچی سب سے چھوٹے چچا اسد کی بیوی تھیں، جو قریب ہی بیٹھے غفران چچا سے کچھ کہہ رہے تھے۔ غفران چچا اور محمل کے ابا، آغا ابراہیم جڑواں تھے۔ آغا کریم ان سے بڑے اور اسد چچا چاروں بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔

غفران چچا کی بیگم فضہ چچی برآمدے میں کھڑی اپنی بچی کو آواز دے رہی تھیں۔ اسے ٹرالی لے کر آتا دیکھ کر مسکرائیں۔

"ارے محمل جان! تم اکیلی لگی رہیں، ندا یا سامیہ کو کہہ دیا ہوتا، تمہاری ہیلپ کروا دیتیں۔"

فضہ چچی، ناعمہ اور مہتاب کی طرح زبان کی کڑوی نہ تھیں، بلکہ اتنی میٹھی تھیں کہ جب یہ مٹھاس اپنے لبوں سے دوسرے کے حلق میں انڈیلتیں تو وہاں کانٹے اگ آتے تھے۔

"اٹس اوکے۔" وہ بھی بس مسکرا کر ٹرالی آگے لے گئی۔ اب کیا کہتی کہ ندا اور سامیہ نے پہلے کون سے کام کیے تھے جو اب کرتیں۔ اگر وہ انھیں بلاتی تو وہ فوراً چلی آتیں، ایک دو چیزیں پکڑاتیں، [illegible] باتیں بگھارتیں اور پھر آہستہ سے کھسک جاتیں۔ اس کے بعد لان میں فضہ چچی سب کو [illegible] چکھیں، میری سامیہ نے بنائی ہیں [illegible] میری ندا کے ہاتھ میں تو بس ذائقہ ہے [illegible] کرتیں۔

اس پہ مہتاب تائی ان کی تعریف تو نہ کرتیں، مگر مسرت اور محمل کو کاٹ کے وہ طعنے ملتے کہ اس سارے قصے سے بچنے کو محمل نے کبھی ان دونوں کو بلانے کی غلطی نہ کی تھی۔ مگر فضہ چچی کی یہ میٹھی زبان ہی تھی کہ نہ وہ کبھی ان کو پلٹ کر جواب دے سکی، نہ ہی کچھ جتا سکی تھی۔ وہ موقع ہی نہ دیتی تھیں۔

"لاؤ، لاؤ، جلدی کرو، دونوں ماں بیٹی لگتی ہیں پھر بھی گھنٹہ لگ جاتا ہے۔"

"تائی! آپ کوئی ملازمہ کیوں نہیں رکھ لیتیں۔ کم از کم آپ کو ہم ماں بیٹی پہ چلانا تو نہیں پڑے گا۔" وہ تیزی سے کہہ کر ٹرالی وہیں چھوڑ کے واپس چلی گئی۔ سب باتیں چھوڑ کر ادھر دیکھنے لگے تھے۔

"احسان کرنے کا تو زمانہ ہی نہیں رہا۔" تائی نے ٹرالی اپنی طرف کھینچی۔ آغا کریم نگاہیں چرا کر پھر سے اخبار میں گم ہو چکے تھے۔

وہ واپس کچن کی طرف آئی تو فواد تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا نیچے آ رہا تھا۔

"چائے لگ گئی؟" آخری سیڑھی اترتے مصروف سے انداز میں کہتے وہ کلائی پہ گھڑی باندھ رہا تھا۔

"اسنیکس لے گئی ہوں، چائے لائی ہوں [illegible]" زیادہ غور سے سنے بغیر باہر نکل گیا۔ محمل نے [illegible] لمحہ بھر کو اسے جاتے دیکھا۔

وہ مہتاب تائی کا بڑا بیٹا تھا۔ [illegible] کے بعد تھے اور سدرہ اور مہرین [illegible] تھیں۔ فواد آغا جان کے آفس [illegible] خوش شکل تو تھا ہی مگر ڈریسنگ اور [illegible] لک سے مزید پرکشش اور [illegible] خاندان کا سب سے پاپولر لڑکا جس پہ [illegible] لڑکی کی ماں کی نظر تھی۔ ندا اور سامیہ [illegible] چچی کی مغرور بگڑی آرزو، سب فواد کے آگے پیچھے پھرتیں۔ رضیہ پھپھو تو اپنی اکلوتی فائقہ کے لیے بھی فواد کو ڈورے ڈال رہی ہیں تو کبھی فائقہ انڈوں کا حلوہ بنا کر اس کے لیے لا رہی ہے۔ فواد میٹھا شوق سے کھاتا تھا سو یہ لڑکیاں یاروں کے بنائے کو اپنا کہہ کر بہت شوق سے پیش کرتی تھیں۔ مگر وہ بھی سدا کا بے نیاز

تھا۔ اپنی اہمیت کا احساس تھا کہ بے نیازی اور اتراہٹ کم نہ ہوتی تھی۔ اور وہی تو تھا جس پہ مہتاب تائی گردن اونچی کر کے پھرتی تھیں، ورنہ حسان تو بمشکل ایف اے کر کے وہیں ایسا گیا کہ نہ تو پھر خطیر رقم لگا سکا نہ ہی پھوٹی کوڑی گھر لا سکا۔ تعلیمی ریکارڈ اس کا اتنا برا تھا کہ تائی کڑھتی رہتی تھیں۔ مگر وسیم تھا جس نے تائی اور آغا کریم کا ہر جگہ سر شرم سے جھکایا تھا۔

نالائق، نکما، ایف اے میں دوبار فیل [illegible] چھوڑ کر آوارہ گردی میں مشغول [illegible] اور کہنے والے تو بے لفظوں [illegible] گلیوں کا بھی پرانا شناسا ہے [illegible] اور راتیں جاتی ہیں۔

وہ سر جھٹک [illegible] تائی تو مسرت جلدی جلدی کپڑے سے [illegible] صاف کر رہی تھیں۔ ان کی پیالی میں [illegible] پڑی تھی۔ ان سے کچھ کہنا [illegible] اٹھالی۔

[illegible] فضہ چچی کے ساتھ والی کرسی پہ فواد بیٹھا تھا۔ وہ اسے مسکرا کر بہت توجہ سے کچھ بتا رہی تھیں اور وہ لاپروائی سے سن رہا تھا۔

محمل اس کے کپ میں چائے انڈیل ہی رہی تھی کہ وہ کہہ اٹھا۔

"میرے کپ میں چینی مت ڈالنا۔"

"نہیں ڈالی۔" وہ پنجوں کے بل گھاس پہ بیٹھی سب کو چائے اٹھا کر دے رہی تھی۔

"ارے بیٹا! چینی کیوں نہیں پی رہے؟" فضہ چچی بہت زیادہ فکرمند ہوئیں۔

"یونہی کچھ ویٹ لوز کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"اتنے تو اسمارٹ ہو اور کیا لوز کرو گے؟" آرزو اسی پل سامنے والی کرسی پہ آ بیٹھی تھی۔ "اور میری چائے میں آدھا چمچ چینی، محمل!"

وہ فواد کے بالکل سامنے ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کر بیٹھی تھی۔ چست سا سفید ٹراؤزر اور اوپر قدرے کھلے گلے والی ریڈ شارٹ شرٹ، کندھوں تک اسٹیپ میں کٹے بال، اور گندمی عام سا چہرہ، جس کو بہت محنت سے اس نے قدرے [illegible] بنایا تھا مگر پتلی کمان سی آئی برو اس کو [illegible] دکھاتی تھیں۔

"[illegible] تو رکھنا پڑتا ہے خود کو۔ محمل! یہ کباب پکڑانا۔" فواد نے ہاتھ بڑھا کر کہا تو محمل نے فوراً کباب کی پلیٹ اٹھا کر دینی چاہی اور دیتے دیتے اس کی انگلیاں فواد کے ہاتھوں سے مس ہو گئیں۔ وہ چونکا تو گھبرا کر محمل نے پلیٹ چھوڑ دی۔ وہ گر جاتی اگر وہ تھام نہ لیتا۔ محمل نے فوراً ہاتھ کھینچ لیا۔ وہ پلیٹ پکڑے یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ چونک کر، سب کچھ بھول کر، جیسے اسے پہلی دفعہ دیکھا ہو۔ بس لمحے بھر کا عمل تھا۔ اس نے رخ پھیر لیا تو وہ بھی دوسری جانب متوجہ ہو گیا۔

فضہ چچی اور آرزو کسی اور طرف متوجہ تھیں۔ کسی نے بھی وہ لمحہ محسوس نہ کیا تھا جو آ کر گزر بھی چکا تھا اور فواد وقفے وقفے سے اس پہ ایک نگاہ ڈالتا تھا، جو پنجوں کے بل گھاس پہ بیٹھی سب کو چائے سرو کر رہی تھی۔ ذرا سا سر جھکاتی تو بھوری پونی ٹیل اور اونچی لگتی۔ سر اٹھاتی تو پونی ساتھ ہی جھولتی اور وہ کانچ سی سنہری آنکھیں، ان ساری لڑکیوں کے پاس اس جیسا کچھ بھی تو نہ تھا۔

وہ چائے کے سپ لیتا خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

☼ ☼ ☼

شام میں وہ کمرے میں بند پڑھتی رہی، پھر مغرب ڈھل گئی تو کچن میں آ گئی جہاں مسرت پھرتی سے کٹنگ بورڈ پہ پیاز ٹماٹر کاٹتی رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ کچن میں اور کوئی نہ تھا اور سارا پھیلاوا یقیناً انھی کو سمیٹنا تھا۔

"اماں! یہ تائی اماں یا چاچیوں میں سے کوئی کھانے کی ذمہ داری کیوں نہیں لیتا؟ ہمیشہ آپ ہی کیوں بناتی ہیں؟" وہ سب دیکھ کر جل گئی تھی۔

"تو ہمارا گھر ہے بیٹا! میں یہ کر دوں گی تو کیا ہو جائے

ہوگا؟"

"آپ تھکتی نہیں ہیں ان کی خدمت کرتے کرتے؟"

"نہیں، تھکن کیسی؟" وہ اب جھک کر چولہا جلا رہی تھیں۔

"اچھا بتائیں کیا بنانا ہے؟ میں کچھ کرا دوں۔"

"بریانی تو بنانی ہی ہے، باقی مہتاب بھابھی سے پوچھتی ہوں۔" اور اسی پل مہتاب تائی نے کچن کے دروازے سے جھانکا۔

"کھانا بنانا اب شروع بھی کر دو مسرت! روز دیر ہو جاتی ہے۔"

مسرت چولہا جلاتے فوراً پلٹی۔ "جی بھابھی! بس شروع کر رہی ہوں، آپ بتائیں بریانی کا تو سیم بیٹا کہہ گیا تھا، ساتھ کیا بناؤں؟" وہ دوپٹے سے ہاتھ پونچھتے ان کے سامنے جا کر پوچھنے لگیں۔

"ساتھ ہی مٹر قیمہ بنا دو، کباب بھی تل لینا، اور دوپہر والا اروی گوشت بھی گرم کر لینا، آلو کا ایک سالن بھی بنا لو، سلاد رائتہ بھی نہ بھولنا۔"

"جی اور میٹھے میں؟"

"دیکھ لو۔" وہ بے نیازی و نخوت سے گویا ہوئیں۔ "پڈنگ بنا لو یا ڈبل روٹی کی کھیر۔" اور ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈال کر پلٹ گئیں۔

"ایک ٹائم پہ دیگچے بھر بھر کے آپ تین تین، چار چار ڈشز بناتی ہیں، مگر رات کے لیے کچھ بچتا ہی نہیں ہے۔" وہ کلستی بھی تھی اور حیران بھی ہوتی۔

"تم خود ہی تو کہتی ہو کہ وہ ہمارا مال حرام طریقے سے کھاتے ہیں، پھر حرام میں کہاں برکت ہوتی ہے بیٹا؟" ان کے لہجے میں برسوں کی تھکن تھی اور کہہ کر وہ پھر سے کٹنگ بورڈ پہ جھک گئیں۔

وہ بالکل چپ سی ہو گئی۔ واقعی کیوں یہاں دیگچے کے دیگچے ایک وقت کے کھانے پہ ختم ہو جاتے تھے، اس نے تو کبھی اس پہلو پہ سوچا ہی نہ تھا اور [illegible] ان کے ہر ظلم و زیادتی سے آگاہ تھیں [illegible] سے جاتی تھیں۔

"ہمارا مال!" دل میں ایک کانٹا سا چبھا۔ گیارہ برس قبل ابا کی ڈیتھ سے پہلے فیکٹریاں، یہ جائیداد، بینک بیلنس، یہ امپورٹ ایکسپورٹ کی پوری بزنس ایمپائر سب ابا کا تھا اور یہ آغا کریم، یہ راجہ بازار میں کپڑے کی ایک دکان چلاتے تھے۔ عمران چچا ایک معمولی سی کمپنی میں انجینئر بھرتی تھے اور آرزو کے والد اسد چچا وہ تو سیم کی طرح تھے، بے روزگار تھے، نکھٹو اور نالائق۔ پھر کیسے ابا کے چہلم کے بعد وہ اپنے اپنے کرائے کے گھر خالی کر کے باری باری ادھر آن بسے۔

آغا ابراہیم کا گھر "آغا ہاؤس" تین منزلہ عالی شان محل نما کوٹھی تھی۔ نچلی منزل پہ آغا جان کی فیملی نے بسیرا جمالیا، بالائی پہ فضہ چاچی نے اور سب سے اوپری منزل پہ اسد چچا کی فیملی کا قبضہ تھا۔ وہ چند دن کے لیے آئے تھے، مگر پھر وہ چند دن کبھی ختم نہ ہوئے۔ بات بے بات جگہ کی کمی کا رونا رویا جاتا، یہاں تک کہ ماسٹر بیڈ روم سے مسرت اور تحمل کو نکال کر اسٹور میں شفٹ کر دیا گیا۔ وہ اس وقت چھوٹی تھی، شاید نو دس برس کی، مگر جیسے جیسے شعور کی منزلیں پار کیں، تو اندر ہی اندر لاوا پکتا رہا۔ اب تو عرصہ ہوا اس نے دبنا چھوڑ دیا تھا۔ گھر کے مردوں کے سامنے تو خیر وہ زبان [illegible] رکھتی مگر تائی، چچیوں سے برابر کا مقابلہ کرتی [illegible] تو کسی کھاتے میں نہ تھیں۔ لیکن [illegible] باعث اس [illegible] سختیاں بڑھتی گئیں [illegible] جواب دے [illegible] بھی استعمال کرتے [illegible] اپنے ذاتی جیب خرچ [illegible] کے والد کی اکیڈمی [illegible] اس کو گھر واپسی میں دیر ہو جاتی [illegible] بالقصد اس کے لیے دوپہر کا کھانا [illegible]۔ ایک دفعہ اماں ایک روٹی اور سالن کی پلیٹ چھپا کر کمرے میں لے گئیں، مگر تائی مہتاب کی نگاہ پڑ گئی اور گھر میں بھونچال ہی آ گیا۔ وہ وہ باتیں سنائیں، مسرت کو ایسے ایسے "چوری" کے الزامات و القابات سے نوازا کہ مسرت پھر کبھی اس کے لیے کچھ نہ بچا سکیں۔ شاید تائی یہ سب اس لیے کرتی تھیں تاکہ وہ ٹیوشن چھوڑ دے اور جو چند روپے اس ٹیوشن سے ملتے ہیں وہ [illegible] ملا کرے۔

اور ٹیوشن کی اجازت بھی تو کتنی منتوں سے لی تھی۔ جب سب کے سامنے ہی اس نے پوچھ لیا تو شروع میں تو سب ہی اکھڑ گئے لیکن اس کا فقرہ کہ "ٹھیک ہے، آج تم تاریخ ہے لا کے آغا جان! [illegible] پاکٹ منی نکالیے [illegible] باجی کو ملتی ہے [illegible] اگر مجھے [illegible] سدرہ اور مہرین کے برابر [illegible] مل گئی تو [illegible] بھی دفعہ [illegible] مزید [illegible] اجازت مل ہی گئی تھی اور [illegible] وہ لوگ ان کا کھاتے [illegible] بغیر نہ رہ سکی کہ جیسے ایسا غرور [illegible] آغا جان اس بیس سالہ لڑکی سے خائف [illegible] اپنا حصہ مانگنے کھڑی ہو جائے تو [illegible] اتنا کمزور ہے کہ وہ عدالت کا فیصلہ اپنے [illegible] نہ کرا سکیں گے اور انہیں ہر چیز تحمل کے حوالے کرنی پڑے گی؟ اور کیا وہ بیس سالہ لڑکی اتنی باہمت ہے کہ وہ ان سب کو ان شطرنج کے اتنے ماہر اور چالباز کھلاڑیوں کو اپنی انگلیوں پہ نچا سکے؟

جواب ایک زوردار نہیں تھا۔ وہ کبھی بھی ان کے خلاف اٹھ کھڑی نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن... اگر کبھی اس کے ہاتھ ان کی کوئی کمزوری لگ جائے، کوئی دکھتی رگ جسے دبا کر وہ اپنے سارے حساب چکا سکے تو کتنا مزا آئے... مگر ایسی کیا دکھتی رگ ہو سکتی تھی ان کی؟

"بات سنو؟" مہتاب تائی نے پھر سے کچن میں جھانکا تو وہ اپنے خیالات کی بھٹکتی رو سے چونکی۔

"فواد کہہ رہا ہے میٹھے میں چاکلیٹ سوفلے ہونا چاہیے، یوں کرو ابھی ساتھ ساتھ شروع کر دو اور ہاں کوئی کمی نہیں ہونی چاہیے۔ بہت عرصے بعد میرے بیٹے نے کسی خاص میٹھے کی فرمائش کی ہے۔" بہت مان، فخر اور تنبیہ بھرے انداز میں کہہ کر وہ پلٹ گئیں اور تحمل کے ذہن کی بھٹکتی رو اسی ایک نکتے پہ منجمد ہو گئی۔

"میرا بیٹا... میرا بیٹا!"

[illegible] اور مہتاب تائی کی کمزوری، دکھتی رگ اور [illegible] سب کچھ فواد ہی تھا۔

[illegible] اگر جو یہ دکھتی رگ اس کی انگلی تلے آ جائے... تو؟

"تحمل! یہ آلو کاٹ دو۔ میرا خیال ہے آلو انڈے بھی بنا لیتے ہیں، سب شوق سے کھاتے ہیں۔"

"ہوں۔" وہ سوچ میں گم ان کے قریب آئی اور آلو چھیلنے لگی۔

مسرت نے بریانی کا مسالا بنایا، قیمہ مٹر بھی پکنے کے قریب تھا۔ تحمل نے شامی کباب تلے، پھر آلو انڈے کا سالن، سلاد رائتہ، سب بن چکی تو مسرت روٹی پکانے لگیں۔

"فواد کے لیے سوفلے بنا کر فریج میں رکھ دیا تھا نا؟"

"جی اماں! آپ فکر ہی نہ کریں۔" وہ مسکرا کر بولی۔ اسے شام لان میں فواد کا خود کو چونک کر دیکھنا اور لمحے بھر کو مبہوت ہونا یاد آیا تھا۔ جو غلطی خاندان کی ساری لڑکیاں کرتی تھیں وہ تحمل کو نہیں دہرانی تھی۔ اسے اپنی اہمیت نہیں گنوانی تھی، اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

ذرا دیر کو وہ ہاتھ روک کر مسرت سے نظر بچا کر باہر لاؤنج میں گئی، جہاں تمام لڑکیاں اس وقت بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔

آرزو اسی چست لباس میں ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی تھی۔ فواد کی بہنیں سدرہ اور مہرین بھی قریب ہی تھیں۔ سدرہ چوبیس برس کی بہت عام شکل کی لڑکی تھی، اسی کمی کو پورا کرنے کے لیے خوب سارا میک اپ اور جیولری گھر میں بھی زیب تن کیے رہتی۔ سیاہ بالوں میں گولڈن اسٹریکنگ بھی کرا رکھی تھی پھر بھی زیادہ فرق نہ پڑا تھا۔

تیئس سالہ مہرین کا البتہ قد چھوٹا تھا، ناک چھوٹی اور بال بے حد گھنگھریالے۔ وہ سارا سارا دن اپنے بال سیدھے کرنے یا قد لمبا کرنے کے ٹوٹکے آزماتی رہتی۔ نقش اس کے سدرہ کی نسبت بہتر تھے۔

فضہ چچی کی ندا اور سامیہ میں سے ندا بڑی تھی اور

سامنے چھوٹی مگر سامیہ اپنے بے حد لمبے قد کے باعث بڑی لگتی تھی۔ مہرین اس سے اسی باعث خار کھاتی اور سامیہ بھی ماں کی طرح میٹھی میٹھی باتوں میں سارا دن مہرین کو مزید احساس دلاتی رہتی۔ ندا شکل کی ذرا اچھی تھی، سانولی رنگت پر بڑی بڑی آنکھیں اسے قدرے ممتاز بناتی تھیں اور شاید آرزو اس کو ناپسند کرتی تھی۔ شاید وہ جانتی تھی کہ فواد کے لیے اس کے مقابلہ پہ سامیہ کمزور جبکہ ندا ایک مضبوط امیدوار تھی۔

فواد کی بہنیں سدرہ اور مہرین تو بی اے کر کے ہی پڑھائی چھوڑ چکی تھیں جبکہ بائیس سالہ سامیہ، بیس سالہ ندا بی اے کرنے کالج اور تیئس سالہ آرزو ماسٹرز کے لیے یونیورسٹی جاتی تھیں۔ آرزو مر مر کر پاس ہونے والوں میں سے تھی اور اس کے یونیورسٹی پہنچ جانے کی بڑی وجہ آغا جان کی سفارش تھی۔ یہ سفارشیں سدرہ اور مہرین کے وقت بھی کام آجاتیں اگر جو انہیں پڑھنے کا ذرا بھر بھی شوق ہوتا۔

"بات سنیں۔" اس نے بظاہر عجلت میں سب کو مخاطب کیا۔ "رات کھانے کے لیے سوفلے بنانا ہے، آپ لوگوں میں سے کوئی ہیلپ کرائے گا؟"

"نہیں۔" آرزو نے ریموٹ سے چینل بدلتے اسے دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔

ندا اپنے ناخنوں پر سے کیوٹکس کھرچ رہی تھی، لمبی سی سامیہ فوراً فون کی طرف متوجہ ہو گئی۔ مہرین نے چہرے کے آگے رسالہ کر لیا اور سدرہ بہت انہماک سے اسی وقت ٹی وی دیکھنے لگی۔

"چلیں فائن۔" وہ واپس کچن میں آ گئی۔

ڈائننگ ہال میں روز کی طرح کھانا کھایا گیا۔

محمل ہمیشہ کی طرح سب سے آخری کرسی پہ موجود تھی جو آغا جان کی سربراہی کرسی کی بالکل سیدھ میں تھی۔ مسرت ادھر ادھر چیزیں پکڑاتی پھر رہی تھیں۔

"میٹھا لے آؤ۔" کھانا ختم ہوا تو مہتاب تائی نے محمل کو اشارہ کر کے کہا۔ مسرت ابھی جھوٹے برتن اٹھا کر کچن کی طرف گئی تھیں۔

"میٹھا تو آج نہیں بنا۔" وہ بے حد اطمینان سے با آواز بلند بولی تو سب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"مگر..." فواد نے الجھ کر اماں کو دیکھا۔ "میں نے کہا تھا کہ چاکلیٹ سوفلے بنانا ہے۔"

"جی مگر آپ کا چاکلیٹ سوفلے نہیں بنا۔"

"محمل یہ کیا بدتمیزی ہے؟" تائی اماں نے گھرکا۔

"بدتمیزی؟ فواد بھائی، آپ یہ کھانے کی ڈشز دیکھیں۔ بریانی، مٹر قیمہ، اروی گوشت، آلو کباب، سلاد، رائتہ، ذرا گن کر دیکھیں، یہ سب اماں نے اکیلے بنایا ہے۔ میرے ایگزامز ہو رہے ہیں، میرے پاس وقت نہیں تھا کہ بناتی اور آپ کی ان بہنوں سے کہا بھی کہ فواد بھائی کے لیے سوفلے بنانا ہے، ہیلپ کروا دو، مگر سب نے انکار کر دیا۔ اب اتنا سب کرنا اور اوپر سے میٹھا بنانا ہمارے بس سے باہر تھا، سوری میں کل بنا دوں گی یا اگر میری ماں کی تھکن سے بڑھ کر آپ کو اپنا ٹیسٹ عزیز ہے تو میں انہیں کہہ دیتی ہوں۔ اماں، اماں!" اس نے آواز لگائی اور جہاں لڑکیاں بے چینی سے پہلو بدل رہی تھیں اور مہتاب تائی کچھ سخت سنانے ہی لگی تھیں، وہ کہہ اٹھا۔

"نہیں، تمہیں اس لیے میں نے خیال نہیں کیا کہ تمہارے ایگزام ہیں اور می..." اس نے ماں کو [illegible] نگاہوں سے دیکھا۔ "کچن کا کام صرف محمل اور چچی کی ذمہ داری نہیں ہے، ان سارے نوابزادیوں کو بھی کہا کریں، ہاتھ ٹوٹ سکتی ہیں [illegible]"

"ہاں تو کرتی تو ہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔" [illegible] نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے [illegible]۔ جوان بیٹا جوان سے اونچا تھا، اس کی بات کے آگے انہیں اپنی بات کمزور لگ رہی تھی۔ مہتاب تائی پہلو بدل کر رہ گئیں۔ ناعمہ چچی کو جب کچھ برداشت نہیں اور تو اور فضہ چچی بھی خاموش سی ہو گئی تھیں۔ لڑکیاں الگ شرمندہ۔

وہ اطمینان سے فواد کے اٹھنے سے قبل ہی اٹھ گئی تھی۔ مسرت کو برتن اٹھاتے پہلے تو علم بھی نہ ہو سکا کہ کیا ہوا ہے اور جب ہوا تو معافی تلافی کرنے لگیں، اندر آ کر محمل کو بھی ڈانٹا مگر وہ پروا کیے بغیر کتابوں میں

سر دیے بیٹھی رہی۔ فواد کے اٹھنے کے بعد یقیناً تائی نے بہت سنائی تھیں مگر فواد کے الفاظ کا اثر زائل نہیں کر سکتی تھیں۔ اس کی گھر میں ایک مضبوط حیثیت تھی اور پہلی دفعہ کسی مضبوط حیثیت والے نے محمل اور مسرت کی طرف داری کی تھی۔ سو وہ سی خواتین رات کو کڑھتے ہوئے سوئی تھیں۔

✿ ✿ ✿

صبح کالج بس کے لیے وہ اسٹاپ [illegible] کی طرف آئی تو ذہن ابھی تک ادھر [illegible]۔ بنچ پہ بیٹھتے ہوئے اس نے سرسری [illegible] سیاہ فام لڑکی اسی طرح بیٹھی [illegible] کتاب کے کناروں پہ مضبوطی سے ہاتھ جمائے خاموشی سے سامنے دیکھ رہی تھی۔

محمل [illegible] بیٹھ ہی گئی اور بے دلی سے بس کا انتظار کرنے لگی۔ اس نے وہی کل والا اجرک کا کرتا [illegible] اوپر پہن رکھا تھا اور بال اونچی پونی میں بندھے تھے۔ سوچ وہیں فواد کے ارد گرد گھوم رہی تھی۔ صبح وہ جلدی نکلی تھی تب تک وہ نیچے نہیں آیا ہوا تھا۔ اس کا کمرہ دوسری منزل پہ تھا جو کبھی تو غفران چچا، فضہ چچی کی آماجگاہ تھا مگر وہ کنارے والا کمرہ فواد کا پسندیدہ تھا، سو وہ اس کو عرصہ پہلے الاٹ کر دیا گیا تھا۔ فضہ چچی کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا حسن ہی تھے، سو وہ کمرہ ان کی ضرورت سے زائد تھا۔ اور یہ تو محمل کا دل ہی جانتا تھا کہ وہ کمرہ آغا جان نے بنوایا ہی اس کے لیے تھا مگر...

سیاہ فام لڑکی اسی خاموشی سے سامنے دیکھ رہی تھی۔ وہ بور ہونے لگی تو ادھر ادھر گردن گھمائی۔ سیاہ کتاب دیکھ کر کل کا واقعہ یاد آیا۔

"یہ کتاب کب ملی تھی آپ کو؟" بغیر تمہید کے اچانک سوال۔ اس لڑکی نے اطمینان سے گردن اس کی طرف موڑی۔

"دو سال پہلے۔"

"یہ کس نے آپ کے لیے خصوصاً چھوڑی تھی؟"

"[illegible]۔" وہ ذرا سا مسکرائی، سیاہ آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔

"آپ کو اچھا لگتا ہے وہ؟" اس نے غور سے اس چمک کو دیکھا۔

"بہت زیادہ۔"

"آپ اسے کیسے جانتی تھیں؟ میرا مطلب ہے یہ تو صدیوں پرانی کتاب ہے۔"

"بس میں جانتی ہوں۔"

"اور یہ کتاب... یہ آپ کو آپ کا ماضی، حال اور مستقبل کیسے دکھاتی ہے؟"

"اس میں سب لکھا ہے، گزرے واقعات اور وہ جو میرے ساتھ پیش آنے والا ہے اور مجھے ایسے موقع پہ کیا کرنا ہے، سب لکھا ہے۔"

محمل کا دل زور سے دھڑکا۔ وہ سیاہ فام لڑکی اسے بہت عجیب بات بتا رہی تھی۔ جانے کیسی پر اسرار بھید بھری کتاب تھی وہ۔

"آپ کو اس سے کتنا فائدہ ہوتا ہے؟"

"جتنا تمہاری سوچ سے بھی اوپر ہے۔"

"تو آپ کے تو بہت مزے ہوں گے۔ آپ اس کو پڑھ کر سب کچھ جان جاتی ہوں گی۔"

"ہاں، مگر اس میں کچھ عمل ہیں، پہلے وہ پرفارم کرنے ہوتے ہیں، پھر ہر چیز ویسے ہی ہوتی ہے جیسے اس میں لکھا آتا ہے۔"

"عمل؟ عملیات؟" وہ چونکی۔ اندر کہیں الارم سا بجا۔ یہ تو کوئی سفلی علم کی ماہر لگتی تھی۔ اسے ذرا احتراز برتنا چاہیے۔

"ہاں۔" سیاہ فام لڑکی مسکرائی۔ "جو وہ عملیات کر لے، وہ اس کتاب کے ذریعے دنیا پہ راج کرتا ہے، سب لوگ اس کی مٹھی میں آجاتے ہیں اور ہر شے اس کے لیے مسخر ہو جاتی ہے۔ صرف میں نہیں، اگر تم بھی اس کتاب کا خاص علم سیکھو تو تمہیں اس کے الفاظ میں اپنا ماضی، حال اور مستقبل نظر آنے لگے گا۔"

"اور... اور اس کے بعد؟" وہ سحر زدہ سی سوال پہ

سوال کیے جا رہی تھی۔

"اس کے بعد تم اس کتاب کو چھوڑ نہیں سکتیں، تمہیں اپنی زندگی اس سے باندھ کر ہی گزارنی ہوگی۔"

"اور اگر میں اسے چھوڑ دوں تو؟"

"تو تم تباہ ہو جاؤ گی، تمہاری ہر چیز، ہر محبت سب تباہ ہو جائے گا۔ اس کو لے کر تم چھوڑ نہیں سکتیں۔ یہ سب اتنا آسان نہیں ہے۔"

محمل گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میری بس۔۔۔"

اسی پل بس قریب آتی نظر آئی، وہ دوڑ کر بس کی طرف جانے لگی۔

"تم ایک دن ضرور آؤ گی میرے پاس۔" سیاہ فام لڑکی مسکرائی تھی۔ "تم ایک دن ضرور گڑگڑا کر یہ کتاب مانگنے آؤ گی۔ میں جانتی ہوں، تم لوگوں کی ستائی ہوئی ہو، تمہارا دل زخمی اور ہاتھ خالی ہیں اور جس دن یہ دل پوری طرح ٹوٹ جائے گا، میں تمہیں یہ کتاب دے دوں گی۔ جاؤ تمہاری بس آگئی ہے۔"

وہ خوف زدہ سی بس کی طرف لپکی تھی۔ آج راڈ پکڑ کر اندر چڑھتے اسے پیچھے دیکھنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ جانے کیا معمہ تھا۔

☆ ☆ ☆

شام کو اس نے بہت محنت سے چاکلیٹ سوفلے بنایا اور جب وہ خوب ٹھنڈا ہو گیا تو ٹرے میں سجا کر اوپر سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ ابھی دوسری سیڑھی پہ ہی تھی کہ آرزو نیچے آتی دکھائی دی۔

"یہ کس کے لیے ہے؟" وہ ماتھے پہ بل ڈالے لمحے بھر کو رکی۔ "فواد کے لیے ہے؟"

"جی! انہوں نے کل کہا تو تھا، میرے پاس ٹائم کہاں تھا، آج بھی کسی کو یاد نہ آیا تو بنا ہی دیا۔" اس نے بے نیازی سے شانے جھٹکے۔ وہ دوسری سیڑھی پہ ٹرے اٹھائے کھڑی منتظر تھی کہ آرزو نیچے اترے اور وہ اوپر جا سکے۔

"اور ڈنر کی تیاری کر لی تم نے؟" آرزو نے اتر کر اس کے بالکل سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"اماں بنا رہی ہیں۔"

"قورمہ بنا لیا ہے؟ میں نے کہا بھی تھا۔ تم نے چیک کیا؟"

"آپ سیدھے سیدھے کہہ دیں کہ میں چلی جاؤں اور آپ یہ ٹرے فواد بھائی کو دے کر اپنے نمبر بنا لیں تو لیں پکڑیں۔" اس نے ٹرے زور سے لے تھمائی۔ "مجھے اور بھی کام کرنے ہیں۔" اور کھٹ کھٹ سیڑھیاں اتر کر کچن کی طرف چلی گئی۔

"بدتمیز۔" وہ بڑبڑائی۔

مگر محمل کو معلوم تھا کہ اس کی بلند آواز فواد سن چکا ہوگا اور اب آرزو جو چاہے کر لے، وہ جانتا تھا کہ کام کس نے کیا تھا اور نمبر کون بنانا چاہ رہا تھا۔

اور پھر یہی ہوا۔

رات کھانے پہ جب مسرت نے چاکلیٹ سوفلے لا کر رکھا تو فواد نے سب سے پہلے ڈالا۔

"یہ تم نے بنایا ہے محمل؟"

"جی۔" وہ سادگی سے بولی۔

آرزو نے ناگواری سے پہلو بدلا۔

"بہت ٹیسٹی ہے، تم ہی روز میٹھا کیوں نہیں بناتیں؟"

"اتنی فارغ نہیں ہوں میں، سو کام ہوتے ہیں [illegible] ایگزام ہو رہے ہیں، میرے [illegible] ورنہ سب جانتے ہیں [illegible] نہیں ہوتی۔ اماں [illegible]" وہ مصروف سی اماں [illegible] لگی، جیسے اسے فواد [illegible] ہو گئی۔

[illegible] کھانے کے دوران بار بار نگاہ جھک [illegible] چہرے پہ جا ٹکتی تھی جو بہت [illegible] کھانا ہی کھا رہی تھی، سوفلے کو اس [illegible] بھی نہیں لگایا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ کچن میں کھڑی سنک کے سامنے دوپہر کے جھوٹے برتن دھو رہی تھی جب سامنے بڑی سی کھڑکی

کے پار آسمان پہ سرمئی بادل اکٹھے ہونے لگے۔ وہ ابھی تک [illegible] پہ مارتے ہوئے اس سیاہ فام لڑکی کے متعلق سوچے جا رہی تھی جس سے وہ گزشتہ کچھ دنوں سے احتراز برت رہی تھی۔ عین بس کے ٹائم پہ اسٹاپ پہ جاتی اور بنچ پہ بیٹھنے کی بجائے ذرا فاصلے پہ کھڑی ہو جاتی، نہ تو وہ لڑکی اس کو دیکھتی اور نہ ہی قریب جاتی، معلوم نہیں کیوں اسے اس [illegible] کی سیاہ جلد والی کتاب سے خوف محسوس ہونے لگا تھا۔

بادل ذرا گرجے تو وہ چونکی۔ [illegible] سرمئی شام ذرا سی دیر میں چھا گئی [illegible] اور ایک [illegible]

محمل [illegible] آخری برتن دھو کر ریک میں [illegible] اور باہر لان کی طرف بھاگی۔ بارش [illegible] کا دل یونہی مچل جایا کرتا تھا۔

"محمل! جاؤ مسرت سے کہو بیک۔۔۔" تائی مہتاب برآمدے میں کرسی پہ بیٹھی لڑکیوں سے گپ شپ میں مصروف تھیں، اسے آتے دیکھ کر حکم صادر کرتے کرتے رکیں۔ اس کے چہرے پہ بارش میں کھیلنے کا شوق رقم تھا۔ تائی نے لمحے بھر کو سوچا اور پھر حکم میں ترمیم کر دی۔ "بلکہ جاؤ، پکوڑے بنا کر لاؤ، ساتھ میں دھنیے کی چٹنی بھی ہو اور معاذ معیز کے لیے آلو کے چپس فرائی کر لو۔"

اس کے چہرے پہ پھیلا اشتیاق پھیکا پڑ گیا۔ اس نے قدرے بے بسی سے ان کو دیکھا۔

"مگر تائی! ابھی کیسے؟ وہ بارش۔۔۔ بعد میں کر دوں گی۔" وہ منمنائی۔

"ہاں تو بارش کے لیے ہی تو کہہ رہی ہوں۔ جاؤ شاباش، جلدی کرو اور ندا! یہ سوٹ پھر تمہیں کتنے کا پڑا تھا؟" وہ ندا کے دوپٹے کو انگلیوں میں مسل کر ستائشی انداز میں پوچھ رہی تھیں۔

"صرف ڈیڑھ ہزار کا تائی! میں کل ہی آپ کو بھی لے چلتی ہوں، وہاں بہت اچھے پرنٹس آئے ہوئے تھے، آپ کا کمپلیکشن تو ویسے بھی بہت فیئر ہے، آپ پہ تو ہر رنگ ہی کھل جاتا ہے۔"

وہ [illegible] مصروف ہو گئی تھیں۔ محمل پیر پٹختی اندر [illegible]

آلو چھیل کر کاٹے، بیسن گھول کر رکھا تو تب تائی [illegible] نے آواز لگائی۔ "کس کے پکوڑے بنا [illegible] فواد کو پیاز والے پکوڑے بہت پسند ہیں۔"

"بھاڑ میں گئی اس کی پسند۔" اس نے زور سے چھری سلیب پہ پٹخی۔ آلو قتلوں میں کاٹے تھے، اب پھر سے ان کو چھوٹا کرنا پڑے گا۔ مرچیں، پیاز بھی کاٹنے پڑیں گے۔

شدت بے بسی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ آج اماں بیمار تھیں، صبح سے بخار تھا، سو اگر وہ نہ کرتی تو مسرت کو بیماری میں اٹھ کر کرنا پڑتا۔ وہ یہ بھی نہیں کر سکتی تھی۔

پیاز کاٹتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو نکلے گالوں پہ پھسل رہے تھے، تب ہی فواد اماں کو پکارتا کچن کے کھلے دروازے پہ ٹھٹک کر رکا۔

کھلی جینز پہ لمبا کرتا اور گردن کے گرد مفلر کی طرح دوپٹہ لپیٹے، بھوری اونچی ٹیل باندھے وہ سر جھکائے کھڑی کٹنگ بورڈ پہ ٹھک ٹھک پیاز کاٹ رہی تھی۔ آنسو گالوں پہ چمک رہے تھے۔

"محمل!" وہ بے چین سا قریب چلا آیا۔ "کیا ہوا؟ تم رو کیوں رہی ہو؟"

"میری مرضی، آپ لوگوں کو کیا؟ آپ لوگوں کو تو اپنے کھانوں سے غرض ہوتی ہے۔" فواد کے دل میں جگہ بنانے کے سارے ارادے بھلا کر وہ تڑخ کر بولی۔

"پھر بھی، کسی نے کچھ کہا ہے؟"

"یہاں کہتا کوئی نہیں ہے، سب حکم صادر کرتے ہیں۔" اس نے چھری والے ہاتھ کی پشت سے گال صاف کیا۔ "اور مجھ سے ابھی کوئی بات نہ کریں، میں بہت غصے میں ہوں، یا تو چھری مار دوں گی یا پکوڑوں میں زہر ملا دوں گی۔"

"اچھا۔" وہ پتہ نہیں کیوں ہنس دیا تھا۔

وہ رک کر اسے دیکھنے لگی۔

"آپ کیوں ہنسے؟"

"کچھ نہیں' فیر بناؤ پکوڑے اور تکس والے بنانا۔" وہ اپنی پسند بتا کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

اس کے آنسو پھر سے بہنے لگے۔ جانے کس بھول میں وہ یہ سوچ بیٹھی تھی کہ اگر وہ اس کی مٹھی میں آ گیا تو... اس نے نفی میں سر جھٹکا۔ وہ سب ایک جیسے تھے' بے حس' خود غرض' مطلبی۔

اور جب تک پکوڑے بنے' بارش ہلکی ہو چکی تھی۔ وہ سب لڑکے لڑکیاں برآمدے میں بیٹھے دو منٹ میں ہی پکوڑے چٹ کر گئے تھے اور اب حسن سب کو لانگ ڈرائیو پہ لے جانے کا پلان بنا رہا تھا۔

"تم لوگ بھی کیا یاد کرو گے' کس سخی سے پالا پڑا تھا۔" وہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھا فرضی کالر جھاڑ کر کہہ رہا تھا۔

حسن فضہ چچی کا بیٹا اور ندا' سامیہ کا بھائی تھا۔ شکل میں ندا سے مشابہہ تھا' بڑی بڑی پرکشش آنکھیں اور سانولی رنگت۔ البتہ عادتوں میں وہ قدرے مختلف تھا۔ اس نے فضہ کی قینچی زبان تو مستعار لی تھی' مگر کڑوا دل نہیں لیا تھا۔ وہ گھر کا واحد فرد تھا جو دل کا بھی اچھا تھا' نرم گو' صاف دل اور ہینڈسم۔

ابھی بھی وہ آفس سے آیا تھا اور کوٹ کرسی کے پیچھے لٹکائے آستینیں فولڈ کیے بیٹھا وہ تھکن کے باوجود سب کو آؤٹنگ پہ لے کر جانے کی دعوت دے رہا تھا۔

"کون کون چلے گا؟" سامیہ بلند آواز میں پوچھنے لگی تو محمل بھی دل میں مچلتی خواہش کے باعث قریب آ گئی۔

"میں بھی چلوں گی۔"

سب نے ٹھٹک کر اسے دیکھا تھا۔

کندھے سے پرس لٹکائے' بالوں کو ایک اسٹائل سے بینڈ میں جکڑتی آرزو نے' جو اندر سے باہر آ رہی تھی' قدرے ناگواری سے اسے دیکھا۔ "ان کو بھی یہ شوق ستانے لگے ہیں؟" اور پھر سب ہی ساتھ ہنسنے لگے۔

"تمہاری جگہ نہیں بنتی۔"

"ہم پاپا کی ہائی ایس لے کر جا رہے ہیں' سب کی سیٹیں پوری ہیں۔"

"تم باہر جا کر کیا کرو گی؟" سدرہ تمسخرانہ ہنسی۔

مہتاب تائی کی تو تو کالی۔

"بیٹا جان! آپ کے تو ایگزام ہو رہے تھے۔" فضہ چچی بہت فکر مندی اور پیار سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ "خوب دل لگا کر پڑھو۔" "آپ نے بہت اچھے مارکس لیے ہیں' جاؤ شاباش' کورس کم از کم دو دفعہ ضرور ریوائز کرنا' ابھی شروع کرو گی تو رات تک پورا ہو گا۔"

تائی مہتاب نے فضہ چچی کی بات ختم ہونے کا انتظار کیا اور پھر تیزی سے بولیں۔

"ناں' تم نے باہر کیا کرنا ہے؟ رات کا کھانا کون بنائے گا؟ ماں الگ ڈرامے کر کے بستر پہ پڑی ہے' کوئی پوچھنے والا ہے ان کو۔ بس مفت کی روٹیاں توڑے جاتے ہیں۔"

فواد نے لمحے بھر کو کچھ کہنا چاہا' پھر خاموش رہا اور حسن جو خاموشی سے ساری کارروائی دیکھ رہا تھا' بالآخر کہہ اٹھا۔

"کوئی محمل سے بھی تو پوچھے کہ وہ کیا چاہتی ہے؟"

"ہاں اب ہم اس سے پوچھتے رہیں؟" تائی [illegible] بولیں۔ حسن لمحے بھر کو بالکل چپ ہو گیا۔ مگر فضہ [illegible] بچے کے جھاڑ کے جانے پہ واضح برا مانا [illegible]

"جاؤ تم اندر جاؤ۔" [illegible] تائی مہتاب سے مقابلہ کرنا ان کے بس سے باہر تھا۔

وہ پیر پٹختی ہوئی [illegible] اور سنک پہ سر جھکائے پھر [illegible] رونے لگی۔

کافی دیر بعد روتے روتے سر اٹھایا تو کھڑکی کے پار ڈرائیو وے پہ باہر نکلتی ہائی ایس دکھائی دی۔

اس میں ایک دو لوگوں کی جگہ تو واضح طور پہ بن جاتی تھی۔

بے اختیار اس کا دل چاہا تھا کہ وہ رات کے کھانے میں زہر ملا دے اور کاش کہ وہ ایسا کر سکتی۔

✿ ✿ ✿

ساری رات وہ وقفے وقفے سے آنسو بہاتی رہی

تھی۔ ٹھیک سے سو بھی نہ سکی۔ صبح اٹھی تو سر بھاری بھاری سا ہو رہا تھا۔ بمشکل ہی ایک دو گھونٹوں اور چائے کی آدھی پیالی حلق سے اتاری اور باہر نکل گئی۔

اسٹاپ پہ معمول کی ٹھنڈی صبح اتری تھی۔ سڑک پہ وہ سیاہ فام لڑکی ویسے ہی خاموشی سے سیدھی بیٹھی رہی تھی۔ گود میں سیاہ جلد والی کتاب رکھی تھی اور اس کے سیاہ ہاتھ کے کناروں [illegible] مضبوطی سے [illegible]

آج وہ قدرے تھکی تھکی اور [illegible] پہ بیٹھ ہی گئی۔ دس منٹ ہی کاٹنے تھے [illegible] برتنا۔ سیاہ فام لڑکی نے ذرا [illegible] اس کی جانب موڑا۔

"رات کو [illegible] سوئی نہیں؟"

"بس ایسے ہی۔" وہ دوسری جانب دیکھنے لگی۔ [illegible] تھی' دوسری طرف اکا دکا لوگ بس [illegible] کے منتظر [illegible] ٹہل رہے تھے۔

"[illegible] کی ستائی ہوئی ہو؟"

اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

"آپ کیسے کہہ سکتی ہیں؟" محتاط انداز میں پوچھا۔

"تمہارے چہرے پہ لکھا ہے' تمہارا دل غمگین اور روح بوجھل ہے۔ تم تکلیف میں ہو اور لوگوں کی باتیں تم سے برداشت نہیں ہوتیں۔ ہے نا؟"

"معلوم نہیں۔" اس نے بظاہر لاپروائی سے شانے اچکائے' البتہ اندر دل زور سے دھڑکا تھا۔

"اور تم مستقبل کے بارے میں خوفزدہ اور ماضی کے بارے میں غمگین ہو شاید..."

"شاید۔" اب کے وہ واضح چونکی تھی۔ بے اختیار ہی لبوں سے پھسلا تھا۔

"تم اپنا مستقبل اور اپنی تمام پریشانیوں کا حل جاننا چاہتی ہو۔ کچھ ایسا ہو جس سے یہ تمہیں تنگ کرنے والے لوگ تمہارے آگے پیچھے پھرنے لگیں' تمہارا محبوب تمہارے قدموں میں آ گرے' مال و دولت تم پہ نچھاور ہو جائے' تم سب کو اپنی مٹھی میں کر کے دنیا پہ راج کرو' کیا تم یہی کچھ نہیں چاہتیں؟"

"ہاں۔" محمل نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ اس کا دل موم کی طرح پگھل رہا تھا۔ وہ سیاہ فام لڑکی اس کی ہر دکھتی رگ [illegible] اپنے ہاتھ میں لے رہی تھی۔ "میں بھی چاہتی ہوں [illegible]"

"[illegible] میں تمہیں کچھ ایسا دے دوں تو؟"

"کیا یہ... یہ کتاب؟" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔ اسے لگ رہا تھا وہ زیادہ دیر تک resist نہ کر پائے گی۔

"ہاں اگر تم یہ لو گی تو سب کچھ تمہاری مٹھی میں آ جائے گا' سب کچھ۔" محمل متذبذب سی لب کاٹنے لگی۔ اس لڑکی کی باتیں بہت پرفریب' بہت پرکشش تھیں' اسے لگا وہ جلد ہی پھسل پڑے گی۔ بہک جائے گی۔

"کیا یہ سب اتنا آسان ہے؟"

"شاید نہیں۔ تمہیں اس کتاب کے عمل کرنے میں بہت مشقت لگے گی' مگر ایک دفعہ سیکھ جاؤ گی تو سب آسان ہو جائے گا۔ زندگی سہل ہو جائے گی اور پھر جن کے لیے تم روتی ہو' وہ تمہارے لیے روئیں گے۔ وہ تمہارے پیچھے آئیں گے۔"

بس کا تیز ہارن اسے ماحول میں واپس لایا۔ وہ چونکی اور بیگ کا اسٹریپ کندھے پہ ڈالے اٹھ کھڑی ہوئی۔ دس منٹ ختم ہو چکے تھے۔

"میری بس۔"

"جاؤ۔" سیاہ فام لڑکی مسکرا دی۔

وہ تیز تیز قدموں سے چلتی بس کی جانب بڑھ گئی۔

دل ابھی تک زور زور سے دھک دھک کر رہا تھا۔

"محبوب قدموں میں' لوگ مٹھی میں' دولت نچھاور اور دنیا پہ راج۔"

"کیا یہ سب ممکن تھا؟" وہ اس کے کہے گئے الفاظ پہ سارا راستہ غور کرتی رہی تھی۔ لیکن پھر بار بار خود کو جھڑک دیتی۔

یہ کالے علم' سفلی علم' جادو ٹونے' چلے وغیرہ برے کام تھے' اسے ان میں نہیں پڑنا چاہیے۔ اسے ایسا سوچنا بھی نہیں چاہیے۔

کالج کے دروازے پہ اترتے ہوئے اس نے فیصلہ

کر لیا تھا کہ وہ آئندہ اس بدتمیز لڑکی کے قریب بھی نہیں جائے گی۔ بیچ میں بیٹھنے کی نہ ہی اس سے بات کرے گی۔ اسے ڈر تھا کہ اگر ایک دفعہ پھر اس نے اس کی آفر رد کی تو شاید وہ اسے قبول کر کے کسی ایسے گمنام راستے پہ نکل پڑے جہاں سے واپسی کا سفر ناممکن ہو۔

☼ ☼ ☼

اس روز سدرہ کے رشتے کے سلسلے میں کچھ لوگ آ رہے تھے۔ یہ خبر مسرت نے اسے تبھی دی جب وہ گھر بھر کی صفائیاں اور لڑکیوں کی پھرتیاں دیکھ کر حیران سی ماں کی طرف آئی تھی۔ ورنہ پہلے تو جب بھی سہ پہر میں لاؤنج کا دروازہ آہستہ سے کھول کر آئی تو گھر میں سناٹا اور ویرانی چھائی ہوتی تھی اور آج۔

لبنیٰ سی سامیہ بانس کے جھاڑو سے چھت کے جالے صاف کر رہی تھی۔ سدرہ ڈرائنگ روم کی ڈیکوریشن کو از سرنو ترتیب دے رہی تھی۔ ندا لان کے کنارے کی صفائی ستھرائی میں مشغول تھی تو مہرین مہتاب تائی سے سر ہلاتے کوئی ہدایت سن رہی تھی۔ ایک آرزو ہی تھی جو میرس پہ ٹانگ رکھے بیٹھی گھٹنوں پہ ڈاک میں لگائے کسی میگزین کے ورق الٹ رہی تھی۔ بے پروا، بے نیاز اور مغرور شکر کہ وہ خوب صورت نہ تھی ورنہ شاید وہ آسمان سے نیچے نہ اترتی۔

"رشتہ سدرہ کا ہے اور یہ خود غرض خاندان سارے کا سارا لگا ہوا ہے۔ مطلب؟"

"او نہ آہستہ بولو۔" مسرت نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا، پھر آہستہ سے بتانے لگیں۔ "دراصل بھابھی بیگم کا محض اندازہ ہے کہ رشتہ سدرہ کا ہی ہو گا۔ نعمان بھائی کی بیگم نے خصوصاً کسی کا نام نہیں لیا، سو فضہ کو شاید کچھ امید ہو۔"

"نعمان بھائی کی بیگم کون؟"

"تمہارے ابا کی دور کی رشتہ دار ہیں۔ ان کا بیٹا فرقان ایروناٹیکل انجینئر ہے۔ بہت اچھا کماتا ہے اور ایک بیٹی ہے شادی شدہ [illegible] میں رہتی ہے۔ بیگم نعمان نے کسی کے گھر پہ کہلوایا ہے۔"

"اور یہ ساری لڑکیاں اس امید پہ لگی ہوئی ہیں کہ شاید وہ ان کا رشتہ مانگ لیں۔ واٹ رَبش!" وہ تمسخرانہ ہنس کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

شام میں مسرت نے اسے کچن میں مدد کے لیے بلوا لیا تھا۔

"اچار گوشت، بریانی، سیخ کباب، فرائیڈ مچھلی اور کتنا کچھ کریں گی آپ؟" وہ برتنوں کے ڈھکنے اٹھا اٹھا کر جھانکتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"یہ سب تو تیار ہے، تم میٹھے میں دو چیزیں اور رشین سلاد بنا دو اور چائے کے ساتھ اسنیکس بھی۔"

"چائے بھی اور کھانا بھی؟" وہ کمر پہ ہاتھ رکھے حیرت سے بولی۔ "اتنا کچھ کس لیے؟ کیا اتنا رشتوں کا کال تھا سدرہ باجی کے لیے؟"

"او نہ آہستہ بولو۔"

"میں کسی سے ڈرتی تھوڑی ہوں؟ ابھی جا کر منہ پہ بھی کہہ سکتی ہوں۔"

"اور تمہارے اس کہنے پہ باتیں تو مجھے سننی پڑتی ہیں محمل!" وہ تھکن سے آزردہ سی بولیں تو وہ [illegible] سی ہو گئی۔ پھر دوپٹے کی گرہ کس کر کام [illegible] چائے کی ٹرالی اس نے بہت اہتمام اور [illegible] سجائی تھی۔ اس وقت بھی [illegible] ٹرالی کے چلتے ہی پلیٹیں [illegible] جب مہتاب تائی پیچھے [illegible] ہو گئیں۔ سدرہ ان کے پیچھے [illegible]

[illegible] نے بیٹھے بیٹھے گردن اٹھائی۔ مہتاب تائی قدرے عجلت میں نظر آ رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے، سدرہ! تم یہ لے جاؤ اور مٹھائی کدھر ہے؟ میرا خیال ہے چائے کے بعد ہی بات پکی کر دیتے ہیں، مٹھائی تب تک سیٹ کر لینا۔"

"وہ تو رشتہ مانگنے آئی ہیں تائی ابا! بات اتنی جلدی پکی کر دیں گی؟" وہ حیران سی ہاتھ جھاڑتی کھڑی ہوئی اور

تائی بھی کسی اور موڈ میں تھیں، سمجھانے لگیں۔

"ہاں تو اب مزید کیا انتظار۔ لڑکا اچھا اور خوش شکل ہے، پھر ہمارے پاس کوئی کمی تھوڑی ہے۔ منگنی آرام سے مہینے دو تک کریں گے اور شادی سال ڈیڑھ تک۔ ایسی دھوم دھام سے شادی کروں گی سدرہ کی کہ زمانہ دیکھے گا۔" ان کے انداز سے [illegible] آئی۔ ایک لمحے کو محمل کا دل چاہا [illegible] ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہیں وہ [illegible] کر کے چلی جائیں اور تائی صدمے سے [illegible] آخر خود خاصے لوگ کہے [illegible]؟ مگر شاید ادھر تو سارے پلان [illegible]

سدرہ [illegible] تک کرتی ٹرالی دھکیلتی لے گئی [illegible] کچن میں خاموشی سے کرسی پہ بیٹھ [illegible] مٹھائیوں کے پاس تھیں، جانے کیسے [illegible] کے گھر کا فرد ہونے کا خیال آیا تھا اور ان کو [illegible] لیا تھا۔

"شو... محمل شو!" ناعمہ چچی نے زور کی آواز لگائی تو وہ تیزی سے اٹھی۔

"شور کھانا بھول گئی تھی؟ اف۔" وہ شو کا ٹرے اٹھا کر بھاگی، بس لاؤنج میں لمحے بھر کو رک کر بوے آئینے میں خود کو دیکھا۔

اونچی پونی ٹیل، سیاہ جینز پہ لمبا سفید کرتا اور گردن کے گرد مخصوص انداز میں لپٹا ایک ٹائی اینڈ ڈائی دوپٹہ جسے وہ بہت سے جوتوں کے ساتھ چلا آئی تھی۔ یہ غالباً پچھلی سے پچھلی بقر عید پہ بنوایا گیا جوڑا تھا جو اب تک خاصا گھس چکا تھا۔

"خیر کون سا میرے رشتے کے لیے آئے ہیں۔" وہ شانے اچکا کر ڈرائنگ روم کی جانب بڑھ گئی۔

نفیس اور باوقار سی بیگم نعمان بڑے صوفے پہ تکلف سے بیٹھیں مسکراتے ہوئے تائی مہتاب کی بات سن رہی تھیں۔ اسے آتے دیکھ کر قدرے خوش دلی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"محمل بیٹا! آپ اب آئی ہو، کب سے پوچھ رہی تھی تمہاری تائی سے۔" وہ ایک دم گڑبڑا سی گئی تھیں لیکن سنبھل کر آگے بڑھ کر ملی۔ [illegible]

"السلام علیکم! اتنی دیر سے پوچھ رہی تھی تمہارا۔"

"وہ میں..."

"ہاں آئی تو بیٹا! تم اس اہتمام میں لگی ہوئی ہو گی۔ مجھے یاد ہے جب میں کریم بھائی کی عیادت کے لیے آئی تھی تو اس اکیلی بچی نے سارا کھانا بنایا تھا۔" وہ اسے اپنے ساتھ بٹھا کر پیار سے دیکھتے دو برس پرانی بات کر رہی تھیں۔

وہ گھبرا کر کبھی تائی کے تنے نقوش کو دیکھتی تو کبھی سدرہ کی حقیر ہوتی رنگت کو۔ وہ تو بس ٹشو دینے آئی تھی، پھر اتنا استقبال چہ معنی دارد۔

"آپ یہ ڈرم اسٹکس لیں نا بھابھی! یہ..." تائی نے ان کی توجہ ہٹانی چاہی۔

"ارے یہ تو میری فیورٹ ہے، محمل! تم نے بنائی ہیں نا! مجھے یاد ہے تم نے اس دفعہ بھی کھانے میں یہ بنائی تھیں اور قری (بیٹی) اسپیشلی تم سے ریسپی پوچھ کر گئی تھی۔"

اور اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے، بے بسی و بے چارگی سے وہ بمشکل مسکرا پا رہی تھی۔ ادھر تائی مہتاب اب پریشان ہو رہی تھیں۔ یہی تو ہمیشہ سے ہوتا چلا آ رہا تھا، سدرہ کے رشتے کے لیے آنے والی ہر مہمان کو وہ محمل اور مسرت کی بنائی گئی چیزیں "یہ میری سدرہ نے بنائی ہیں" کہہ کر پیش کرتی تھیں، مگر جانے کب وہ خاتون ان کے گھر کی ساری سن گن لے گئی تھیں۔

"بس بھابھی! بچیاں ماشاء اللہ سب ہی سگھڑ ہیں ہمارے گھر میں۔" فضہ چچی نے بظاہر مسکرا کر بات سنبھالی مگر قدرے بے چین وہ بھی تھیں۔ کہیں کچھ بہت غلط تھا۔

"جی مگر یہ سب تو سدرہ نے بنایا ہے۔ بے چاری صبح سے لگی ہوئی تھی۔" مسرت نے جلدی سے کہا۔

"جی جی۔" تائی مہتاب نے فوراً تائید کی۔

"ویری گڈ سدرہ۔" بیگم نعمان اب باکس پیٹیز لے رہی تھیں۔ "یہ باکس پیٹیز تو بہت اچھی بنائی ہے۔ سدرہ اس کی فلنگ میں کیا کیا ڈالا ہے؟"

اور سدرہ کے تو فرشتوں کو بھی علم نہ تھا کہ باکس پیٹیز میں ڈالا کیا گیا ہے۔ وہ ایک دم کنفیوز سی ماں کی شکل دیکھنے لگی۔

"دراصل میں کوکنگ کا بہت شوق رکھتی ہوں اور میرے بچوں کا ٹیسٹ بھی بہت اعلا ہے۔ نعمان صاحب خود منفرد اور اچھے کھانوں کے رسیا ہیں۔ اس لیے ہمیشہ کہتے ہیں کہ بہو ڈھونڈنا تو اس کے ہاتھ کا ذائقہ چکھ کر ہی رشتہ مانگنا۔ ویسے تو آپ کی ساری بچیاں ہی ماشاء اللہ بہت خوب صورت اور سلیقہ مند ہیں مگر محمل تو مجھے خاص طور پہ عزیز ہے۔ معیذ آپا نے ذکر تو کیا ہوگا کہ میں کسی خاص مقصد کے لیے آ رہی ہوں تو اب لمبی چوڑی کیا تمہید باندھوں مہتاب آپا، فرقان تو آپ کا دیکھا بھالا ہے، اللہ کا شکر ہے اس نے ہر طرح سے نوازا ہے ہمیں۔ بس محمل کے لیے میں آپ لوگوں کے پاس سوال کرنے آئی ہوں اگر ہو سکے تو اسے میری بیٹی بنا دیں۔"

اور مہتاب تائی سے مزید سننا دشوار ہو رہا تھا۔

"محمل! تم اندر جاؤ۔" انہوں نے خود کو بمشکل نارمل رکھتے ہوئے اشارہ کیا تو وہ جو حق دق بیٹھی سن رہی تھی تیزی سے باہر نکل گئی۔

پیچھے کیا باتیں ہوئیں، کس نے کیا کہا، کب ان خاتون کو کھانا کھلائے بغیر رخصت کر دیا گیا اور تائی کے بند کمرے میں سارے بڑوں کی کیا گفتگو ہوئی، وہ ہر شے سے دور اپنے کمرے میں کمبل لپیٹے پڑی رہی۔

اس کا دل کچھ بھی کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ عجیب سی کیفیت تھی، جیسے بند غار میں روشنی اور ہوا کا کوئی روزن کھل گیا ہو۔ بے کیف اور روکھی پھیکی زندگی میں ایک دم ہی بہت خوشگوار اور سرسبز سا موڑ آ گیا تھا۔ امیدیں پھر سے زندہ ہو گئی تھیں اور اسے لگ رہا تھا ایک نئی زندگی بانہیں پھیلائے اس کے استقبال میں کھڑی ہے۔

"وہ ایروناٹیکل انجینئر خوش شکل فرقان ماں باپ کا اکلوتا بیٹا اچھے کھانوں کا شوقین" اس کے لب آپ ہی آپ مسکرانے لگے تھے۔

✿ ✿ ✿

"انہوں نے سدرہ کی جگہ میرا رشتہ مانگا، یقین نہیں آتا، میں تو اتنی شاکڈ ہو گئی تھی، او گاڈ! اب تک اتنا اچھا پرپوزل ہے، وہ آنٹی اتنی لونگ اور سویٹ تھیں کہ میں تمہیں کیا بتاؤں اور پتہ ہے ان کا بیٹا ایروناٹیکل انجینئر ہے اور تم میری بات سن رہی ہو یا نہیں۔" اس نے فائل میں صفحے ترتیب سے لگاتی نادیہ کا کندھا ہلایا تو وہ

"ہاں ہاں بتاؤ نا، پھر کیا ہوا؟" کہہ کر پھر سے صفحوں کی ترتیب ٹھیک کرنے لگی۔

"ہونا کیا تھا تائی اماں کی تو شکل دیکھنے والی ہو گئی تھی۔"

"اچھا!" نادیہ لب انگلش کی کتاب کے ورق الٹاتی کچھ تلاش کر رہی تھی۔ وہ دونوں کالج کے برآمدے کی سیڑھیوں پہ بیٹھی تھیں۔ محمل اسے کل کی ساری روداد سنا رہی تھی۔

"تائی نے تو مجھے فوراً وہاں سے بھیج دیا [illegible] ہر چیز سدرہ کی بنائی کہہ کر پیش کر رہی [illegible] بھی بہت تیز تھیں، ایسے پرچے [illegible] تک یاد [illegible] تم میری بات [illegible] نادیہ!" اس نے خفا سی ہو کر منہ موڑ لیا۔

"نہیں [illegible] سن رہی ہوں نا!" نادیہ نے ہڑبڑا کر فائل ایک طرف [illegible] پر وہ منہ موڑے بیٹھی رہی۔

"[illegible] تو وہ صاحب میکینکل انجینئر ہیں۔"

"[illegible] دو گھنٹے سے بک بک کر کے تھک گئی ہوں کہ وہ ایروناٹیکل انجینئر ہے، تم اگر سن لیتیں تو یہ سوال نہ کرتیں۔ تم اپنی فائل جوڑو، میں جا رہی ہوں۔" وہ بیگ اٹھا کر کھڑی ہوئی تو نادیہ بھی ساتھ ہی اٹھی۔

"ارے ناراض تو نہ ہو۔"

"نہیں یار! میں بالکل ناراض نہیں ہوں، مجھے یاد آیا، مجھے ابھی میڈم مقبول سے ملنا تھا، ایک کام کے لیے۔ میں ذرا تھوڑی دیر تک آتی ہوں۔" محمل نے بظاہر مسکرا کر کہا اور مڑ کر چل دی۔ جب وہ تیز تیز سر جھکائے چلتی تھی تو اونچی پونی ٹیل ساتھ ہی ادھر ادھر جھولتی بہت اچھی لگتی تھی۔

چند قدم دور اس نے ذرا سا مڑ کر [illegible] آرام اور انہماک سے بیٹھی اپنی فائل [illegible] رہی تھی۔ وہ [illegible] سے واپس [illegible] کتنی جلدی نادیہ [illegible] اس کی [illegible] نے اس کی [illegible] کے آخری جملے [illegible] یقین کر لیا [illegible] ناراض نہیں ہے، حالانکہ [illegible] کالج میں نادیہ جن سے وہ بات کرتی تھی، مگر وہ تو بے تو جبھی سے کسی [illegible] کام میں مصروف "ہوں ہاں" کہہ دیا تو [illegible] سنا ہی نہیں۔

"اس دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے۔" وہ سامنے والے برآمدے کے ایک تنہا ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور اداسی سے سامنے لان کے سبزے کو دیکھا۔

سنہری اور چمکیلی صبح ہر سو بکھری تھی۔ گھاس پہ ٹولیوں کی صورت میں سفید یونیفارم میں ملبوس لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ کوئی کھانے پینے میں تو کوئی گپ شپ میں مصروف تھی، سب کی اپنی اپنی دنیا تھی اور وہ ان میں مگن تھیں۔

"کیا یہی زندگی ہوتی ہے یا کیا اس کی زندگی کی سی مشکل زندگی کسی اور کی نہ تھی؟" اس نے آزردگی سے سوچا تھا۔

"کیا مجھے کبھی وہ خوشیاں نہیں ملیں گی جو میں چاہتی ہوں؟ بڑا سا گھر، بے تحاشا دولت، طاقت، اثر و رسوخ، محبت کرنے والا لائف پارٹنر۔۔۔ کیا یہ سب میرے قدموں میں ایک ساتھ ڈھیر ہو سکتا ہے؟" اس نے ستون سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ بند پلکوں پہ سنہرے خواب اترنے لگے تھے۔

"وہ ایروناٹیکل انجینئر یا فواد، ان میں سے کسی کی بھی بیوی بن جاؤں تو سب کچھ میرا ہو سکتا ہے۔۔۔ سب کچھ میرے قدموں میں ڈھیر ہو سکتا ہے۔ بلند ہر چیز بلند [illegible]"

"جو وہ عملیات کر لیتا ہے، وہ دنیا پہ راج کرتا ہے۔"

"کچھ ایسا ہو کہ تمہیں تنگ کرنے والے لوگ تمہارے آگے پیچھے پھرنے لگیں، مال و دولت تم پہ نچھاور ہو، تمہارا محبوب تمہارے قدموں میں آ گرے۔"

"اور اگر میں ایسا کچھ تمہیں دے دوں تو۔۔۔؟" اس نے جھٹکے سے آنکھیں کھولیں۔ ایک دم سے ہی وہ ساری باتیں اور اس سیاہ فام لڑکی کی سیاہ چمکیلی آنکھیں اسے یاد آئی تھیں۔

"تم سب کو اپنی مٹھی میں کر کے دنیا پہ راج کرو، کیا تم بھی نہیں چاہتیں؟"

اس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ یوں لگتا تھا وہ لڑکی اپنی بھید بھری آواز میں اس کے پاس سے ہی بول رہی ہے۔

"پتہ نہیں، کیا کروں۔" اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ ایک لمحے کو اس نے وہ کتاب اس سے مانگنے کا سوچا مگر دوسرے ہی پل خوف کا غلبہ طاری ہو گیا۔

"نہیں نہیں۔۔۔ معلوم نہیں کون سا سفلی علم ہے اس کے پاس۔۔۔ میں ان کاموں میں نہیں پڑوں گی۔۔۔ آغا جان کو علم ہوا تو ٹانگیں توڑ دیں گے میری۔"

وہ خود کو سرزنش کرتی فائل اور بیگ سنبھالے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے اب اس سیاہ فام لڑکی سے کوئی بات نہیں کرنی تھی، بس اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

البتہ دل کے کسی چھپے خانے میں اس کتاب کو حاصل کرنے کی خواہش نے بھی بہت خاموشی سے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا۔

✿ ✿ ✿

ان دنوں مسرت بہت خوش رہنے لگی تھیں اور وہ ان کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی۔

"پتہ ہے محمل! بہت اچھے لوگ ہیں یہ۔ نعمان بھائی بہت بھلے مانس انسان ہیں، اور ان کا بیٹا تو بہت ہی خوبرو ہے۔ اللہ نے ہماری سن لی ہے۔ وہ ضرور ہم پہ رحم کرے گا۔"

وہ کبھی کبھی بیٹھ کر اس کو بتانے لگ جاتیں تو وہ خاموشی سے مسکراہٹ دبائے، سر جھکائے سنتی چلی جاتی۔ اب تو گھر کے کام بھی آرام سے کر دیتی۔ کچھ دن سے تائی کو جواب دینے بھی چھوڑ دیے تھے۔ پہلی دفعہ اس زندان سے نکلنے کی کوئی امید جو بندھی تھی۔

سدرہ البتہ اسے اٹھتے بیٹھتے بہت عجیب نظروں سے دیکھتی تھی۔ محمل پروا نہ کرتی مگر اس روز تو حد ہی ہو گئی۔ وہ شام کی چائے کی ٹرالی دھکیلتی باہر لان میں لائی تو سدرہ نے ایک دم اسے دیکھتے ہی منہ پھیر لیا۔

"شاید ابھی تک ناراض ہیں۔" اس نے سوچا اور پھر جیسے مداوا کرنے کے لیے سب سے پہلے سدرہ کا کپ بنایا۔

"سدرہ آپی! چائے۔" اور بہت شائستگی سے مسکرا کر کپ بڑھایا۔

"آپی؟ میں تمہاری آپی لگتی ہوں؟" سدرہ نے کپ لیتے لیتے زور سے پٹخ دیا۔ گرم ابلتی چائے محمل کے گھٹنے پہ گری، وہ بلبلا کر کھڑی ہوئی۔ کپ گھاس پہ جا گرا۔

"یوں لوگوں کے سامنے آپی کہہ کر تم یہ ظاہر کرتی ہو کہ میں بوڑھی ہو گئی ہوں ہاں؟" سدرہ یک دم چلانے لگی تھی۔ "ممی۔ ممی اس کو دیکھیں، یہ ہمیشہ یہی کرتی ہے۔ یہ ہمیشہ لوگوں کے سامنے مجھے بے عزت کرتی ہے۔" سدرہ نے زور زور سے رونا شروع کر دیا۔

"ارے ان کی تو عادت ہے، یہ ماں بیٹی تو اس گھر کی خوشی دیکھ نہیں سکتیں۔ نہ میری بچی تو تم نہ کرو، اب کھڑی کیا ہو؟ جاؤ اپنی نحوست لے جاؤ میرے سامنے سے۔" تائی مہتاب نے بھی بہت دنوں کا غصہ [illegible] نکالا۔

وہ جو شاکڈ سی کھڑی تھی [illegible] اندر آئی۔

مسرت بھی پریشان سی کچن میں کھڑی تھیں۔ انہوں نے بھی سن لیا تھا، محمل کچھ کہے بغیر اندر کمرے میں بند ہو گئی۔

اندازہ تو اسے تھا ہی کہ تائی کا موڈ اس روز سے بیگم نعمان کی باتوں پہ خراب ہے، مگر وہ کچھ کہہ بھی نہ رہی تھیں۔ چپ ہی سادھ لی تھی۔ شاید اس بات پہ کہ اب وہ محمل کی ہونے والی سسرال تھی، ان سے کیا پنگا لینا۔

مگر رات میں اس کی یہ خوش فہمی بھی دور ہو گئی، جب اس نے کچن میں تائی مہتاب کو مسرت سے کہتے سنا۔

"ہم نے تو اسی روز نعمان بھائی لوگوں کو انکار کر دیا تھا، محمل کی کون سا شادی کی عمر ہے، ابھی گھر کی بڑی بیٹیاں ہیں، پہلے ان کی ہو گی، پھر ہی محمل کا سوچیں گے۔ چائے آغا صاحب کے کمرے میں پہنچا دو، وہ رات کا کھانا نہیں کھائیں گے اور بیمل لگا دو۔" وہ حکم صادر کر کے بے نیازی سے باہر نکل گئیں۔ کچن کے دروازے پہ دھواں دھواں چہرہ لیے کھڑی محمل پہ بس ایک استہزائیہ نگاہ اچھالی تھی، جبکہ اندر نڈھال سی بمشکل کھڑی مسرت کو دیکھنا بھی گوارا نہ کیا تھا، جن کے دل پہ انہوں نے الٹی برچھی پھیر دی تھی۔

✲ ✲ ✲

اسے نہیں علم تھا کہ [illegible] رات دیر تک [illegible] کی [illegible] تھی۔ اندر [illegible] سب سو [illegible] کی تھیں۔ وہ [illegible] باہر [illegible] اور دیر سے ادھر بیٹھی بے [illegible] کی۔

[illegible] خواب دیکھا تھا۔ وہ بھی ایسے کرچی [illegible] تھا کہ روح تک بلبلا اٹھی تھی۔ وہ اتنی حیرت [illegible] بھی کہ دل پھٹ رہا تھا، کوئی اتنا بھی ظالم ہو سکتا ہے جتنی تائی تھیں۔ جتنے یہ سب لوگ تھے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ بے خبر سوتے ان لوگوں کے کمروں کو آگ لگا دے، یا چھری سے ان کی گردنیں کاٹ پھینکے۔

یا زہر دے کر سب کو مار دے اور آخر میں خود بھی پھانک لے۔ نفرت، بہت شدید نفرت محسوس ہوتی تھی اسے اپنے ان رشتہ داروں سے۔ اس کا دل چاہتا تھا وہ ان گھٹیا اور کمینے لوگوں سے دور چلی جائے، جہاں اسے ان کی شکل نہ دیکھنی پڑے اور وہ بھی "اب" [illegible] بھی جائے گی۔ اس نے سوچ لیا تھا۔ [illegible] ایک دفعہ اسے وہ اسکالرشپ مل جائے جس [illegible] تو ہائی کمیشن کے اعلان کے [illegible] تھا [illegible] کر کے جو حالات ہوں [illegible] سی تک [illegible] بورڈ ایگزام میں [illegible] بورڈ میں ٹاپ کیا تھا [illegible] ٹاپ کرنے کے باوجود اس [illegible] کی طرف رجحان نہ تھا [illegible] تھا، [illegible] میں ایڈمیشن لے لیا تھا اور [illegible] اب بھی وہ ہی ٹاپ کرے گی اور اگر [illegible] اسکالرشپ اسے مل جائے تو بہت آسانی سے اسے [illegible] ان سے چھٹکارا مل جائے گا۔

وہ آنسو ہتھیلی کی پشت سے رگڑتی اس سوچ میں غلطاں تھی کہ کوئی اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ جوتے دیکھ کر چونکی اور بھیگا ہوا چہرہ اٹھایا۔

وسیم اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔

"وسیم بھائی؟" وہ کرنٹ کھا کر اٹھی اور دو قدم پیچھے ہٹی۔

وہ تائی مہتاب کا تیسرے نمبر کا بیٹا تھا۔ فہد کا چھوٹا اور ناکارہ و آوارہ بھائی۔ اس وقت بھی وہ اپنی سرخ آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔ جانے کب اچانک آ کر ادھر کھڑا ہوا تھا۔ کھلا گریبان، تنگ جینز، گردن سے لٹکتی چین، بکھرے بال اور سرخ آنکھیں۔ وہ نشہ کرتا تھا، گھر میں سب کو علم تھا۔ یہاں تک کہ فضہ چاچی اپنی بیٹیوں کو اس کے قریب بھی نہ جانے دیتی تھیں۔ خود حسن بھی احتیاط کرتا تھا۔ آرزو البتہ لاپروا اور نڈر تھی۔ ویسے بھی وسیم گھر میں بہت کم ہی نظر آتا تھا۔ محمل ہر ممکن احتیاط کرتی کہ اکیلے میں اس کے سامنا نہ ہو کہ اسے اس کی آنکھوں سے خوف آتا تھا۔ مگر آج جانے کیسے۔

"کیا کر رہی ہو؟" وہ ایک قدم اور اسٹیپ پہ چڑھا تو وہ بے اختیار مزید پیچھے ہٹی۔

"کک۔ کچھ بھی نہیں۔ وہ آغا جان تو اوپر سو رہے ہیں۔" وہ ایک دم پلٹ کر اندر بھاگ گئی۔

"ہونہہ۔" وسیم نے تمسخرانہ سر جھٹکا، چند لمحے ادھر کھڑا سوچتا رہا، پھر باہر گیٹ کی طرف چل دیا۔

✲ ✲ ✲

وہ صبح بہت بوجھل سی تھی۔ وہ بس اسٹاپ پہ پہنچی، اکیلی بیٹھی متورم آنکھوں سے دور افق پہ جانے کیا تلاش کر رہی تھی، جہاں نیلی صبح کے پرندے اڑ رہے تھے۔ رات بھر کے رونے کے باعث اس کے سر میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں اور اوپر سے وہ سیاہ فام لڑکی بھی نہیں آئی تھی۔

جانے آج وہ کدھر رہ گئی تھی۔ ابھی تک کیوں نہ آئی تھی۔ صرف اس لیے محمل آج چند منٹ پہلے ہی آ گئی تھی، تاکہ دس کے بجائے پچیس منٹ اس کے ساتھ مل جائیں، مگر یہ تو اسے معلوم بھی نہ تھا کہ وہ آتی کب تھی۔ اسے تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ اس کا انتظار کیوں کر رہی تھی۔ حالانکہ کوئی بات ایسی نہ تھی جسے وہ اس کے ساتھ شیئر کر سکتی، کسی مسئلے کا حل دریافت کر سکتی یا اس کے ساتھ بیٹھ کر رو سکتی۔ نہیں، اس کے پاس بتانے کو کچھ بھی تو نہیں تھا، پھر بھی اسے اس کا انتظار تھا۔ وہ بار بار کلائی پہ بندھی رسٹ واچ دیکھتی۔ لمحے سرکتے جا رہے تھے، پچیس منٹ ختم ہونے کو تھے مگر اس سیاہ فام لڑکی کا دور دور تک کوئی اندیشہ نہ تھا۔

بس کا ہارن بجا تو وہ شکستہ قدموں سے اٹھ کر چل دی۔ سنگی بنچ خالی رہ گیا۔ صبح کے پرندے اپنے سفر کو نکل گئے اور نیلاہٹ بھرا افق سنہری کرنوں سے بھیگنے لگا۔

وہ بہت اداس سی بس میں سوار ہوئی تھی۔ سارا راستہ خاموش سی گردن موڑے کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ اس کی لمبی صراحی مانند سنہری گردن اونچی پونی

نیل کے باعث پیچھے سے بھی جھلکتی تھی اور اسے یکسر ممتاز بنا دیتی تھی۔

بس کے رکنے سے قبل اس نے بیگ میں سے پاکٹ مرر نکال کر دیکھا اور پھر کچھ سوچ کر متورم سوجی آنکھوں کو چھپانے کو گہرا کاجل ڈال لیا۔

"محمل! تم اتنا کاجل مت ڈالا کرو۔ مائنڈ مت کرنا مگر تمہاری آئیز بالکل گولڈن کلر کی ہیں اور کاجل میں بالکل بلی کی طرح لگتی ہیں۔ یو نو کیٹ وومن!" نادیہ دیکھ کر ہنس کر بولی تھی "اور مجھے بلیاں بالکل پسند نہیں۔ کھاؤ گی؟" اس نے ہاتھ میں پکڑا چپس کا پیکٹ بڑھایا۔

محمل نے ایک خاموش نگاہ اس پہ ڈالی اور "نو تھینکس" کہہ کر سر جھکائے اپنی کتاب پہ کچھ لکھنے لگی۔ سر جھکانے سے اس کی اونچی پونی ٹیل مزید اٹھ جاتی اور بھورے بال گردن پہ گرتے دکھائی دینے لگتے۔

"مائی پلیژر!" نادیہ نے شانے اچکا کر پیکٹ واپس لے لیا۔

وہ خاموشی سے سر جھکائے کچھ لکھتی رہی۔ وہ لائبریری میں نادیہ کو کل تائی اماں کے جواب والی بات بتانے آئی تھی مگر اس کا طرز سن کر دل ایک دم ٹوٹ سا گیا تھا۔ بس چٹکی بجاتے اس نے محمل کی خوب صورت بادامی سنہری آنکھوں کو بلی سے مشابہہ قرار دے دیا تھا۔ شاید اس لیے کہ عام سی صورت کی نادیہ جب محمل کے ساتھ چل رہی ہوتی تو بہت سے سر مڑ کر ہمیشہ ستائشی نگاہوں سے محمل کو ہی دیکھتے تھے۔ دراز قد، اسمارٹ، لمبی گردن اور اونچی براؤن پونی ٹیل والی لڑکی جس کی سنہری آنکھیں دھوپ میں اور بھی زیادہ چمکتی تھیں، پورے کالج میں پاپولر تھی۔ ایسے میں جب وہ کاجل ڈال کر مزید خوب صورت دکھتی تو نادیہ سے کبھی کبھار برداشت نہ ہوتا اور وہ کچھ ایسا ضرور کہہ دیتی جو محمل کا دل توڑ دیتا تھا۔

اب بھی وہ نادیہ "اپنی بیسٹ فرینڈ" کے پاس رونے آئی تھی مگر۔۔۔ نادیہ نے پہلے اس کے دکھ سننے کی فرصت نہ تھی، وہ مسلسل اپنے نوٹس میں مگن تھی اور جب ذرا دیر کو فارغ ہوئی تو اس کا دل کچھ ایسے ٹوٹا کہ وہ پھر کچھ کہہ ہی نہ سکی۔

"ہاں، تم کچھ بتا رہی تھیں۔" وہ چپس کا پیکٹ کتاب کی اوٹ میں لیے مسلسل چپس نکال کر کتر رہی تھی۔ "تائی اماں کی کوئی بات تھی شاید۔۔۔"

"نہیں، کوئی بات نہیں تھی۔"

"اچھا مجھے لگا۔"

"تمہیں غلط لگا۔ میں چلتی ہوں، ذرا سے کچھ کام ہے۔" وہ مصروف سی کتابیں اٹھائے باہر نکل آئی۔

اگلے دو روز یونہی مضمحل سے گزرے۔ پریشانی، مایوسی، ناامیدی اور دکھ وہ ہر طرح کے منفی خیالات میں گھری ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے دنیا سے رنگ ہی ختم ہو گئے ہوں۔ سب کچھ پھیکا پھیکا سا تھا اور دل کا باغ ویران، اجڑا ہوا اور پھر اچانک تیسرے دن وہ سیاہ فام لڑکی آ گئی۔

اس نے دور سے اسے بنچ پہ بیٹھے دیکھا تو یکدم غصے کی ایک لہر اس کے اندر اٹھی۔ وہ تیز تیز چلتی اس کے قریب آئی۔

"تم دو دن سے کہاں تھیں؟" سیاہ فام لڑکی نے سر اٹھایا۔

وہ بہت غصے سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میرا کچھ کام تھا، میں۔۔۔"

"تمہیں مزا آتا ہے سب کو یوں انتظار کروا کے؟ تمہیں لگتا ہے تمہاری مدد کے بغیر مر جاؤں گی؟ ہاں حالانکہ ایسا [illegible] کرتی ہو [illegible] تمہاری طرف کھنچا چلا آئے مگر مجھے بالکل ضرورت نہیں ہے اور نہ مجھے تمہاری اب اور۔۔۔ اور مجھے تمہاری کتاب کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ میں نہیں مری تمہاری مدد کے بغیر، دیکھو، دیکھ لو، میں زندہ ہوں۔" تیز تیز بولتے وہ ہانپنے لگی تھی۔

سیاہ فام لڑکی ذرا سا مسکرائی۔

"تو تم میرا انتظار کر رہی تھیں؟"

"نہیں، ہرگز نہیں۔" وہ دو قدم پیچھے ہٹی۔ "مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"تم شاید بلند آواز میں اپنے دل کی آواز کو جھٹلا رہی ہو۔ اگر ایسا ہے تو ایسا مت کرو۔ اپنے دل کی سنو وہ تمہیں کچھ کہہ رہا ہے۔"

"مجھے ڈکٹیٹ مت کرو۔ میں اپنا اچھا برا خوب سمجھتی ہوں۔ تم میرے ساتھ امید [illegible] اپنی کتاب مجھے بیچنا چاہتی ہو، [illegible] سمجھتی ہوں تمہارا مقصد۔ مگر یاد رکھنا، [illegible] کتاب ہرگز نہیں خریدوں گی۔"

"نہ ہی میں بیچ رہی ہوں۔ لیکن ایک دن ایسا آئے گا [illegible] خود [illegible] یہ کتاب مانگنے آؤ گی اور [illegible] تمہارا [illegible] تمہاری [illegible] ابھی تم سفر [illegible] ہو اور جب تھکو گی تو اس کتاب کے پیچھے [illegible] مجھے تمہاری کسی بات کا برا نہیں لگا۔ مجھے بس تمہارے تھکنے کا انتظار ہے۔ جاؤ، تمہاری بس آ گئی ہے۔"

اس وقت تو وہ غصے میں پلٹ گئی مگر پھر سارا دن یہی سوچتی رہی کہ اس کو اس سیاہ فام لڑکی کو دیکھ کر ہو کیا گیا تھا۔ کیوں اس نے اس پہ اتنا غصہ کیا؟ وہ کیا لگتی تھی اس کی؟ اس نے کیا بگاڑا تھا اس کا اور اسے غصہ کس بات کا تھا۔ یوں انجانے لوگوں کے ساتھ اس طرح کا سلوک تو محمل ابراہیم کبھی نہ کرتی تھی پھر اب کیوں؟

ندامت اور شرمندگی کے احساس نے اسے پورا دن جکڑے رکھا۔ وہ کچن کے تمام کام بے توجہی سے نپٹاتی رہی۔ پڑھائی بھی ٹھیک سے نہ کر سکی۔ پیپرز ہو رہے تھے، اب بھی اس کے پاس پڑھنے کو بہت کچھ تھا، مگر سارا دن احساس جرم اسے اندر ہی اندر کچوکے لگاتا رہا اور جب رات کو اچانک سے رضیہ پھپھو کی آمد کا شور اٹھا تو وہ بہت سنبھل کے لاؤنج میں آئی تھی۔

"فائقہ! آج کل سارا وقت میرے ساتھ کچن میں لگی رہتی ہے۔ میں تو منع کرتی ہوں مگر مجال ہے جو یہ مجھے کسی کام کو ہاتھ لگانے دے۔ آج بھی پڈنگ بنائی تھی کہہ رہی تھی سارے ماموں شوق سے کھاتے ہیں "انہیں بھیجنا، آؤ گی۔ میں نے کہا خود ہی دے آؤ۔ ماموں [illegible] ہے میری بچی کی اور سب ٹھیک ہے۔ فواد کہاں ہے؟ نظر نہیں آ رہا۔" مہتاب تائی [illegible] اندر داخل ہوتی رضیہ پھپھو نے بات کے [illegible] ادھر ادھر دیکھ کر بظاہر سرسری سا پوچھا تھا۔ فواد تو نہ نظر آیا مگر محمل پہ نگاہ پڑی تو چہرے پہ ناگواری بکھر گئی۔ شاید اس وجہ سے کہ ان کی آخری بات پہ وہ ذرا سا استہزائیہ مسکرائی تھی۔

"لڑکی کوئی کام کاج بھی کیا ہے نہیں ہے تمہیں؟ جب دیکھو لوتھا کی لوتھا ادھر ادھر بھاگتی پھر رہی ہوتی ہو۔ میری بھابھی کا جگرا ہے جو مفت خوروں کو گھر میں لگا رکھا ہے ورنہ میں ہوتی تو۔۔۔ ہونہہ۔" انہیں اس کی مسکراہٹ تپا گئی تھی جیسے چوری پکڑی گئی ہو سو بگڑ کر کہتی ہوئے صوفے پہ بیٹھیں۔

فائقہ بھی دونوں ہاتھوں میں ٹرے پکڑے، جس پہ وہ ڈونگے رکھے تھے، چلی آ رہی تھی۔ فیشن کے مطابق شارٹ شرٹ کے نیچے ٹراؤزر اور لمبے بال کھلے تھے جن میں چوٹی کے بل صاف نظر آتے تھے۔ وہ سدرہ کی طرح خوب میک اپ کرتی تھی اور اس طرح شاید ذرا قابل قبول لگ جاتی اگر جو وہ گہرے مسکارے اور آئی میک اپ کے اوپر وہ بڑا سا سیاہ فریم کا چشمہ نہ لگایا کرتی۔

"یہ کدھر رکھوں ممانی جان؟" وہ رک کر مدھم آواز میں پوچھ رہی تھی۔ ورنہ یہی فائقہ تھی جو کچھ عرصہ قبل بے ہنگم شور کیا کرتی تھی۔

"کچن میں رکھ دو۔ بلکہ محمل! تم لے جاؤ۔"

"لائیے۔" محمل آگے بڑھی تو فائقہ نے قدرے تذبذب سے اس کو دیکھا۔

"دے دیں فائقہ باجی! فواد بھائی تو ویسے بھی ابھی آفس سے نہیں آئے۔ پھپھو پوچھ رہی تھیں ابھی ان کا۔" وہ بے نیازی سے کہہ کر ڈونگے لیے کچن میں رکھ آئی۔

"فواد ابھی تک نہیں آیا؟" پھپھو نے بے چینی سے گھڑی دیکھی۔ پھر فائقہ کو آنکھ کا اشارہ کیا۔ وہ

اس کے لیے صدیوں محمل لکھوا کر چھوڑ گئی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔

بس کا ہارن بجا تو وہ چونکی اور پھر بغیر کچھ کہے تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

سیاہ فام لڑکی مسکراتے ہوئے اسے بس میں سوار ہوتے دیکھ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"فواد کو چائے کمرے میں دے آؤ اور محمل! تم ٹرالی باہر لے آؤ۔" آغا مہتاب اپنی ازلی بے نیازی سے حکم صادر کر کے پلٹ گئیں تو ٹرالی سیٹ کرتی محمل کسی خیال سے چونکی۔

"فواد کی ٹرے الگ سیٹ کر دو محمل! میں دے آؤں گی۔ تم ٹرالی باہر لے جاؤ۔"

"میں نہیں لے کر جا رہی ٹرالی۔ تنگ آ گئی ہوں میں ان ذلیل لوگوں کے سامنے۔"

"اچھا اچھا چپ کرو۔" مسرت بوکھلا کر آگے بڑھیں اور ٹرالی کا کنارہ تھام لیا۔ "میں لے جاتی ہوں۔ تم فواد کو چائے دے آؤ۔"

اور یہی تو وہ چاہتی تھی، سو شانے اچکا کر بظاہر لاپروائی سے فواد کی ٹرے سیٹ کی اور پھر اسے اٹھا کر دھپ دھپ سیڑھیاں چڑھتی گئی۔

"فواد بھائی!" دروازے پہ ہلکا سا ناک کیا۔

"ہوں، آ جاؤ۔"

اس نے دروازہ دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔

فواد بازو آنکھوں پہ رکھے بیڈ پہ نیم دراز تھا۔

"فواد بھائی! آپ کی چائے۔"

"ہاں رکھ دو۔" وہ کسل مندی سے اٹھا۔ انداز سے تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔

"کیا بات ہے فواد بھائی! آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں۔" اس نے ٹرے میز پہ رکھی اور کپ اٹھا کر اس کے قریب آئی۔

"ہاں کچھ نہیں۔ آفس کا مسئلہ [illegible]" اس نے چائے کے لیے ہاتھ بڑھایا [illegible] کپ پکڑاتے محمل کی

انگلیاں اس کے ہاتھ سے ذرا سی مس ہو گئیں۔ اس نے فوراً ہاتھ کھینچ لیا تو وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔ پھر چائے کا گھونٹ بھرا۔

"ہوں، چائے تو تم اچھی بناتی ہو۔"

"اماں نے بنائی ہے۔" وہ جز بز سی اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اونچی بھوری پونی ٹیل والی دراز قد سی محمل۔

"کمائی تو تم ہو، مزا تو ہے تمہارے ساتھ میں۔"

"اچھا۔" وہ مسکرا دی۔

"اور یہ انگلینڈ جانے کا کیا سین ہے؟"

"وہ میں... میں آگے پڑھنا چاہتی ہوں۔" وہ سر جھکائے کھڑی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

"مگر تم جاب کرنے کا کہہ رہی تھیں، مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی تھی۔" وہ چائے کا کپ سائیڈ پہ رکھے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں صرف اپنے خرچوں کے لیے جاب کرنا چاہتی ہوں۔"

"اور یہ اتنی بڑی بزنس ایمپائر؟ یہ کون سنبھالے گا؟" محمل نے جھٹکے سے گردن اٹھائی۔ اسے لگا اس [illegible] غلط سنا ہے۔

"بزنس ایمپائر؟"

"ہاں، تم اس کے اونر [illegible] تمہارا فرض نہیں ہے کہ تم اپنے ابا کے [illegible]" وہ [illegible] "آخر کبھی تو تمہیں [illegible]"

"جی؟" وہ [illegible] رہی تھی۔

"اتنی حیران [illegible] ہو محمل؟" وہ اٹھ کر اس کے سامنے [illegible] محمل نے دیکھا وہ اس سے خاصا لمبا تھا۔

"میں... مجھے پتہ نہیں۔"

"کیا تم یہ سب نہیں سنبھالنا چاہتیں؟"

"میں سنبھالنا چاہتی ہوں مگر کیسے...؟"

"تم واقعی سنبھالنا چاہتی ہو؟" فواد کے چہرے پہ خوشگوار حیرت اتری۔ "یعنی اگر میں تمہیں اپنے ساتھ آفس میں لگانا چاہوں تو تم میرے ساتھ کام کرو گی؟"

"جی جی بالکل۔" اس کا دل ایک دم کسی اور لے پہ دھڑکنے لگا تھا۔ ہاتھ لرزنے لگے تھے۔

"ٹھیک ہے، پھر میں شام میں آغا جان سے بات کر لیتا ہوں۔"

"وہ... وہ اجازت دے دیں گے؟" اس کے اندر وسوسوں نے سر اٹھایا تھا۔

"شیور کیوں نہیں دیں گے۔" [illegible] تسلی دے رہا تھا اور اسے سمجھ [illegible] وہ اپنی خوشی کا اظہار کیسے کرے [illegible] اسے اپنی [illegible] میں [illegible] تھا۔ دولت [illegible]

اب [illegible] سیاہ فام لڑکی کی کتاب کی ہرگز ضرورت [illegible]

[illegible] اڑتی واپس اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

اور پھر رات میں جب فواد نے اسے اپنے ساتھ بزنس میں ہاتھ بٹانے کی تجویز آغا جان کو دی تو سب سے پہلے حسن نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔

"اس کی کیا ضرورت ہے فواد! محمل کو ابھی اپنی پڑھائی پہ توجہ دینی چاہیے۔" وہ ناگواری سے بولا تو محمل کو واضح برا لگا۔ شکر تھا خاندان کی عورتیں وہاں نہ تھیں، ورنہ تو طوفان ہی آ جاتا۔

"تم بیچ میں مت بولو حسن! میں آغا جان سے بات کر رہا ہوں۔"

"اور میں تمہاری باتوں کے مطلب اچھی طرح سمجھتا ہوں۔" حسن نے ایک کٹیلی نگاہ محمل پہ ڈالی۔ "مجھے اچھی طرح پتہ ہے کہ یہاں کیا چکر چل رہا ہے۔"

"شٹ اپ!" فواد بھڑک اٹھا تو آغا جان نے دونوں کو ہی جھڑک دیا۔

"شٹ اپ یو بوتھ۔ حسن! تم جاؤ اپنے کمرے میں۔" اور وہ فوراً اٹھ کر تیز تیز چلتا وہاں سے نکل گیا۔

"اور فادی، حسن ٹھیک کہہ رہا ہے۔ محمل کا آفس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ ہی وہ کبھی آفس جائے گی۔"

"مگر آغا جان [illegible]؟"

"تمہارے بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ محمل کا آفس میں کیا کام؟"

"بالکل۔ لڑکیوں کو ادھر دھکے کھانے کی کیا ضرورت ہے؟" غفران چچا اور اسد چچا نے بھی فوراً آغا جان کی تائید کر دی تو محمل نے بے بسی سے مدد طلب نگاہ سے فواد کو دیکھا۔

"او کے، جیسے آپ کی مرضی۔" وہ شانے اچکا کر اب جھک کر اپنے بوٹ کے تسمے بند کر رہا تھا۔

اس کا دل جیسے کسی گہری کھائی میں جا گرا۔ وہ تیزی سے بھاگتی ہوئی کچن میں آئی اور سنک پہ جھک کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کے آنسوؤں کے ساتھ سارے خواب کرچی کرچی بہتے چلے جا رہے تھے۔ وہ اتنا روئی کہ ہچکی بندھنے لگی تو بالآخر نل کھول کر منہ پہ پانی ڈالنے لگی۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ آج وہ آخری دفعہ رو رہی ہے۔ وہ آج کے بعد ہرگز نہیں روئے گی۔ اس نے تو سیدھے طریقے سے سب کچھ واپس حاصل کرنے کا سوچا تھا، لیکن ان لوگوں کو سیدھا طریقہ راس نہیں آیا تھا۔ ٹھیک ہے، اب اگر اسے ان سے انتقام لینے کو جادو یا سفلی علم کا سہارا بھی لینا پڑا تو وہ ضرور لے گی۔

اسے اب صبح کا انتظار تھا۔ صبح اسے بس اسٹاپ پہ جا کر اس سیاہ فام لڑکی سے وہ کتاب لینی تھی۔

ویسے نہیں تو ایسے سہی!

چہرے پہ ٹھنڈا پانی ڈالتے ہوئے اس نے نفرت سے سوچا تھا۔

☼ ☼ ☼

صبح اسے کالج نہیں جانا تھا۔ ایگزامز ختم ہو چکے تھے مگر وہ پھر بھی بہانہ کر کے مخصوص وقت سے آدھ گھنٹہ پہلے ہی اسٹاپ پہ چلی آئی تھی اور اب مسلسل بینچ کے آس پاس ٹہل رہی تھی۔

سیاہ فام لڑکی ابھی تک نہیں آئی تھی۔ محمل بار بار کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتی، پھر بے چین نگاہوں سے گردن ادھر ادھر گھماتی۔ بھوری اونچی پونی بھی ساتھ ہی جھولتی۔ اسے شدت سے اس لڑکی کا انتظار تھا اور آج تو لگتا تھا جیسے وقت بہت دیر سے گزر رہا ہے۔

بالآخر وہ تھک کر بنچ پہ بیٹھی اور سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"کیا میرا انتظار کر رہی تھیں؟" کسی نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تو وہ کرنٹ کھا کر اٹھی۔

وہ سیاہ فام لڑکی سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ "میں تمہارا ہی ویٹ کر رہی تھی۔"

"اور میں جانتی ہوں کہ کیوں؟" وہ آرام سے بنچ پہ بیٹھی۔ بیگ کا اسٹریپ کندھے سے اتار کر ایک طرف رکھا اور کتاب احتیاط سے گود میں رکھی۔ پھر جیسے فارغ ہو کر محمل کا چہرہ دیکھا۔

"تم تھک گئی ہو؟"

"ہاں میں تھک گئی ہوں۔ میں تنگ آ گئی ہوں۔ اس دنیا میں میرے لیے کچھ نہیں ہے۔ کوئی نہیں ہے۔"

"اونہوں ایسے نہیں کہتے۔ ابھی تو تمہیں وہ کچھ لینا ہے جس کی چمک سے تمہاری آنکھیں چکا چوند رہ جائیں گی۔ ابھی تو تم صحیح راستے پہ آئی ہو۔"

"مجھے صحیح اور غلط کا نہیں پتہ، نہ ہی میں صحیح اور غلط کی تفریق میں پڑنا چاہتی ہوں۔" اس نے بے اختیار نگاہیں چرائی تھیں۔ اپنے دل سے، اپنے اندر چبھتے گلٹ کے احساس سے۔

"کوئی بات نہیں شروع شروع میں یہ کتاب مشکل لگے گی جیسے کوئی عذاب ہو، قید ہو۔ مگر پھر تم عادی ہو جاؤ گی۔" وہ ویسے ہی مسکرا رہی تھی۔

"یہ کتاب مجھ سے کیسے بات کرے گی؟" محمل سحر زدہ سی اس کی گود میں رکھی کتاب کو دیکھ رہی [illegible]

"روز اس کا ایک صفحہ پڑھنا [illegible] تو یہ تمہیں کچھ ایسے لوگوں کا بتاؤں گی جو اس [illegible] کا علم سکھاتے ہیں۔ بالکل خاموشی [illegible] چپ چاپ اپنا کام کرتے ہیں۔ میں تمہیں ان کے حوالے کر جاؤں گی تو وہ تمہیں اس قدیم زبان کا علم سکھائیں گے جس میں یہ کتاب لکھی ہوئی ہے۔ پھر جب تم روز اس کا ایک ایک صفحہ پڑھنے کے قابل ہو جاؤ گی تو تم جانو گی کہ ہر صفحہ تمہارے yesterday کی روداد ہے اور تمہیں tomorrow کی تدابیر بتا رہا ہے۔"

"اور اگر میں ایڈوانس میں ایک صفحہ آگے پڑھ لوں تو مجھے اپنے آنے والے کل کا علم ہو جائے گا ہے نا؟"

"نہیں، تم ایک دن میں پوری کتاب بھی پڑھ لو تو بھی وہ تمہارا yesterday کی روداد ہی رہے گا۔ لیکن اگر وہی صفحے تم اگلے دن پڑھو تو وہ اس دن کے حساب سے تمہاری گزشتہ دنوں کی روداد بن جائے گا۔"

"کیا مطلب؟" وہ الجھ سی گئی۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ہی صفحے کا ایک دن میں ہی مطلب بدل جائے۔"

"اگر یہ نہ ہوتا تو کیا تم آج اس کتاب کی طرف یوں کھنچی چلی آتی؟"

"تم واقعی سچ کہہ رہی ہو؟" وہ اندر ہی اندر خوفزدہ بھی تھی۔

"تمہیں شک ہے کیا؟"

"نہیں مگر تم مجھے یہ کیوں دے [illegible] تمہارا اس میں کیا فائدہ؟" اپنی دانست [illegible] اس نے خاصا عقل مندانہ سوال کیا تھا۔

"میرا ہی [illegible]" وہ پھر اسی پر اسرار طریقے [illegible] جو یہ تمہیں حاصل ہو گا اس کا ایک [illegible] ہو جائے گا۔"

وہ دنگ رہ گئی۔ "کیا مطلب؟ کتنا شیئر؟ [illegible]؟"

"شاید آدھا، شاید اس سے کچھ کم۔ معلوم نہیں، مگر یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔ میرا حصہ مجھ تک پہنچ جائے گا، یہ کتاب خود میرے پاس آ کر مجھے میرا حصہ دلوائے گی۔"

"اچھا۔" وہ ٹھہری تھی۔ "پھر میں یہ لے لوں؟"

"پہلے خوب اچھی طرح سوچ لو۔"

"سب سوچ لیا ہے۔" وہ تیزی سے بولی اور کتاب پہ ہاتھ رکھا، مبادا وہ اسے واپس نہ لے جائے۔

"پھر جاؤ۔ مگر یاد رکھنا یہ ایک بہت بڑا بوجھ ہے جو میں تمہیں دے رہی ہوں۔ اگر تم نے وہ [illegible] جنہیں تم عملیات کہتی ہو، کر لیے اور ویسے ہی کیا جیسے کتاب تمہیں کہے تو پھر سب کچھ بدل جائے گا [illegible] میں رہنے لگو گی۔" اسی سے بات کرتے [illegible] علاوہ تمہیں کچھ نظر نہیں آئے [illegible] جاؤ گی۔ سحر زدہ بھول لے اور پھر اگر [illegible] چھوڑنا چاہا تو تباہ ہو جاؤ گی۔ سحر [illegible] بھی [illegible] پہلے سے زیادہ بھی عذاب [illegible] جاؤ اسے لے جاؤ۔"

اس نے [illegible] جلد والی بھاری کتاب اٹھا کر اس کی طرف [illegible] اور جب محمل ابراہیم نے اسے تھامنا چاہا [illegible] لرز رہے تھے۔

"[illegible] ہو۔ کیا یہ مجھے تمہیں واپس کرنی ہو گی؟"

"وہ نہیں۔"

"اور جب میں پوری پڑھ لوں، ختم کر لوں تب؟"

"تب پھر سے شروع کر دینا۔ یہ کتاب کبھی پرانی نہیں ہو گی۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ کپکپاتی انگلیوں سے کتاب پکڑے تیز تیز چلتی گھر کی سمت بڑھ گئی۔ کتاب کی سیاہ جلد سرد تھی، بے حد سرد۔ کوئی اسرار تھا اس میں، کوئی قدیم راز، جسے وہ آج بے نقاب کرنے جا رہی تھی۔

جب اس نے گیٹ کھولا تو اسے محسوس ہوا کہ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں اور دل۔۔۔ دل تو ایسے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی سینہ توڑ کر باہر آ گرے گا۔ بوجھ بہت بھاری بوجھ تھا جو اس سیاہ فام لڑکی سے لیا تھا۔ اندر ہی اندر اس کا دل ڈر رہا تھا، کہیں وہ جا ہی کے کسی رستے کی طرف تو نہیں جا رہی۔ یہ سیاہ علم، سفلی عملیات، یہ اچھی چیزیں تو نہ تھیں، پھر وہ کیوں اسے اٹھا لائی تھی؟

اس نے رک کر سوچنا چاہا، مگر اب واپسی کا کوئی راستہ نہ رہا تھا۔

"[illegible] چھوڑو۔ محبوب قدموں میں۔ دنیا پہ [illegible]"

[illegible] بہت سی چیزیں اکٹھی کرتی تھیں اور وہ کتاب [illegible] ہر مسئلے کا حل تھی۔ اسے بیگم نعمان کے بیٹے کا طعنہ یاد آیا، رشتہ یاد آیا، اسے رات فواد کی بات پہ سب کا رد عمل یاد آیا، اسے اپنی بے پناہ دولت بھی یاد آتی تھی جس پہ عیش کوئی اور کر رہا تھا۔ پھر وہ کیسے اس لڑکی کو وہ کتاب، سب خزانوں کی کنجی واپس کر آتی؟ پھر وہ نہیں رکی اور کتاب سینے سے لگائے، سر جھکائے تیز قدموں سے چلتی لاؤنج میں داخل ہوئی۔

"کہاں سے آ رہی ہو؟"

وہ جو اپنے خیال میں گم تھی، آواز پہ گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

سامنے تائی مہتاب قدرے مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"وہ۔۔۔ وہ تائی اماں۔۔۔" اس نے بے اختیار خشک لبوں پہ زبان پھیری۔ "وہ نادیہ سے کچھ نوٹس لینے تھے، ذرا شاپ تک گئی تھی، سامان کو بتا کر گئی تھی۔"

"ہاں تمہاری ماں تو کسی کی لینڈ لیڈی ہے جس کی اجازت کافی تھی۔"

"وہ، وہ تائی۔۔۔! چچا اسد چچا کو بھی۔۔۔ بتایا تھا۔" پہلی دفعہ وہ تائی کے سامنے یوں ہکلا رہی تھی۔

"اچھا جاؤ، سر نہ کھاؤ۔" تائی بے زاری سے ہاتھ جھلا کر آگے بڑھ گئیں۔

وہ کمرے کی طرف لپکی، اور جلدی سے الماری کھول کر ایک خانے میں سارے کپڑوں کے پیچھے وہ دبیز سیاہ کتاب چھپا دی۔ پھر الماری احتیاط سے بند کی، ادھر ادھر دیکھا۔ صد شکر کہ کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

"محمل!" باہر اماں نے پکارا تو وہ جلدی سے چہرے پہ آیا پسینہ پونچھتی باہر آئی۔

"جی؟"

مسرت جو کچن میں سارے گھر کے ناشتے بنانے میں مصروف تھیں، بچن میں انڈہ پلٹتے ہوئے مڑ کر اسے

دیکھا۔

"تم تو کالج گئی تھیں' اتنی جلدی آ گئیں؟"

"جی بس۔"

"خیریت؟"

"او ہو! آج سب کو میری کیوں فکر پڑ گئی ہے؟ کالج سے نوٹس لینے تھے مل گئے تو آ گئی۔" وہ خوامخواہ ہی چڑ گئی' پھر ادھر ادھر برتنوں میں ہاتھ مارتی بظاہر کچھ تلاش کرنے لگی۔

"میں تو ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔ اچھا ناشتہ تو کر لو۔"

"نہیں بھوک نہیں ہے۔" وہ بس منظر سے ہٹنا چاہتی تھی' سو اتنا کہہ کر باہر لاؤنج میں آ گئی۔ ذہن ابھی تک الماری میں کپڑوں کے پیچھے چھپی کتاب میں اٹکا ہوا تھا۔

پھر گھر کے کام کاج' صفائی اور اس کے بعد مسرت کے ساتھ مشین لگائے وہ میکانکی انداز میں خاموشی سے کام کرتی رہی' مسلسل اس کا دل پلٹ پلٹ کر اس کتاب کی طرف جاتا تھا۔ وہ چند بار اندر آئی اور الماری کھول کر کپڑوں کے پیچھے ہاتھ تھپتھپا کر دیکھا۔

وہ سیاہ کتاب وہیں رکھی تھی۔

پھر سارا دن وہ موقع ڈھونڈتی رہی کہ اسے جا کر پڑھے' کچھ تو پتہ چلے کوئی راہ تو نکلے' مگر کاموں کا بوجھ اور کچھ فطری سا خوف تھا کہ وہ اس کتاب کو نکالنے کی ہمت نہ کر سکی۔

رات کھانے کے بعد اس نے جب سب کو ڈائننگ ہال میں سویٹ ڈش میں مصروف پایا' تو بالآخر الماری سے وہ بھاری کتاب نکالی اور اسے سینے سے لگائے دبے پاؤں سیڑھیاں اوپر چڑھتی گئی۔

ڈائننگ ہال سے براستہ لاؤنج کچن کی طرف جاتی مہتاب تائی نے چونک کر اسے آخری سیڑھی پھلانگتے دیکھا۔

"یہ محمل کیا کرتی پھر رہی ہے؟" انہوں نے پیچھے سے آتی ناعمہ چچی کو روک کر سرگوشی میں پوچھا۔ "ابھی کوئی کتاب پکڑے اوپر گئی ہے۔"

"اچھا؟" وہ متجسس سی تائی کے قریب آ گئیں۔ "پڑھائی ووڑھائی تو اب ختم ہے اور چھت پہ تو کبھی نہیں گئی پڑھنے' ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔"

اور ان کی سرگوشیوں سے بے خبر' وہ باہر ٹیرس پہ نکل آئی' آہستہ سے دروازہ بند کیا اور ریلنگ کے ساتھ نیچے زمین پہ بیٹھ گئی۔ کتاب گھٹنوں پہ رکھے وہ کتنی ہی دیر اسے دیکھتی رہی۔

محرومیوں' نارسائیوں اور دکھوں کے اس کئی برس پرانے کرب کی اب جیسے انتہا ہو چکی تھی۔ اس سے اب مزید برداشت نہ ہوتا تھا۔ غلط ہو یا صحیح' وہ زندگی سے اپنا حصہ ضرور وصول کرے گی۔

ایک ٹھوس اور قطعی فیصلہ کر کے محمل ابراہیم نے کتاب کی سیاہ جلد پہ ہاتھ رکھا۔ وہ بے حد سرد تھی' ٹھنڈی اور پرسکون۔ وہ جلد پلٹنے ہی لگی تھی کہ ایک دم ٹیرس کا دروازہ دھاڑ سے کھلا۔

اس نے گھبرا کر سر اٹھایا' اور ایک لمحے کو تو زمین آسمان اس کی نگاہوں کے سامنے گھومنے لگے۔

آغا جان' دونوں چچا' تائی مہتاب' ناعمہ چچی اور لڑکیاں اور مسرت بھی۔۔۔ سب ایک ساتھ باہر آئے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے یہاں؟" آغا جان غصے سے غرائے تھے۔ "محمل! کیا کر رہی ہو ادھر؟" وہ ہکا بکا سی کھڑی انہیں دیکھتی رہ گئی۔

"ادھر کیا چھپی ہو' سامنے آؤ۔" تائی مہتاب چمک کر بولیں' اور اس کی تو جیسے ٹانگوں میں جان نہ رہی تھی۔ بمشکل [illegible] آگے بڑھی۔ کتاب اسی طرح [illegible] میں پکڑی تھی اور پورا جسم لرز رہا تھا۔

"وہ۔۔۔ آغا جان۔۔۔! میں۔۔۔"

"میں پوچھ رہا ہوں' اتنی رات کو ادھر کیا کر رہی ہو"

"وہ۔۔۔ میں پڑھ رہی تھی۔۔۔" لفظ لبوں پہ ہی دم توڑ گئے' اس کی ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔

"کیا پڑھ رہی ہو؟ ادھر دکھاؤ۔" آغا جان کے لہجے

کی سختی کم نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے کتاب لینے کو ہاتھ بڑھایا تو وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔

"کک۔۔۔ کک۔۔۔ کچھ نہیں' کچھ نہیں۔" اس نے کتاب پیچھے کرنی چاہی اور پھر اس نے دیکھا' آغا جان کے پیچھے کھڑی مسرت کی آنکھوں میں آنسو تھے اور تائی فاتحانہ مسکرائی تھیں۔

"ارے ہم بھی تو دیکھیں' بھری رات میں [illegible] کون سی کتابوں میں چھپا کر خط و کتابت [illegible] میں تو پہلے ہی کہتی تھی' یہ لڑکی کوئی [illegible] اس کے ارد گرد [illegible]"

"نہیں [illegible]" وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے انہیں [illegible] رہی تھی۔ "میں نے کچھ [illegible]"

[illegible] زور سے اس کے ہاتھوں سے کتاب [illegible] رہی ہو؟ تمہیں تو دکھائی کیوں نہیں ہو؟" [illegible] سی نظر اس پہ ڈال کر انہوں نے کتاب اپنے سامنے کی۔

"میں بھی کہوں کیوں راتوں کو چھت پہ آ جاتی ہے' کس کے ساتھ منہ کالا کرتی ہے' یہ زبان جو اتنی لمبی ہو رہی ہے' ارے میں بھی کہوں کوئی تو ہے' اس کے پیچھے' آغا صاحب! اس سے کہیے کہ جس مردود کے لیے چٹھیاں ڈالتی ادھر آتی ہے' اسے کہے کہ ابھی آئے اور وہ ڈولی بٹھا کر اسے لے جائے۔ خاندان بھر میں بدنام کرے گی ہمیں کیا۔"

اور اسے لگا' آج وہ واقعتاً ہار گئی ہے۔ آغا جان کتاب کے صفحے پلٹ رہے تھے۔۔۔ ہر پلٹتے صفحے کے ساتھ اس کا دل ڈوبتا جا رہا تھا۔ اس نے سر جھکا کر آنکھیں سختی سے میچ لیں۔ آج وہ اسے یقیناً قتل کر ڈالیں گے۔ وہ سفلی عملیات میں پڑ گئی ہے۔ کبھی نہیں بخشیں گے۔

"شرم نہیں آتی تمہیں' گھٹیا عورت!" آغا جان ایک دم دھاڑے تو اس کی رہی سہی جان بھی نکل گئی۔ اسے لگا وہ لڑکھڑا کر گرنے کو ہے جب۔۔۔

"میں۔۔۔ میں نے کیا کیا ہے؟" تائی کی ہکلاتی آواز نکلی۔ محمل نے جیسے کسی خواب سے جاگ کر سر اٹھایا۔ وہ کھلی کتاب ہاتھ میں پکڑے محمل سے نہیں' تائی سے مخاطب تھے۔

"تمہیں شرم نہیں آتی اس یتیم بچی پہ الزام لگا کر ہم سب کو اکٹھا کر کے؟ ڈوب مرو تم' اپنے الفاظ کہنے سے پہلے' وہ اسے چھت پہ پڑھ بھی نہیں سکتی؟"

محمل نے پلکیں زور سے جھپکائیں' یہ آغا جان کیا کہہ رہے تھے۔

"مگر آغا صاحب! وہ اس کتاب میں۔۔۔"

"ڈوب مرو تم بے دین عورت! وہ قرآن پڑھ رہی تھی' تم قرآن کی حرمت کا تو پاس رکھ لیتیں۔" انہوں نے سیاہ کتاب بند کی' اسے چوما' آنکھوں سے لگایا اور محمل کی طرف بڑھا دیا۔

"بیٹا! نیچے پڑھ لیتیں تو سب پریشان نہ ہوتے۔ یہ لو۔" وہ اسے کتاب تھما کر' ایک کٹیلی نگاہ ان عورتوں پہ ڈال کر واپس ہو لیے۔

"نہ تو اب چوروں کی طرح پڑھے گی تو بندہ شک تو کرے گا ہی' ورنہ میرا کیا دماغ خراب ہے کہ یوں کہتی۔" تائی شرمندہ سی چٹخیں۔

آغا جان کبھی کبھار انہیں یونہی سب کے سامنے جھڑک دیا کرتے تھے' خصوصاً جب وہ اپنے رشتے داروں پہ بے دریغ پیسے لٹاتی تھیں۔

"اور نہیں تو کیا۔۔۔" آہستہ آہستہ سب نادم سے پلٹ گئے۔

وہ اسی طرح ساکت سی کتاب ہاتھ میں لیے کھڑی تھی۔ ٹیرس خالی ہو چکا تھا۔ سب جا چکے تھے۔ پرسکون اور سرخرو مسرت بھی اور وہ اسی طرح پتھر کا بت بنے وہاں کھڑی تھی۔

"اس کتاب کا ہر صفحہ تمہارے گزرے دن کی روداد ہے۔"

"یہ کتاب کبھی پرانی نہیں ہوگی۔"

"تم سب کو اپنی مٹھی میں کر کے دنیا پہ راج کرو گی۔"

اس سیاہ فام لڑکی کا ایک ایک فقرہ طمانچے کی طرح

اس کے منہ پہ برس رہا تھا۔

تراخ۔۔۔ تراخ۔۔۔ تراخ۔

اسے لگا، وہ بھی اپنی جگہ سے ہل نہیں سکے گی، یونہی صدیوں اس اندھیرے ٹیرس پہ کھڑی رہے گی۔

"دھوکہ۔۔۔ مذاق۔۔۔ فریب۔۔۔ مسخر قرآن کی بے حرمتی۔۔۔" اس سیاہ فام لڑکی نے کیا نہیں کیا تھا۔ اتنا بڑا مذاق؟ ایک پریشان حال لڑکی کو سبز خواب دکھا کر اسے اسی کی مقدس کتاب پکڑا دی؟ یہ ہوا کیا تھا اس کے ساتھ؟

اس کے ہاتھ ابھی تک لرز رہے تھے۔ نہایت بے یقینی کے عالم میں اس نے سیاہ جلد والی کتاب کو چہرے کے سامنے کیا۔

سیاہ جلد صاف تھی۔ بے داغ، بے لفظ۔

اس نے درمیان سے کتاب کھولی۔

اوپر عربی کی عبارتیں تھیں اور نیچے انگریزی کی۔ سب سے اوپر لکھا تھا۔

الکہف۔۔۔ The cave۔

اس نے چند صفحے آگے کھولے۔

العنکبوت۔۔۔ The spider۔

اس نے شروع سے دیکھا۔

المائدہ۔۔۔ The Table spread۔

محمل نے کتاب بند کر دی۔

آغا جان نے ٹھیک کہا تھا۔ وہ قرآن تھا۔ ان کی مذہبی کتاب، مقدس کتاب اور اس فرنگن نے کیسے کیسے قصے گھڑ دیے تھے اس کے ساتھ۔

"ذلیل عورت!" وہ شاک سے نکلی تو بے پناہ غصہ آیا۔ وہ لڑکی تو اپنے گھر بیٹھی اس پہ ہنس رہی ہوگی، اس کا مسخر اڑا رہی ہوگی اور وہ بھی کتنی جلدی بے وقوف بن گئی۔ اف!

وہ تیز تیز قدموں سے سیڑھیوں کی طرف لپکی۔

"نہ سر پہ دوپٹہ، نہ وضو نماز، اور چلے قرآن پڑھنے۔ ہونہہ۔" لاؤنج کے بڑے [illegible] اسے زینہ اترتے دیکھ کر اونچا [illegible] بولے۔ بڑے عرصے بعد آغا جان نے [illegible] کے سامنے۔

بے عزتی کیا تھا اور وہ بھی صرف اور صرف محمل کی وجہ سے انہیں اب کسی طرح تو غصہ اتارنا تھا، مگر محمل کوئی بھی جواب دیے بغیر سر جھکائے تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

صبح وہ پھر جلدی آ گئی تھی۔

سیاہ فام لڑکی آج بہت پہلے سے اس بنچ پہ بیٹھی تھی، اسے دیکھ کر محمل کے قدم تیز ہو گئے۔

قدموں کی چاپ پہ ہی اس نے سر اٹھایا۔ محمل نے دیکھا، اسے دیکھ کر اس کی سیاہ آنکھوں میں امید کے دیے جل اٹھے تھے۔

سڑک خالی تھی۔ دور نارنجی سورج طلوع ہو رہا تھا۔ محمل اس کے بالکل سامنے آ کھڑی ہوئی۔ سورج کی نارنجی شعاعیں اس کے پیچھے چھپ گئیں۔

"تمہیں شرم تو نہیں آئی ہوگی میرے ساتھ ایسا بے ہودہ مذاق کرتے ہوئے؟"

سیاہ فام لڑکی کی نگاہیں اس کے ہاتھوں میں پکڑی کتاب پہ جھکیں۔ ایک دم ہی اس کی آنکھوں کی [illegible] بجھ گئی۔

"مصحف واپس کرنے آئی ہو؟"

"مصحف؟" اکھڑی اکھڑی [illegible]

[illegible]

"ہم اہل ورلڈ (عربی [illegible]) قرآن کو مصحف کہتے ہیں۔"

"تم نے [illegible] کتاب [illegible] بنا کر قرآن تھما دیا۔ یہ [illegible] کتاب ہے [illegible] کہ یہ قرآن تھا۔"

"[illegible] قرآن ہوتا ہے۔" وہ اداسی سے [illegible] نے شانے اچکائے۔

"بہرحال تمہیں یہ پریکٹیکل جوک کر کے مجھے شرمندہ کرتے شرم آنی چاہیے۔ میں تو کیا سوچ رہی تھی اور تم نے مجھے ایک مقدس کتاب تھما دی؟"

"تو تم کسی غیر مقدس چیز کی توقع کر رہی تھیں کیا؟"

"جی نہیں۔" وہ تلملائی، پھر قرآن اس کی گود میں

رکھا۔ "یہ میرے پاس پہلے سے ہے، مجھے ضرورت نہیں ہے۔"

"بیٹھ کر بات کر لو۔"

"میں ٹھیک ہوں۔" وہ اسی طرح سینے پہ ہاتھ باندھے اکھڑی اکھڑی سی کھڑی رہی۔

"اچھا۔" اس نے نرمی سے [illegible] ہاتھ پھیرا۔ "تو تم نے [illegible] کہا۔ [illegible] میں صبح کی ساری اداسی سمو دی۔

"ہاں اور بچپن میں ہی [illegible] کہ ہم شروع سے [illegible] وہ ادا [illegible] کر بولی۔

"اور [illegible] کے بارے میں غلط فہمیاں [illegible] والی کتاب نہیں ہے، نہ [illegible] تمہاری اسٹوری ہے۔ لاحول ولا

اچھا۔" وہ ذرا سا مسکرائی۔ "چلو پھر بیٹھو اور مجھے بتاؤ کہ اس میں کیا ہے۔"

"اس میں احکامات ہیں، نماز، روزے، حج، زکوٰۃ کے۔" وہ اس کے ساتھ بنچ پہ بیٹھ کر اسے بہت سمجھ داری سے بتانے لگی۔ "اس میں پرانی قوموں کے قصے ہیں، قوم عاد، ثمود اور بنی اسرائیل۔"

"بنی اسرائیل کا کیا مطلب ہوتا ہے؟"

"مطلب؟" وہ ہکا بکا سا ہو کر بولی۔ "بنی اسرائیل کا مطلب ہوا اسرائیل کے بیٹے؟" وہ پوچھ رہی تھی یا بتا رہی تھی، خود بھی نہ سمجھ سکی۔

"اسرائیل کا مطلب عبداللہ ہوتا ہے۔ ایل اللہ کو کہتے ہیں۔ یہ یعقوب کا نام تھا۔"

"ہاں حضرت یعقوبؑ کا قصہ، حضرت یوسفؑ کا قصہ، سب پڑھ رکھا ہے میں نے، سب پتہ ہے مجھے۔ ہمیں تو کورس میں پڑھایا گیا تھا یوسفؑ اور زلیخا والا قصہ۔"

"یوسفؑ اور کس والا قصہ؟" سیاہ فام لڑکی کی آنکھوں میں حیرت ابھری۔

"یوسف اور زلیخا والا قصہ۔"

"عزیز مصر کی بیوی کا نام زلیخا تھا؟"

"کیا نہیں تھا؟" وہ کنفیوز ہو گئی۔ "[illegible] ہے تمہارے پاس؟ کوئی حجت؟"

"حجت؟" وہ [illegible] کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ "ہمارے کورس کی گائیڈ بک میں لکھا تھا۔"

"کورس کی گائیڈ بک انسان کی بات ہے اور انسان کی بات میں دلیل نہیں ہوتی۔ دلیل صرف قرآن یا حدیث سے پیش کی جاتی ہے کیونکہ وہ دونوں نازل خداوندی ہوتے ہیں۔ قرآن اور حدیث میں اور نہ ہی اسرائیلیات میں تمہیں بھی نہیں بتایا گیا کہ اس عورت کا نام زلیخا تھا۔" اس کا لہجہ نرم تھا۔ "مصر کی اس عورت سے ایک غلطی ہوئی تھی، ایک جرم سرزد ہوا تھا مگر اللہ نے اس کا پردہ رکھ لیا۔ اس کا اصل [illegible] نام نہیں اور جس چیز کا پردہ اللہ رکھے وہ کھل نہیں سک[illegible] مگر ہم نے "یوسف و زلیخا" کے قصے ہر مسجد و منبر پہ [illegible] کر سنائے۔ ہم کیسے لوگ ہیں؟"

"ہیں؟ تو اس کا نام زلیخا نہیں تھا؟" وہ ساری [illegible] بھلا کر حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

"اس کا نام راز ہے اور میرا اور تمہارا رب وہ [illegible] نہیں کھولنا چاہتا، سو یہ ہمیشہ راز ہی رہے گا۔"

"اچھا۔" اس نے شانے اچکائے۔ پہلی دفعہ [illegible] اپنی علمی کمتری کا خفیف سا احساس ہوا تھا، مگر ماننا [illegible] کی انا کی شکست تھی، سو لاپروائی سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولی۔

"بہرحال، مجھے افسوس ہے کہ تمہارا کانسیپٹ قرآن کے بارے میں غلط ہے۔ یہ کتا[illegible] وہ نہیں ہے جو تم اسے سمجھتی ہو۔"

"اور اگر یہ وہ نہ ہوئی جو تم اسے سمجھتی ہو تو؟"

"میں ٹھیک ہوں، مجھے سب پتہ ہے۔"

"تمہیں جو کوئی اس نور کی طرف بلائے گا، تم [illegible] بھی کھو گی؟"

"مگر تم نے یہ تو نہیں بتایا تھا کہ یہ قرآن ہے، [illegible] نے تو کچھ اور قصے سنائے تھے۔ آخر کیوں؟"

"اگر میں تمہیں تبلیغ کرتی تو تم اتنا کر مجھ [illegible] بھاگ جاتیں۔"

"اب بھی تو کیا ہوگا۔" وہ جتا کر بولی تو سیاہ فام لڑکی نے مسکرا کر سر جھٹکا۔

"لیکن اب تمہاری حجت تمام ہو چکی ہے۔ آگے تمہاری مرضی۔"

ایک سیاہ مرسڈیز زن سے ان کے سامنے سے گزری، تھوڑی دور جا کر اس کے ٹائر چرچراتے ہوئے رکے اور وہ تیزی سے ریورس ہوئی۔ محمل نے چونک کر دیکھا۔

ڈرائیونگ سیٹ پہ فواد تھا۔

وہ حیران سی کھڑی ہوئی۔ وہ اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ ساتھ ہی اس نے ہاتھ بڑھا کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا۔

وہ جیسے کھل کر مسکرائی اور بیچ پہ رکھا بیگ کندھے پہ ڈالا۔ سیاہ فام لڑکی نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا اور پھر محمل کی مسکراہٹ کو۔

"تمہارے پاس دو راستوں کا انتخاب تھا۔ مصحف یا دل۔ تم نے اپنا انتخاب کر لیا، مگر مجھے ساری زندگی افسوس رہے گا کہ میں تمہیں مصحف کی طرف نہ لا سکی۔ اب تمہیں جو بھی لے آئے، میرا اس میں حصہ نہ ہوگا۔ لیکن میں ہمیشہ تمہارے لیے دعا کروں گی۔"

سیاہ جلد والے مصحف کو سینے سے لگائے، اپنا بیگ کندھے پہ ڈال کر وہ اداس سیاہ فام لڑکی اٹھی اور خالی سڑک پہ ایک طرف کو چل دی۔ محمل نے دیکھا، وہ لنگڑا رہی تھی۔ وہ سر جھٹک کر گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

"جی فواد بھائی؟" اس نے فرنٹ سیٹ کے کھلے شیشے پہ جھک کر پوچھا۔

"تم بیٹھو۔"

"مگر..." وہ متذبذب ہوئی۔ "گھر تو کالج کا کہہ کر آئی تھی۔"

"کالج کیوں جانا ہے؟"

"ایسے ہی، فرینڈز کو گیدر کرنا [illegible]"

"پھر کبھی چلی جانا، ابھی بیٹھو۔" [illegible] کچھ اور سننے کے موڈ میں نہ تھا۔ وہ [illegible] مسکراہٹ دبائے اندر بیٹھی اور دروازہ بند کر دیا۔

ونڈ اسکرین کے اس پار وہ لنگڑاتی سیاہ فام لڑکی دور ہوتی جا رہی تھی۔ محمل کو نہیں علم تھا کہ وہ اسے اس اداس صبح میں آخری بار دیکھ رہی ہے۔ اس کا نام کیا تھا؟ وہ کدھر سے آئی تھی؟ وہ کچھ نہ جانتی تھی۔ مگر اس کے لنگڑا کر جاتے دیکھ کر اسے احساس ہوا کہ وہ لڑکی اسٹاپ پہ بس پکڑنے نہیں آئی تھی، بلکہ وہ تو شاید اس کے لیے آئی تھی اور شاید اس کے بس پکڑ لینے کے بعد یونہی چلی جاتی تھی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں فواد بھائی؟" فواد نے گاڑی آگے بڑھائی تو وہ پوچھ بیٹھی۔

"تم مجھے بھائی کہنا چھوڑ نہیں سکتی؟"

"وہ کیوں؟" دھڑکن بے ترتیب ہوئی مگر بظاہر وہ سادگی سے بولی تھی۔

"ایسے ہی..."

"ہم جا کہاں رہے ہیں؟"

"آفس! بتایا تو تھا۔" اسٹیئرنگ پہ ہاتھ رکھے ذرا سا چہرہ اس کی طرف موڑا اور مسکرایا۔

"آفس؟ آپ کے وہ واقعتاً" حیران رہ گئی۔ "مگر آغا جان نے تو منع کر دیا تھا۔"

"ان سے تو میں نے رسماً پوچھا تھا۔" [illegible]

"اور حسن بھائی نے بھی..."

"جہنم میں گیا حسن، تم [illegible] ہو گیا ہے کیا؟"

"جانا چاہتی ہوں۔" [illegible] وہ جلدی سے بولی۔

[illegible]

"[illegible] سے زندگی گزارو گی تو خوش رہو گی، ورنہ لوگ [illegible] ہضم کر جائیں گے۔ زندگی سے اپنا حصہ وصول کرنا سیکھو لڑکی!" وہ بہت موڈ میں ڈرائیو کر رہا تھا اور وہ یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اسے تو کچھ بھی نہ کرنا پڑا تھا اور قسمت اس پہ مہربان ہو گئی تھی۔

"اور یہ جوڑا جو تم نے پہن رکھا ہے، غالباً میں پچھلے دو سال سے دیکھ رہا ہوں۔"

"تین سال سے۔" اس نے تصحیح کی۔

"امیزنگ! یہ تمہاری کزنز تو تین بار سے زیادہ ایک جوڑا نہیں چلاتیں اور تم..."

"یہ تین سال پہلے عید پہ بنوایا تھا۔" محمل نے کرتے کے دامن پہ ہاتھ پھیر کر بغور اسے دیکھا۔

"میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہوتے کہ [illegible] بنوا سکوں۔ آغا جان تو بس عید کے [illegible] دیتے ہیں۔" اس کا جانے کیوں [illegible] آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو [illegible]

"ارے نہیں محمل! [illegible] روتے۔" اس کے رونے پہ وہ [illegible] گیا اور گاڑی سائیڈ پہ روک لی۔ "میرا [illegible] ہرٹ کرنا نہیں تھا اور جب تک [illegible] ہوں، تمہیں فکر کی ضرورت نہیں۔"

[illegible] سر اٹھایا۔ کانچ سی بھوری آنکھیں بھیگی ہوئی [illegible]

"اور ابھی آفس نہیں جاتے، جناح سپر چلتے ہیں، وہاں سے تمہارے لیے ڈریسز وغیرہ لیں گے۔ تم بہت خوب صورت ہو محمل! تمہیں خوب صورت چیزیں ہی پہننا چاہئیں۔" وہ اس کے بہت قریب مخمور سا کہہ رہا تھا، پھر چونکا اور ذرا سیدھے ہو کر اگنیشن میں چابی گھمائی۔

وہ سر جھکائے ہتھیلی کی پشت سے بھیگے رخسار رگڑنے لگی۔ ایک دلفریب مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر گئی تھی۔ "اگر جو تائی اماں کو پتا چلے کہ ان کا بیٹا عین میرے آنسوؤں کی اتنی پروا کرتا ہے تو کتنا مزا آئے۔"

فواد ترپ کا وہ پتا تھا جس کے ذریعے اسے ان سب ظالم لوگوں سے انتقام لینا تھا۔

وہ اسے ڈریسز آؤٹ لٹس پہ لے گیا۔ محمل ایک دو دفعہ ہی ندا، سامیہ وغیرہ کے ساتھ ادھر گئی تھی۔ رنگوں، خوشبوؤں اور خوابوں کی سرزمین۔ چمکتے سنگ مرمر کے فرش اور قیمتی ملبوسات۔ اسے لگا وہ کسی خواب میں چل رہی ہے، سب کچھ جیسے واقعی اس کے قدموں میں [illegible] ہو چکا تھا۔

"آج کل [illegible] کا فیشن ہیں اور جیسی کرتیاں [illegible] چلتی ہیں۔" ایک تنقیدی نگاہ اس پہ ڈال کر اس نے ایک [illegible] کراش کے لباس کا ہینگر اتارا اور اس کے کندھے کے ساتھ لگایا۔ "ہوں، یہ ٹھیک ہے، تمہیں کیسا لگا؟"

"اچھا ہے۔" وہ تو جیسے بول ہی نہ پا رہی تھی۔

"یہ پیک کر دیں۔" اس نے ہینگر بے نیازی سے سیلز گرل کی طرف بڑھایا اور دوسرے ریک کی طرف بڑھ گیا۔

"سدرہ کی منگنی کے لیے بھی کوئی اچھا جوڑا تو لینا ہو گا، ہے نا!"

"سدرہ باجی کی منگنی؟" وہ چونکی۔

"ہاں، اس کا رشتہ طے ہو گیا ہے اور نیکسٹ سنڈے اس کی منگنی ہے۔ تمہیں نہیں پتہ؟" وہ فارملز کے ریک سے کپڑے الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔

"نہیں۔" وہ گھر میں غائب دماغ رہتی تھی، یا تائی اماں لوگوں نے خبر چھپا کر رکھی تھی؟ وہ فیصلہ نہ کر سکی۔

"یہ منگنی کے فنکشن کے لیے لو، اچھا ہے نا!" اس نے ایک نارمل سا جوڑا نکال کر اسے دکھایا۔ محمل اس کے قریب چلی آئی۔

پی کاک گرین رنگ کی لمبی سی سیدھی قمیص، آدھی آستینیں، ساتھ سلور چوڑی دار پاجامہ۔ گہری سبز قمیص پہ بھی گلے اور دامن پہ سلور موتیوں کا نازک کام تھا۔

"ٹپیکل نہیں ہے، مگر بہت کلاسک سا ہے۔ یہ بھی پیک کر دیں۔" اس کے چہرے پہ پسندیدگی دیکھ کر اس نے وہ بھی سیلز گرل کو تھما دیا۔

"بس بس فواد بھائی! میں اتنا سب گھر میں کیسے لے کر جاؤں گی۔" جب وہ اگلے بوتیک کی طرف بڑھا تو اس نے گھبرا کر روک دیا۔

"واقعی۔ یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔ چلو پھر کچھ چھوٹی موٹی چیزیں لے لیتے ہیں۔" جوتے، پرفیومز، کاسمیٹکس، جیولری اور سبز اور سلور جوڑے کے ساتھ

چینج کروایا۔ کانچ کی چوڑیاں دلوا کر اس کے بعد اصرار یا آخر فواد نے بس کروایا۔

"میرا دل کرتا ہے محمل! میں تمہیں پوری دنیا خرید کر دے دوں۔ پتہ نہیں کیوں۔" وہ فرنٹ سیٹ کا لاک کھولتے ہوئے کہہ رہا تھا اور وہ وہیں دروازے کے ہینڈل پہ ہاتھ رکھے گم صم سی اسے دیکھے گئی۔ یہی سب تو چاہا تھا اس نے مگر کبھی سوچا ہی نہ تھا کہ یہ اتنی آسانی سے ہو جائے گا؟

پھوپو اسے فیکٹری لے گیا۔

"ہیڈ آفس میں پاپا اور حسن ہوتے ہیں۔ اسد چچا اور غفران چچا چنیدی والی برانچ میں ہوتے ہیں جبکہ میں فیکٹری سائیڈ پہ۔ تم آج سے روز ادھر میرے ساتھ کام کرو گی۔ میں تمہیں آہستہ آہستہ سب کام سکھا دوں گا۔ ٹھیک؟"

"ٹھیک ہے مگر میں گھر میں کیا کہوں گی؟"

"تم ٹیوشن پڑھانے جاتی ہو نا؟ تو بس تمہیں ایک ٹیوشن اور مل گئی ہے۔ جس کی پے سے تم نے اپنے لیے اتنی شاپنگ کر لی ہے۔ مسرت چچی کو شاپنگ کے بارے میں کچھ کہہ دینا اور باقیوں کو کچھ دکھانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ رائٹ؟ اب چائے لوگی یا کافی؟" وہ اپنی سیٹ سنبھالتے بے نیازی سے ہدایات دے کر فون کی طرف بڑھا تو وہ طمانیت سے مسکرا دی۔

"کافی۔" اور اس کے مقابل کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔

"گڈ۔" وہ بھی مسکرا دیا۔ مسکراتے ہوئے وہ بہت اچھا لگتا تھا۔

اس روز فواد نے اسے کوئی کام نہ کرنے دیا۔ وہ بس "ادھر بیٹھ کر مجھے آبزرو کرو اور سیکھو" کہہ کر اسے اپنے سامنے بٹھا دیا۔ کام کرتے کرتے وہ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر اسے مسکرا کر دیکھتا تو وہ ہنس پڑتی۔

وہ دن اسے اپنی زندگی کا بہترین دن لگا تھا۔

"اماں مجھے دوسری ٹیوشن بھی مل گئی ہے اب میں صبح جایا کروں گی۔"

مسرت اپنے کاموں میں [illegible] دھیان نہ

دیا اور اس نے خاموشی سے سارے کپڑے اور جیولری الماری میں رکھ دیں۔

پھر روز کا یہی معمول بن گیا۔ نادیہ کے والد کی اکیڈمی سے اس نے مہینے بھر کی چھٹی لے لی اور صبح سے شام ڈھلے فواد کے ساتھ فیکٹری چلی جاتی۔ اس نے آغا جان سے پیسے مانگنے چھوڑ دیے تھے اور جب سدرہ کی منگنی کے لیے آغا جان نے اسے کپڑے بنوانے کے لیے چند سو دینے چاہے تو اس نے بے نیازی سے انکار کر دیا۔

"تھینک یو آغا جان مگر میرے پاس پہلے ہی بہت ہیں۔ تین تین ٹیوشنز پڑھاتی ہوں، میرے خرچے پورے ہو ہی رہے ہیں۔ پھر بھی اگر چاہیے ہوں گے تو آپ سے مانگ لوں گی۔"

آغا جان اور تائی مہتاب نے پھر کبھی اس کے شام کو گھر آنے پہ اعتراض نہ کیا۔ محمل ان سے پیسوں کا مطالبہ نہیں کرتی تھی، انہیں اور کیا چاہیے تھا۔

✲ ✲ ✲

سیڑھیوں کے ساتھ لگے قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی وہ کان میں جھمکا پہن رہی تھی۔ جھمکا [illegible] تھا، اس کے سلور چوڑی دار پاجامے جیسا اور قمیص پہ بھی ایسا سلور کام تھا اور [illegible] آسمان پہ تارے بکھرے ہوں [illegible] اس کے بھورے گرداب [illegible] اور نازک کلائیوں میں بھر بھر [illegible] چوڑیاں۔ ہلکا سا میک اپ اور [illegible] بال سیدھے شانوں پہ بکھرے تھے۔

[illegible] میں جا کے ہی نہیں دے رہا تھا۔ وہ [illegible] دونوں ہاتھوں سے جھمکے کو کان کے سوراخ میں ڈالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ سب باہر لان میں جمع تھے۔ منگنی کا فنکشن شروع تھا اور ایک وہ اس کی تیاری رہتی تھی۔

"اف او۔" اس نے جھنجلا کر جھمکا کان سے ہٹایا۔ کان کی لو سرخ پڑ چکی تھی۔

"اب کیا کروں؟"

اسی پل آئینے میں اس کے پیچھے فواد کا چہرہ ابھرا۔

"فواد بھائی؟" وہ حیران سی پلٹی۔ "آپ ادھر؟ سب تو باہر ہیں۔"

"تم بھی تو ادھر ہو۔" وہ اس کے بالکل سامنے آ کھڑا ہوا۔ بلیک سوٹ میں وہ اتنا اسمارٹ، بندہ بنا بلیک جیلے جیسے مبہوت سا اسے دیکھے جا رہا تھا۔ اس کی [illegible] ارادی جھک گئیں۔

"تم کتنی خوب صورت ہو محمل!"

محمل کا دل زور سے دھڑکا۔ [illegible] پلکیں اٹھائیں۔ وہ اسی [illegible] سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں [illegible] سے اس کے رخسار سرخ پڑنے لگے۔

"وہ [illegible] پہنا نہیں جا رہا۔" وہ گھبرا کر [illegible] دیکھنے لگی۔

"[illegible] دکھاؤ۔" فواد نے اس کے ہاتھ سے جھمکا لیا، [illegible] اور ایک ہاتھ سے اس کا کان پکڑا اور دوسرے سے جھمکا ڈال دیا۔

"لو۔ اتنی سی بات تھی اور تم نے پورا کان سرخ کر ڈالا۔" اس نے نرم لہجے میں کہتے ہوئے اس کے بھورے بالوں کو چھوا اور پھر پیچھے ہٹ گیا۔ وہ بھی سنبھل کر جھمکے کا سہارا لگانے لگی۔

ایک دم ہی فواد کچھ کہے بنا باہر نکل گیا اور وہ جو پچھلے لمحے کے فسوں میں کھوئی تھی، چونک کر پلٹی۔ وہ دروازہ بند کر کے جا چکا تھا۔

"یہ کیا؟" وہ الجھ کر آئینے کی طرف پلٹی تو ٹھٹک گئی۔ حسن سیڑھیوں کے اوپر کھڑا تیکھی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ گڑبڑا کر جلدی جلدی بالوں میں برش پھیر کر جانے لگی، مگر حسن سیڑھیاں تیز تیز پھلانگتا نیچے آیا اور۔۔۔

"اگر آج کے بعد میں نے تمہیں فواد کے دس فٹ کے قریب بھی دیکھا تو ٹانگیں توڑ کر گھر بٹھا دوں گا سمجھیں۔" غصے سے اس کی کلائی پکڑ کر اس نے اتنی

زور سے جھٹکا دیا کہ وہ چیخ پڑی۔

"حسن بھائی! [illegible]"

"حسن بھائی! نہیں!" اس نے دوبارہ جھٹکا دے کر اس کی کلائی چھوڑی اور ایک غصیلی نگاہ ڈال کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

وہ ساکت سی اپنی جگہ کھڑی رہ گئی۔ اس نے سبز چوڑیوں والی کلائی تھامی تھی اور آدھی سے زیادہ چوڑیاں تڑ تڑ ٹوٹ کر گرنے لگی تھیں۔ بہت سا کانچ اسے چبھ گیا تھا اور جگہ جگہ سے خون کے قطرے رسنے لگے تھے۔

"یہ۔۔۔ حسن بھائی۔۔۔ انہیں کیا ہوا؟" وہ دکھ سے اپنی زخمی کلائی دیکھتی رہ گئی۔ سبز کانچ کے ٹکڑے فرش پہ بکھرے تھے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

یتیم ہونے کا یہ مطلب تھا کہ جس کا دل چاہے اس پہ ہاتھ اٹھائے؟ وہ آنسو پیتی اندر کے زخم کو بمشکل برداشت کا مرہم لگاتی جھک کر کانچ چننے لگی۔ دل چاہ رہا تھا کہ خوب روئے مگر خود کو سنبھالتے وہ دوسری چوڑیاں پہن کر باہر آ گئی۔

سدرہ بڑے صوفے پہ دلہن کی طرح سجی سنوری بیٹھی تھی۔ عام سی شکل کی سدرہ بہت میک اپ کے باوجود بھی عام لگ رہی تھی۔ اس کا منگیتر قدرے موٹا تھا اور خاصا شرمایا ہوا بھی۔ اس میں کچھ ایسا نہ تھا کہ کوئی متاثر ہوتا اور ندا اور سامیہ تو مسکرا مسکرا کر دل جلے تبصرے بھی کر رہی تھیں۔ سننے میں آیا تھا کہ وہ مہتاب تائی کی کسی سیکنڈ کزن کا بیٹا تھا۔ یہیں اسلام آباد میں ایک اچھی پوسٹ پہ کام کر رہا تھا۔ جانے کب رشتہ آیا اور ہاں ہوئی، اسے اور مسرت کو تو غیروں کی طرح خبر دی گئی تھی۔

لان میں قمقموں اور روشنیوں کی بہار تھی۔ وہ جس وقت باہر آئی تو رسم ہو رہی تھی اور سب خواتین ایک دوسرے کو مٹھائی کھلا رہی تھیں۔ سب ہنس بول رہے تھے۔

وہ خاموشی سے گھاس پہ چلتی ہوئی ایک کرسی پہ آ بیٹھی۔ اس کا دل [illegible] اور آنکھیں غمگین تھیں۔

فواد بھی وہیں اسٹیج پہ کسی کی بات پہ ہنستا ہوا اپنے بہنوئی کو شاباشی کھلا رہا تھا۔ تحمل نے اردگرد متلاشی نگاہوں سے دیکھا۔ اسٹیج کے سامنے گھاس پہ ساڑھی میں ملبوس فضہ اپنی کسی جاننے والی خاتون سے جسے حسن کا تعارف کرا رہی تھیں۔ حسن کے بازو کو تھامے وہ بہت فخر سے اس کے متعلق بتا رہی تھیں اور وہ مسکراتے ہوئے ان خاتون سے بات کر رہا تھا۔ اس نے بھی بلیک ڈنر سوٹ پہن رکھا تھا اور بلاشبہ وہ بہت گڈ لکنگ تھا۔

تحمل نے دکھ سے اسے دیکھا۔ اس پل اسے حسن سے بڑا منافق اور دوغلا شخص کوئی نہ لگا تھا۔ حسن نے اس کی نازک کلائی کو ہی نہیں اس کے دل کو بھی زخمی کر دیا تھا۔ سارے فنکشن کا مزا خراب ہو گیا تھا۔ وہ اتنی بددل اور غم زدہ بیٹھی تھی کہ احساس ہی نہیں ہوا وسیم کب اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔

"آج کتنوں کو گرانے کا ارادہ ہے 'سرکار'؟" وہ ایک دم بہت قریب آ کر بولا تو وہ اچھلی وہ اپنے ازلی لوفرانہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"بڑے لشکارے ہیں چھوٹی کزن 'خیریت'؟" وہ معنی خیزی سے پھر مسکرایا تو وہ گھبرا کر اٹھی اور لڑکیوں کے گروپ کی طرف بڑھ گئی۔ ساتھ ہی بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتی۔ وسیم ادھر ادھر گھومتے مسلسل اسے اپنی نگاہوں کے حصار میں رکھے ہوئے تھا۔

وہ بچتی بچاتی لوگوں میں ہی گھری رہی۔ وہ سب کزنز بہت خوش اور ایک ساتھ مکمل نظر آ رہے تھے۔ صرف وہ ایک فالتو کردار تھی۔ حالانکہ کتنی ہی عورتوں نے پوچھا تھا کہ یہ سبز اور سلور کپڑوں والی لڑکی کون ہے؟ وہ تھی ہی اتنی منفرد اور الگ مگر ہر شے سے بے خبر وہ سارا وقت افسردہ ہی رہی۔

سدرہ کی منگنی پہ جتنے خفل اور مزے کا اس نے سوچا تھا اس سے بڑھ کر وہ بدمزہ ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

فواد اسے آفس میں چھوٹے موٹے کام دینے لگا تھا۔ زیادہ تر اسے پیپر ورک پہ ہی لگاتا۔

"یہ ڈرافٹ بنوانا ہے 'اپنی نگرانی میں فنانس کے ذاکر صاحب سے بنوا لاؤ۔"

"اس چیک پہ سائن کروانے ہیں 'مفتی صاحب سے کروا لاؤ۔"

اور یہ سارے کام بہت احتیاط طلب ہوتے تھے۔

اسے اچھا لگتا کہ وہ اس پہ بھروسہ کرتا ہے' اس کا خیال کرتا ہے۔ دوپہر کا کھانا وہ اکٹھے ہی کھاتے' باقی وقت وہ اپنے آفس میں کام کرتا تو تحمل اپنے کیبن میں بیٹھ کر دوسروں کا بغور مشاہدہ کرتی۔ کبھی کبھی اسے احساس ہوتا کہ اتنے دن گزر جانے کے بعد بھی نہ تو وہ زیادہ کام کے بارے میں سمجھ پائی ہے اور نہ ہی وہ اور فواد زیادہ قریب آئے ہیں۔ وہ ہمیشہ اس کی پسند کی چیز منگواتا' اس سے اس کی اسٹڈیز اور مشاغل کے متعلق ہلکی پھلکی گپ شپ کرتا مگر اس شام آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر جھمکا پہنانے جیسی بے خودی اور "جرأت" پھر اس نے نہیں کی تھی۔

اس روز وہ صبح فواد کے ساتھ آفس نہیں گئی تھی۔

"دوپہر میں اسٹاپ پہ آنا' میں تمہیں پک کر لوں گا' آج مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" وہ صبح [illegible] سے کہہ گیا تھا' اور اب وہ سوچ [illegible] میں اوپر ٹیرس پہ بیٹھی چائے پی رہی [illegible] جانے فواد کو کیا بات کرنی [illegible] تھا' وہ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے [illegible] سب تکتی سوچے جا رہی تھی۔ [illegible] ساتھ والوں کے لان پہ جھلک رہی [illegible] پہ سفید چادریں بچھی ہوئی تھیں [illegible] سفید شلوار قمیص اور ٹوپیوں والے لڑکے بیٹھے ہل ہل کر سیپارے پڑھ رہے تھے۔ درمیان میں ایک چھوٹی میز تھی' اس پہ ایک بڑا سا قرآن اور کچھ سیپارے رکھے تھے۔ ساتھ ہی اگربتیاں جل رہی تھیں۔

وہ بلا ارادہ ہی بوسیدہ بند قرآن کو دیکھے گئی۔ ذہن کے کسی نہاں خانے سے وہ چہرہ نکل کر اس کی آنکھوں کے سامنے آیا تھا۔

سیاہ فام لڑکی کا چہرہ۔ سیاہ آنکھیں اور موٹے موٹے سیاہی مائل ہونٹ۔ وہ مصحف کو چھوتے سے لگائے لڑکھڑاتی ہوئی سڑک پہ دور جا رہی تھی۔ کبھی کبھی اسے وہ منظر یاد آتا تو یوں لگتا کہ شاید۔۔۔ شاید جاتے سے اس کی سیاہ آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ کیوں رو رہی تھی وہ سمجھ نہ پائی تھی۔

اسی طرح بچے ہل ہل کر سیپارے پڑھ رہے تھے۔ اس نے دیکھا کونے میں بیٹھے ایک [illegible] سیپارے کا صفحہ الٹتے ہوئے احتیاط سے [illegible] اور پھر وہ صفحے الٹ [illegible]۔ چند لمحے [illegible] پاس کھجائی اور کسی [illegible] اٹھے پھر سے اسے الٹ [illegible] اور پھر [illegible] میں لٹک لٹک کر پڑھنے لگا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی [illegible] تحمل ہنس دی۔ وہ چھوٹا سا بچہ اپنی [illegible] میں اپنے اردگرد کے لوگوں کو دھوکہ دے [illegible] مگر شاید رب کو وہ جان نہ پائی۔

بچے آہستہ آہستہ اٹھ کر سیپارے رکھنے لگے' یہاں تک کہ سارے سیپاروں کا واپس میز پہ ڈھیر لگ گیا تو قادری صاحب نے قریب کھڑے ملازم کو اشارے سے اپنی طرف بلایا۔

"قرآن خوانی ہو چکی ہے۔ بریگیڈیئر صاحب کو بلا دیجیے کہ دعا میں شرکت کر لیں۔" ملازم سر ہلا کر اندر چلا گیا۔

وہ فواد کو بھول کر دلچسپی اور تجسس سے ریلنگ سے جھکی 'ساری کارروائی دیکھنے لگی۔ چائے کا کپ اس نے ایک طرف ڈال رکھا تھا۔

چند منٹ بعد ملازم برآمدہ عبور کر کے لان میں اتر آیا۔ قادری صاحب جو منتظر سے بیٹھے تھے 'سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔

"سر کہہ رہے ہیں کہ وہ بزی ہیں' دعا میں شرکت نہیں کر سکتے' مگر آپ کا شکریہ کہ آپ نے قرآن پڑھ دیا۔ سر کہہ رہے ہیں کہ انہیں سکون نہیں ہے' باقی سب ٹھیک ہے' بس یہی دعا کروا دیں کہ انہیں سکون مل جائے۔"

قاری صاحب نے گہری سانس لی اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔

وہ بھی ساکت سی سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ دل میں نامعلوم سا افسوس اتر آیا تھا۔ ایک عجیب سا احساس ندامت عجیب سی بے کلی۔ وہ اس احساس کو کوئی نام تو نہ دے سکی تو چائے کا کپ اٹھائے نیچے اتر آئی۔

اور پھر دوپہر تک وہ اس واقعے کو بھول بھال چکی تھی۔

اسٹاپ پہ مقررہ وقت پہ فواد کی مرسڈیز آتی دکھائی دی تو وہ خوش اور پرشوق سی تیزی سے اٹھی۔

"کیسی ہو؟" وہ دروازہ کھول کر اندر بیٹھی تو وہ مسکرا کر جیسے بے تابی سے پوچھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہوں فواد بھائی! آپ کیسے ہیں؟" وہ سادگی سے کہہ کر بیگ کندھے سے اتار کر پیچھے رکھنے لگی۔ اپنے انداز سے اس نے کبھی فواد پہ یہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ اس کے جذبات تک رسائی حاصل کر چکی ہے۔ وہ ہمیشہ خود کو اس کے احسانوں کے بوجھ تلے ممنون ظاہر کرتی تھی۔

"آج کا دن بہت اسپیشل ہے تحمل!" وہ کار سڑک پہ ڈال کر بہت جوش سے بتا رہا تھا۔ "آج مجھے تم سے بہت کچھ کہنا ہے۔"

"جی کہیے۔"

"اونہوں ابھی نہیں ابھی سرپرائز نہیں کھول سکتا۔"

"اچھا ایسا کیا ہے فواد بھائی؟"

"تم خود دیکھ لینا خیر ابھی تو ہم شاپنگ پہ چل رہے ہیں۔ تمہارے لیے کچھ بہت اسپیشل لینا ہے۔"

"کپڑے؟ مگر ابھی تو کوئی فنکشن قریب نہیں ہے۔"

"ہے نا! آج ہے کچھ خاص۔"

"اچھا؟ کون کون ہو گا ادھر؟"

"میں اور تم۔" اس نے مبہم سا مسکرا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"آفس میں؟" وہ کچھ کچھ سمجھ رہی تھی مگر انجان

تھی رہی۔

"اونہوں۔ میریٹ میں آج ہم ساتھ ڈنر کریں گے۔"

"میریٹ؟" لمحے بھر کو تو وہ سانس لینا بھول گئی تھی۔ میریٹ میں ڈنر تو کیا اس نے تو کبھی اندر سے میریٹ کی شکل بھی نہ دیکھی تھی۔ لیکن پھر ڈنر کا لفظ اسے ذرا سا پریشان کر گیا۔

"میں اتنی رات کو کیا کہہ کر باہر رہوں گی فواد بھائی؟"

"نہیں ہم جلدی آجائیں گے اور آج رات میں خود تمہیں گھر لے کر جاؤں گا سب کے سامنے لیکن آف کورس تمہارے جواب کے بعد۔"

"جواب؟ کس چیز کا جواب؟"

"کچھ پوچھنا ہے تم سے۔"

اس کا دل زور سے دھڑکا۔ کیا جو وہ سمجھ رہی تھی، سچ تھا؟

"مگر کیا؟"

"یہ تو وہیں بتاؤں گا۔ آؤ، کچھ کپڑے لیتے ہیں تمہارے۔" وہ کار پارک کر کے سیٹ بیلٹ ہٹا رہا تھا۔

"مگر یہ ٹھیک تو ہیں۔" اس نے معمولی سا احتجاج کیا۔

"اونہوں۔ آج تمہیں اسپیشل تیار ہونا پڑے گا۔" اس کے انداز میں نرم سی دھونس تھی۔ وہ ہنس کر "اچھا" کہتی نیچے اتر آئی۔

وہ اسے ایک خاصے مہنگے بوتیک لے آیا تھا۔ کپڑوں سے زیادہ کپڑوں کی قیمتیں ہوش اڑا دینے والی تھیں۔ وہ خود ہی آگے بڑھ کر کپڑے ادھر ادھر الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا پھر رک کر پوچھا۔

"تمہیں ساڑھیاں پسند ہیں محمل؟"

"ساڑھیاں؟" وہ حیران ہوئی۔ "جی مگر وہ بہت فارمل ہے۔"

"کوئی اگر مگر نہیں، یہ ساڑھی دیکھو کیسی ہے؟" اس نے ایک سیاہ ساڑھی آگے کی۔ سیاہ شفون کی ساڑھی پہ سلور منقش [illegible] وہ اتنی خوب صورت، جھلملاتی ساڑھی تھی کہ نظریں خیرہ کر دیتی۔

"اچھی ہے مگر بہت قیمتی ہے۔"

"تم سے زیادہ قیمتی نہیں ہے، یہ پیک کر دیں۔"

پھر میچنگ جوتے اور ایک نازک سا سلور نگوں والا آرٹیفشل کنگن لیتے خاصا وقت لگ گیا۔ وہ پیچھے چلنے لگی تھی جب وہ جیولری شاپ میں داخل ہوئے۔ گولڈ اینڈ ڈائمنڈ جیولری شاپ میں محمل کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ "کیا فواد اس کے لیے کچھ اتنا قیمتی لینے جا رہا تھا؟ کیا وہ اس کے لیے اتنی خاص تھی؟"

"ڈائمنڈ رنگز دکھائیے۔" وہ کرسی کھینچ کر ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھا قدرے تحکم و رعب سے بولا تو محمل تو سانس لینا ہی بھول گئی۔ خدا اس طرح چھپر پھاڑ کر بھی مہربان ہوتا ہے اسے آج پتا چلا تھا۔

معمر باریش سنار صاحب نے فوراً کچھ سیاہ کیس سامنے کیے اور جیسے جیسے وہ سیاہ کیس کھولتے جا رہے تھے، جگر جگر کرتی ہیرے کی انگوٹھیوں سے اس کی آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔

"سر solitaire میں دکھاؤں؟"

"ہاں، بالکل۔"

وہ تو بالکل چپ ہی بیٹھی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ری ایکٹ کس طرح کرے۔

فواد کو کوئی رنگ پسند نہیں آ رہی تھی، وہ اس سے رائے بھی نہیں لے رہا تھا۔ [illegible] وہ انگوٹھیاں رد کرتا جا رہا تھا۔

"یوں کرو تم [illegible] رنگ بعد میں لے لیں گے۔" [illegible] اس نے گھڑی دیکھی۔

"میری [illegible] ایک میٹنگ ہے، بہت ضروری [illegible] نہیں کر سکتا، چھ سے سات تمہیں میرے ساتھ [illegible] میں بیٹھنا پڑے گا اور پھر سات بجے ہم اکٹھے میریٹ کے لیے نکلیں گے۔ سو تم ابھی تیار ہو جاؤ۔"

"کدھر؟" وہ واقعی حیران ہوئی تھی۔

"پارلر میں اور کدھر؟ میں نے تمہارے لیے اپائنٹمنٹ لے لی تھی، تم صرف اندر جانا اور وہ تمہیں تیار کر دیں گی۔"

وہ اسے قریبی پارلر لے آیا تھا اور پھر ویسے ہی ہوا جیسے اس نے کہا تھا۔ محض ایک گھنٹے بعد جب وہ پارلر کے قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی خود کو دیکھ رہی تھی تو اسے خود پہ رشک آیا تھا۔

سیاہ منقش کی جھلملاتی ساڑھی میں اس کا دراز قد سیاہ و سلور پنسل ہیل کے باعث مزید [illegible] ہو گیا تھا۔ لمبی صراحی سی گردن اونچے جوڑے کے باعث بے حد دلکش لگ رہی تھی۔ جوڑے سے [illegible] چند لٹیں گھنگھریالی کر کے اس کی گردن اور [illegible] پہ جھول رہی تھیں۔ لائٹ [illegible] کے ساتھ بلیک اسموکی آئیز اور سیاہ ساڑھی کی جھلملاتی آستینوں سے جھلکتے اس کے [illegible] بازو [illegible] وہ [illegible] رہی تھی کہ خود کو دیکھ کر اس کا [illegible] رہا تھا۔

وہ باہر آئی تو وہ جو اس کے انتظار میں گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا، بے اختیار سیدھا ہوا اور پھر مبہوت سا دیکھتا رہ گیا۔ وہ ساڑھی کا پلو انگلی سے لپیٹے احتیاط سے سیلون کے باہر کی سیڑھیاں اتر رہی تھی۔

"اتنی حسین ہو تم محمل؟ مجھے اتنے برس پتا ہی نہیں چلا۔" وہ جیسے متاسف ہوا تھا۔ وہ بے اختیار مسکرا دی۔

"ٹھیک ہو، چلیں؟" اس نے آسمان کو دیکھا، جہاں شام ڈھلنے کو تھی۔

"ہاں میری میٹنگ شروع ہونے میں زیادہ وقت نہیں ہے۔ چلو۔" ایک بھرپور مسکراتی نگاہ اس پہ ڈال کر وہ کار کا لاک کھولنے ہی لگا تھا کہ اس کا سیل فون بج اٹھا۔

"اس وقت... کون؟" کہتے کہتے اس نے اسکرین کو دیکھا اور پھر چونک کر فوراً کان سے لگایا۔

"جی ملک صاحب! خیریت؟ جی کیا مطلب؟" اس نے لب بھینچ کر کچھ دیر کو دوسری طرف سے سنا۔ "مگر آپ نے ان کو بتایا تھا کہ آپ کو میں نے ہی بھیجا ہے؟ مگر کیوں؟ انہوں نے سائن کیوں نہیں کیے؟" اور ایک دم اسے فواد کے چہرے پہ ابھرتی غصے کی لہر دکھائی دی۔ "[illegible] افسر ہو یا جو بھی، تمہیں اس سے کیا غرض؟ آپ کو پتا ہے ملک صاحب اگر انہوں نے فائل سائن نہ کی تو صبح تک ہماری فیکٹری ڈوب جائے گی، ہم برباد ہو جائیں گے۔" اس نے رک کر کچھ سنا اور ایک دم جیسے بدک گیا۔ "کیا مطلب؟ میں اس وقت کیسے آ سکتا ہوں اتنی دور؟ میری میٹنگ ہے صدیق صاحب کے ساتھ، چھ سے سات میں ابھی اے ایس پی صاحب سے کیسے ملنے آ سکتا ہوں؟ کیا بکواس ہے؟"

اس نے جھلا کر فون بند کر دیا۔

"کیا ہوا؟" وہ گھبرا کر قریب آئی۔

"معلوم نہیں اب کیا ہو گا۔" وہ پریشانی سے کوئی دوسرا نمبر پریس کرنے لگا۔ لمحے بھر کو تو وہ جیسے بھول ہی گیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کھڑی ہے۔

"جی راؤ صاحب، میں نے ملک الیاس کو بھیجا تھا آپ کی طرف۔۔۔ مگر راؤ صاحب اتنی بھی کیا بے اعتباری؟" اس نے رک کر دوسری طرف سے سنا اور پھر جیسے ضبط کرتے ہوئے بے بسی سے بولا۔ "آپ کے اے ایس پی کا دماغ تو ٹھیک ہے؟ اس کا باپ جاگیردار ہو گا اپنے گھر کا، ہم ان کے مزارعے نہیں ہیں۔ بورڈ آف ڈائریکٹرز میں سے کسی کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ ان کی ایک کال پہ چلا آئے، نہ ہی۔۔۔" وہ لمحے بھر کو رکا اور پھر "میں کچھ دیر میں آپ کو بتاتا ہوں۔" کہہ کر وہ اب کوئی اور نمبر ملانے لگا تھا۔ "اے ایس پی ہمایوں داؤد، جانے مسئلہ کیا ہے اس شخص کا۔"

محمل بددل سی اس کے ساتھ گاڑی کے باہر کھڑی تھی۔ نجانے کیا ہوا تھا، دل میں عجیب عجیب سے وسوسے آ رہے تھے۔

"خیریت ہے فواد بھائی؟"

"خیریت ہی نہیں ہے۔ اے ایس پی کا بچہ جان کو آ گیا ہے، کہتا ہے کمپنی کے مالکوں کو بھیجو تو فائل ریو ہو گی، میں ملازموں سے بات نہیں کرتا۔ اب کس کو بھیجوں ادھر؟ وہ ابھی اسی وقت بلا رہا ہے اور اس کے گھر پہنچنے میں آغا جان یا حسن کو ڈیڑھ گھنٹہ تو لگ ہی

جائے گا، اور اگر نہ پہنچے تو میرا کروڑوں کا پروجیکٹ ڈوب جائے گا۔" وہ جھنجلا کر بار بار کسی کو فون ملا تا بہت بے بس لگ رہا تھا۔ "اب یہی حل ہے کہ میں ابھی اس کے پاس چلا جاؤں اور واپس آ کر صدیقی صاحب سے میٹنگ کرلوں۔"

"اور ڈنر کینسل؟" اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔

"کرنا پڑے گا محمل!" اس نے ہاتھ روک کر محمل کا تاریک پڑتا چہرہ دیکھا۔ "آئی ایم سوری، میں یوں تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا مگر میری مجبوری ہے، وہ ملازموں سے بات نہیں کرے گا، گھر کے بندے کو ہی جانا پڑے گا۔"

"میں بھی ملازم ہوں فواد بھائی؟" ایک خیال سا اس کے ذہن میں ابھرا۔

"کیا مطلب؟" وہ جیسے چونکا۔

"اگر... اگر میں آپ کے دو کاموں میں سے کوئی ایک کروں تب تو ہم ڈنر پہ جاسکتے ہیں نا؟" وہ ہچکچا کر بولی کہ کہیں وہ برا نہ مان جائے۔

"ارے مجھے یہ خیال کیوں نہیں آیا؟ تم بھی تو کمپنی کے اونرز میں سے ہو، تم بھی تو یہ فائل سائن کروا سکتی ہو۔ بلکہ یوں کرتے ہیں، تم ڈرائیور کے ساتھ فائل لے کر چلی جاؤ، جب تک میں صدیقی صاحب سے نپٹ لیتا ہوں، اور پھر ڈرائیور تمہیں ہوٹل لے آئے گا، ٹھیک؟" اس نے منٹوں میں سارا پلان ترتیب دے دیا، وہ گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

"ٹھیک ہے، میں پھر چینج کرلوں۔"

"نہیں نہیں ایسے ہی ٹھیک ہے، اس طرح تو تم واقعی کوئی پُراعتماد اگزیکٹو لگ رہی ہو۔ یہ ساری بزنس ویمن فارمل ایسے ہی ڈریس اپ ہوتی ہیں۔ میں ڈرائیور کو کال کرلوں۔"

وہ مطمئن تھا مگر محمل کو قدرے عجیب سا لگ رہا تھا۔ وہ اتنی قیمتی اور جھلملاتی ساڑھی میں ڈنر کے لیے تیار لگ رہی تھی، کسی آفس جانے کے لیے موزوں نہیں، لیکن اگر فواد کہہ رہا تھا تو ٹھیک ہی کہہ رہا ہوگا۔ یہ خیال کر کے وہ ڈنر پہ جا رہے تھے، اس نے پھر سے ایکسائٹڈ کر دیا۔

سارا راستہ وہ پچھلی سیٹ پہ ٹیک لگائے آنکھیں موندے اس ہیرے کی انگوٹھی کے متعلق سوچتی آئی تھی، جو فواد نے یقیناً لے لی ہوگی اور جب وہ تائی اماں کے سامنے کھڑا ہو کر محمل سے شادی کی بات کرے گا، تب تو مانو گھر میں طوفان ہی آ جائے گا۔ مگر اچھا ہے، ایسا ایک طوفان ان فرعونوں کو لرزانے کے لیے آنا چاہیے۔

وہ پُرسکون، مطمئن اور پُراعتماد تھی۔

گاڑی طویل ڈرائیو وے عبور کر کے پورچ میں رکی تو وہ ایک ستائشی نگاہ خوب صورت سے لان پہ ڈالتی نیچے اتری۔

مین ڈور پہ ایک سوٹڈ بوٹڈ ادھیڑ عمر شخص جیسے منتظر سا کھڑا تھا۔

"اے ایس پی ہمایوں داؤد...؟" اس نے ذہن میں اندازہ لگایا اور فائل مضبوطی سے پکڑے اعتماد سے چلتی ان کے قریب آئی۔

"میں آغا گروپ آف انڈسٹریز سے...؟"

"جی میڈم محمل ابراہیم! آئیے، اے ایس پی صاحب اندر آپ کا ہی انتظار کر رہے ہیں۔" اس نے دروازہ کھول کر راستہ دیا۔ وہ لمحے بھر کو ٹھٹکی اور پھر خود کو ڈپٹتے ہوئے اندر قدم رکھا۔

روشنیوں میں گھرا... اور قیمتی سامان سے آراستہ گھر اندر سے... خوب صورت تھا کہ خود کو سنجیدہ رکھنے کی کوشش کے باوجود اس کی نگاہیں بھٹک بھٹک کر اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"اے ایس پی صاحب کدھر...؟"

"وہ اندر آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" وہ اس کے آگے تیز تیز چلتے ہوئے لاؤنج میں لے آیا۔ "سر! یہ پہنچ گئی ہیں۔"

اس نے لاؤنج میں قدم رکھا تو سامنے بیٹھے شخص کو اپنی طرف متوجہ پایا۔

وہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے صوفے پہ بیٹھا تھا۔ تھوڑی سی شیو بڑھی تھی اور بال ماتھے پہ بکھرے تھے۔ بلیک کوٹ میں ملبوس، جس کے اندر سفید شرٹ کے دو بٹن اوپر سے کھلے تھے۔ ایک ہاتھ میں اورنج جوس سے بھرا وائن گلاس پکڑے وہ بغور اسے اندر آتے دیکھ رہا تھا۔

ایک لمحے کو تو محمل کے قدم ڈگمگا گئے۔ اس کا پالا زیادہ تر گھر کے لڑکوں سے ہی پڑا تھا۔ وہ سب خوش شکل تھے، کچھ دولت کی چمک دمک سے بھی اسٹائلش لگتے تھے، باقی اس کے ... کوئی اتنی متاثر کن شخصیت کا مالک... صوفے پہ بیٹھا وہ مغرور سا ... کچھ ... ہینڈسم... بے حد ہینڈسم... اس نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔

وہ... ہوتے ہوئے بھی مرعوب ہوگئی۔

وہ خاموشی سے اسے بغور جانچتی نگاہوں سے دیکھتا رہا، یہاں تک کہ وہ آکر سیدھی سامنے والے صوفے پہ بیٹھی اور فائل سامنے میز پہ رکھ دی۔ اب اس کا اعتماد کسی حد تک بحال ہونے لگا تھا۔

"یہ فائل اپروو کروانی تھی اے ایس پی صاحب!" وہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے اس کے مقابل بیٹھی خاصے اعتماد سے بولی تو وہ ذرا سا مسکرایا، پھر سامنے ہاتھ باندھے کھڑے سوٹڈ بوٹڈ شخص کو دیکھا۔

"ان کو آغا فواد کریم نے ہی بھیجا ہے راؤ صاحب؟" مسکرا کر کہتے اس نے جوس کا گلاس لبوں سے لگایا۔

محمل نے ذرا چونک کر راؤ کو دیکھا۔

وہ بھی مسکرا دیا تھا۔

کچھ تھا ان دونوں کی معنی خیز مسکراہٹ میں کہ دور اس کے ذہن میں خطرے کا الارم بجا۔

"تو آپ فائل اپروو کروانے آئی ہیں؟" وہ استہزائیہ مسکراتی نگاہوں سے کہہ رہا تھا۔ محمل کو الجھن ہونے لگی۔

"جی، یہ آغا گروپ آف انڈسٹریز کی فائل ہے اور...!"

"اور آپ کی اپنی فائل؟ وہ کہاں ہے؟" اس نے

گلاس سائیڈ پہ رکھا اور قدرے جھک کر ہاتھ بڑھا کے فائل اٹھائی۔

"میری کون سی فائل؟" کچھ تھا جو اسے کہیں غلط لگ رہا تھا۔ کہیں کچھ بہت غلط ہو رہا تھا۔

"آپ جائیں راؤ صاحب!" اس نے فائل کے صفحے پلٹا کر ایک سرسری نگاہ ڈالی اور پھر فائل اس کی طرف بڑھائی۔ محمل لینے کے لیے اٹھی مگر بہت تیزی سے راؤ صاحب نے آگے بڑھ کر فائل تھامی۔

"اور جا کر آغا فواد کے ڈرائیور کو کہیں کہ فائل اپروو ہے۔ صبح ان کو رسید مل جائے گی۔"

"بہتر سر!" راؤ صاحب فائل لے کر پلٹے تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے دیں میں لے جاتی ہوں۔"

وہ دونوں ایک دم چونکے تھے اور پھر رک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ ہمایوں نے اشارہ کیا تو راؤ صاحب سر ہلا کر باہر نکل گئے۔

"آپ بیٹھے مادام ڈرائیور دے آئے گا۔"

ایک دم ہی اس کے کانوں میں خطرے کی گھنٹی زور زور سے بجنے لگی تھی۔ اسے لگا وہ غلط وقت پہ غلط جگہ اور غلط لوگوں کے درمیان آگئی ہے۔ اسے وہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔

"نہیں میں چلتی ہوں۔" وہ پلٹنے ہی لگی تھی کہ وہ تیزی سے اٹھا اور زور سے اس کو بازو سے پکڑ کر اپنی طرف گھمایا۔ اس کے لبوں سے چیخ نکلی۔

"زیادہ اوور اسمارٹ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو کہا جا رہا ہے ویسے ہی کرو۔" اس کے بازو کو اپنی آہنی گرفت میں دبوچے وہ غرایا تھا۔ لمحے بھر کو تو زمین آسمان محمل کی نگاہوں کے سامنے گھومنے لگے۔

"چھوڑیں مجھے۔" وہ سنبھل ہی نہ پائی تھی کہ ہمایوں داؤد نے اس کی دونوں بازوؤں کو ہاتھوں میں پکڑ کر اسے جھٹکا دے کر اپنے بالکل سامنے کیا۔

"زیادہ چالاکی دکھائی تو اپنے پیروں پہ گھر نہیں جاؤ گی۔"

"مم... مجھے چھوڑیں۔ مجھے گھر جانا ہے۔" محمل نے اس کو پرے دھکیلنا چاہا مگر اس کی گرفت بہت مضبوط تھی۔

"گھر جانا ہے؟ گھر ہی جانا تھا تو یہ اتنے بناؤ سنگھار کیوں کیے تھے ہوں؟" اس نے ہولے سے اس کی تھوڑی کو انگلی سے اوپر کیا۔ دوسرے ہاتھ سے کلائی اتنی مضبوطی سے جکڑ رکھی تھی کہ وہ ہل نہ پائی اور گھبرا کر چہرہ پیچھے کیا۔

"میں فنکشن پہ جا رہی تھی، آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔ آپ فواد بھائی سے میری بات کرائیں وہ آپ کو بتائیں گے کہ..."

"بھائی؟" وہ چونکا۔ "آغا فواد تمہارا بھائی ہے؟"

"جی... جی... وہ میرے بھائی ہیں" آپ بے شک ان سے پوچھ لیں۔ مجھے یہاں نہیں آنا تھا فواد بھائی کو خود آنا تھا مگر ان کی میٹنگ تھی۔" وہ ایک دم رونے لگی تھی۔ "آپ پلیز مجھے گھر جانے دیں میں غلط لڑکی نہیں ہوں میں ان کی بہن ہوں۔"

"جھوٹ بول رہی ہے۔" راؤ پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔ "اسی کو ادھر آنا تھا۔ چار بجے پہلے تو ڈیل ہوئی تھی اور اسی کے نام سے ہوئی تھی۔ کم عمر خوب صورت اور ان چھوئی۔ آغا نے کہا تھا یہ ہماری [illegible] اپنی آفر تھی ہے۔" راؤ کا لہجہ سپاٹ تھا [illegible] نام ہے نا تمہارا؟! تم آغا کی بہن [illegible]؟ وہ تین کروڑ کے نفع کے پیچھے اپنی بہن [illegible] کے لیے نہیں بیچ سکتا۔"

(دوسری اور آخری قسط آئندہ ماہ)

سرورق کی شخصیت

ماڈل	کرسٹینا
فوٹوگرافر	موسیٰ رضا
میک اپ	روز بیوٹی پارلر

مدتوں بعد شبِ ماہ اُسے دیکھا تھا
پر کسی اور کے ہمراہ اُسے دیکھا تھا

کیا خبر تھی کہ کہانی کوئی بن جائے گی
میں نے کل بزم میں ناگاہ اُسے دیکھا تھا

وصل کی رات ستاروں نے بڑی حسرت سے
گاہ دیکھا تھا مجھے، گاہ اُسے دیکھا تھا

آج اک عمر کے بعد اُس سے ملا تھا لیکن
اپنے احوال سے آگاہ اُسے دیکھا تھا

اس کا کیا ٹھیک کہ لوگوں نے بیک وقت جمال
سرِ میخانہ و درگاہ اُسے دیکھا تھا

جمال احسانی

دم بدم بڑھ رہی ہے یہ کیسی صدا شہر والو سنو!
جیسے آئے دبے پاؤں سیلِ بلا، شہر والو سنو!

یہ جو راتوں میں پھرتا ہے تنہا بہت، ہے اکیلا بہت
ہو سکے تو کبھی اس کا بھی ماجرا، شہر والو سنو!

اس کے جی میں ہے کیا، اس سے پوچھو ذرا، دیکھو کہتا ہے کیا
کس نے اس شخص پر کوہِ غم ڈھا دیا، شہر والو سنو!

عمر بھر کا سفر جس کا حاصل ہے اک لمحۂ مختصر
کس نے کیا کھو دیا، کس نے کیا پا لیا، شہر والو سنو!

خاک اڑاتی نہ تھی اس طرح تو ہوا، اس کو کیا ہو گیا
دیکھو آواز دیتا ہے اک سانحہ، شہر والو سنو!

اطہر نفیس

اک گلاب باقی ہے

جھیل کی اداسی میں
بے دلی کی دلدل پر
بے خبر سے منظر میں
درد کے سمندر میں
ایک یاد باقی ہے
آنکھ میں خزاں رت ہے
گرد اڑتی رہتی ہے
پھر بھی ایک کونے میں
اک گلاب باقی ہے
ایک یاد باقی ہے

ارشد نعیم

کوئی دیوار ہے نہ در سائیں
ہم فقیروں کا کیا ہے گھر سائیں

آبلے پڑ گئے ہیں پیروں میں
ختم ہوتا نہیں سفر سائیں

کون رہتا ہے اس خرابے میں
ڈھونڈتی ہے کسے نظر سائیں

اک قیامت گزر گئی مجھ پر
اور مجھ کو نہیں خبر سائیں

ایک بھٹکے ہوئے مسافر کو
اور ہونا ہے در بدر سائیں

رمزی آثم

شگفتہ جاہ

رنگا رنگ پھول

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"اللہ تعالیٰ اپنے مومن، تنگ دست، سوال سے بچنے والے، بال بچوں والے بندے سے محبت فرماتا ہے۔" (ابن ماجہ)

دلوں کا میل،

خلیل جبران کا گزر ایک دھوبی گھاٹ سے ہوا۔ وہاں ایک دھوبی کپڑے دھونے میں مصروف نظر آیا۔ خلیل جبران نے اس سے پوچھا۔
"تم کیا کرتے ہو؟"
دھوبی نے جواب دیا۔ "میں کپڑوں سے میل کچیل نکالتا ہوں۔"
"آپ کیا کرتے ہیں؟" دھوبی نے جبران سے پوچھا۔
"تم کپڑوں کا میل کچیل نکالتے ہو، میں دلوں کا میل کچیل نکالتا ہوں۔" جبران نے جواب دیا۔
گڑیا شاہ۔ کہروڑ پکا

لفظ لفظ روشنی،

- جب تک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر اعتماد نہ ہو، ہم قرآن کی تصدیق نہیں کر سکتے۔
- روح کی گہرائی سے نکلی ہوئی بات روح کی گہرائی تک ضرور جاتی ہے۔
- ماننے کے بعد تحقیق گمراہ کر دیتی ہے۔
- "توبہ جب منظور ہو جاتی ہے تو یاد گناہ [illegible] ختم ہو جاتی ہے۔
- ہم لوگ فرعون کی زندگی چاہتے ہیں [illegible] کی عاقبت۔
- لطیف روحیں مجلس میں لطافت پیدا کرتی ہیں اور کثیف روحیں کثافت۔

(واصف علی واصف)
سیدہ نسبت زہرا۔ کہروڑ پکا

محبت اور جنگ،

ایک دفعہ ایک سپاہی نے ٹیپو سلطان سے کہا۔
"کیا محبت اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے؟"
ٹیپو سلطان نے تاریخ ساز جواب دیتے ہوئے کہا۔
"یہ انگریزوں کا قول ہے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ محبت اور جنگ میں جو کچھ ہو وہ جائز ہو۔"
عمرہ اقرا۔ کراچی

جواب،

حضرت لقمان نے باوجود درازی عمر کے کوئی مکان نہیں بنایا۔ ایک جھونپڑی میں وفات پا گئے۔ ملک الموت نے پوچھا۔
"باوجود اتنی طویل زندگی کے آپ نے مکان کیوں نہیں بنایا؟"
حضرت لقمان نے فرمایا۔ "جس کی تاک میں آپ رہیں تو اس [illegible] مکان بنانے کی کب سوجھتی ہے؟"
عذرا ناصر۔ کراچی

زندگی،

ہم جب بھی موت، کفن یا قبرستان کا ذکر کرتے ڈاکٹر اشفاق جیسی ہمیں روک کر کہتے۔
"نہیں دوستو! بری بات تم زندہ ہو، صرف زندگی کی بات کرو۔"
لیکن ہم میں کوئی ٹوک کر کہتا۔ "ڈاکٹر صاحب! موت سب سے بڑی حقیقت ہے۔"
وہ کھلکھلاتے ہوئے کہتے۔
"برادر! مجھ تو زندگی اس سے بھی بڑی حقیقت ہے۔ وہ لوگ بڑے ہی بے وقوف ہوتے ہیں جو چلتی دوپہر میں رات کے پہرے کے اندیشے سے کانپتے رہتے ہیں۔"
گل [illegible] مرزا۔ لاہور

ہوشیار،

دروازے پر دستک ہوئی [illegible] دروازہ کھولا تو دروازے پر اس کا شوہر تھا [illegible] کے بغیر قمیص نہیں تھی اور [illegible] بیوی یہ دیکھ کر گھبرا کر بولی۔
"کیا ہوا [illegible] آپ تو بینک سے پیسے نکلوانے گئے [illegible]"
[illegible] بینک سے [illegible] تھا۔ ابھی رقم نکلوا کر آیا تھا کہ راستے میں غنڈوں نے گھیر لیا اور خنجر دکھا کر سارے پیسے چھین لیے۔
بیوی نے پوچھا۔ "لیکن آپ کی قمیص کہاں ہے؟"
"ان میں سے ایک غنڈے کو وہ قمیص بھی پسند آگئی۔ انہوں نے وہ اتروالی۔ پھر میں نے ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ مجھے جانے دو تو ہاتھ جوڑنے کی وجہ سے انہیں میری گھڑی پسند آگئی۔ انہوں نے وہ بھی اتروالی۔ جب میں گھڑی اتار رہا تھا تو انہوں نے میری انگوٹھی دیکھ لی۔ انہوں نے کہا یہ انگوٹھی بھی اتار دو۔ میں نے ان سے کہا کہ بھئی یہ تو چھوڑ دو، یہ میری شادی کی ہے لیکن وہ نہ مانے۔ ساتھ ہی ان سب نے مل کر مجھے خوب مارا۔"
بیوی نے جھلا کر کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے آپ سے سب کچھ چھین لیا۔"
جواب میں شوہر نے مسکرا کر کہا۔ "نہیں! ایک چیز تو میں بڑی چالاکی سے بچا کر لے آیا ہوں۔ اسے بہت اچھی طرح چھپا کر رکھا ہوا تھا۔"
بیوی نے خوش ہو کر پوچھا۔ "وہ کیا؟"
شوہر نے جیب سے پستول نکال کر لہرایا اور بولا۔
"یہ دیکھو۔"
عائشہ حبیبی۔ کراچی

[illegible] باتیں کریں،

- [illegible] پرانے لوگوں کو یاد کرتے ہیں اور نئے لوگوں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہم ماضی کو معیار بنا لیتے ہیں اور حال کی زندگی کو اس معیار پر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمیں سکون کیسے مل سکتا ہے وہ لوگ چلے گئے، وہ زمانہ بیت گیا۔ اس کی یاد حال کو بدحال کر دے گی۔
- سب سے بڑی خواہش ہر انسان کو خوش کرنے اور اسے متاثر کرنے کی خواہش ہے اور اس کی سزا یہ ہے کہ انسان نہ متاثر ہوں گے اور نہ خوش۔
- ایک انسان نے دوسرے سے پوچھا۔ "بھائی! آپ نے زندگی میں پہلا جھوٹ کب بولا؟"
دوسرے نے جواب دیا۔ "جس دن میں نے یہ اعلان کیا کہ میں ہمیشہ سچ بولتا ہوں۔"
- جب انسان کے دل میں روشنی نہ ہو، وہ چراغوں کے میلے میں کیا حاصل کرے گا۔
- اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں دی ہیں، ان کا یہی شکر ہے کہ تکلیف برداشت کرو۔
- ہم جو کچھ دیکھتے ہیں اسے سچ سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ خوردبین نے یہ ثابت کر دیا کہ ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہ ویسے سچ نہیں ہوتا۔ ہم ساکن ہیں لیکن متحرک۔ ہماری عمر بڑھ رہی ہے لیکن سچ یہی ہے کہ ہماری عمر کم ہو رہی ہے۔

(واصف علی واصف)
ندا، فضہ۔ کراچی

بچھڑنے اور ملنے کا دکھ،

دکھ صرف بچھڑنے کا نہیں ہوتا، بلکہ کبھی کسی سے ملنے کا بھی ہوتا ہے۔ جب کوئی بہت پرانا ہمدم ساتھی برسوں بعد لبوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں سرد مہری سجا کر ملے تو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اس دوست سے بچھڑنے کا دکھ زیادہ تھا یا ملنے کا۔
خدیجہ سلیم۔ کراچی

ناممکن

ایک دانا سے کسی نے پوچھا۔ "ہم ایسا کیا کریں کہ سب کی نظروں میں اچھے بن جائیں؟"
دانا نے جواب دیا۔ "اس دنیا میں اگر کوئی فرشتہ بھی بن جائے تب بھی اسے برا کہنے والے موجود ہوتے ہیں۔"

گڑیا شاہ۔ کہروڑ پکا

یہی میرا حوالہ ہے

محبت کی مسافت میں
مسافر کے پلٹنے کا
کوئی رستہ نہیں ہوتا
وہ ساری کشتیاں اپنی
جلا دیتے ہیں
ساحل پر پلٹنا بھی اگر چاہیں
تو واپس آ نہیں سکتے

(عظمیٰ جوان)
نوشین اقبال نوشی۔ گاؤں بدو مرجان

بدقسمتی

"بدقسمتی کبھی کبھی عجیب انداز میں انسان پر حملہ آور ہوتی ہے۔" ایک صاحب نے اپنے دوست کو بتایا۔
"کیوں کیا ہوا؟" دوست نے تشویش سے پوچھا۔
"کل میں پانچ ہزار کا ایک چیک کیش کرانے بینک گیا۔ بینک والوں نے کہا کہ میں اپنی شناخت کے لیے کسی سے گواہی دلوادوں کہ چیک پر جو نام لکھا ہے وہ میرا ہے۔ میں نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ مجھے بینک میں ماسٹر سہیل صاحب نظر آگئے۔ جو مجھے جانتے تھے۔"
"مگر اس میں بدقسمتی کی کیا بات ہے؟"
"میں ماسٹر سہیل صاحب کا پانچ ہزار کا قرض دار تھا اور پچھلے ایک سال سے ان سے منہ چھپاتے پھر رہا تھا۔"

مسرت الطاف احمد۔ کراچی

تکبر اور عقل

محمد بن حسین بن علیؓ فرماتے ہیں کہ جتنا تکبر انسان کے دل میں داخل ہو جاتا ہے۔ اتنی ہی عقل اس سے نکل جاتی ہے۔ اگر تھوڑا ہو تو تھوڑی اور زیادہ ہو تو زیادہ۔

برائی

حضرت سلیمان علیہ السلام سے پوچھا گیا۔
"وہ کون سی برائی ہے جس کے ہوتے ہوئے کوئی نیکی نفع نہیں دیتی؟"
فرمایا۔ "تکبر۔"

یہ بیرن رات کی نرمی

شام ڈھل گئی
یہ ایسا وقت ہے
جب گیت بھی واپس پلٹتے ہیں
مرے دامن سے جو آنسو مری آنکھوں تک گئے تھے
وہ واپس گر رہے ہیں
بھوک کی شاید کوئی منزل نہیں ہوتی
(فرحت عباس شاہ)

صبا سلیم۔ ٹنڈو جان محمد

وجہ

ایک روز مشہور موسیقار [illegible] کا ایک دوست اس سے ملنے [illegible] آیا۔ آرنلڈ [illegible] دوست کو [illegible] نکلا۔ دوست نے دیکھا کہ تھے کے بچے [illegible] آرنلڈ کو سلام کر رہے ہیں [illegible] کہا۔
"کمال ہے۔ یہ تو میں بھی جانتا تھا کہ تم بہت مشہور ہو لیکن [illegible] بچے تک جانتے ہیں۔"
آرنلڈ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "مگر اس کی اصل وجہ میرا بیٹا ہے جو شہر کی فٹ بال ٹیم کا ہاف بیک ہے۔"

غزنی اکرم۔ بہادر کالونی کراچی

کچھ زندگی کی کتاب سے

* زندگی امتحانی شیٹ نہیں ہے کہ آپ کو پھر سے مل جائے گی۔ یہ ایک بار ہی ملتی ہے۔ صفائی سے، خوبصورتی سے اور ذہانت سے حل کیجیے۔
* یوں تو ہم روز مرہ زندگی میں بہت کماتے ہیں لیکن اصل کمائی دوسروں کا [illegible] ہوتا ہے اور اگر کبھی کما لو تو [illegible] کی طرح حفاظت کر و۔
* قسمت انسان کو مشکلات [illegible] کرنے میں دھکیل دیتی ہے لیکن [illegible] ہاتھ تھام کے ہموار [illegible]
* زندگی ایک کتاب کی مانند ہے اور وقت قلم۔ ہر [illegible] اپنی کتاب خود لکھتا ہے۔ اصول قواعد ہمیں بتا دیے گئے ہیں اب یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم اسے کیسے لکھتے ہیں۔
* سیدھے سادے انسان کے لیے زندگی آسان اور جھوٹ دار کے لیے زندگی مشکل ہوتی ہے۔
* جھوٹ سے ہم زمین سے لے کر آسمان تک ایک محل بنا سکتے ہیں لیکن سچ کا ایک ہلکا سا جھونکا اس کو گرا سکتا ہے۔
* سچ ایک ایسی عمارت ہے جو جھوٹ کی تیز و تند آندھیوں میں بھی شان سے کھڑی رہتی ہے۔

فرزانہ انصاری۔ صادق آباد

جرمانہ نہیں

نیویارک کی قدیم لائبریری کے منتظمین کا کہنا ہے کہ امریکہ کے پہلے صدر جارج واشنگٹن نے 1789ء میں اس لائبریری سے دو کتابیں مستعار لی تھیں جو کہ واپس نہیں کی گئیں۔ دو سو بیس برس میں یہ کتابیں واپس نہ کرنے پر جارج واشنگٹن پر تین لاکھ ڈالر جرمانہ ہو چکا ہے۔ تاہم لائبریری حکام کا کہنا ہے کہ وہ جرمانہ نہیں صرف اپنی کتابیں واپس لینا چاہتے ہیں۔

عام سی لڑکی

میرے چہرے پر جلتی بجھتی لو دیکھ کر حیران مت ہونگی
پتھر کو تانبے کو بھی چمک کے سونا بنا دیتا ہے
میں تو پھر عام سی لڑکی ہوں۔

نسیم چوہدری۔ میرپور آزاد کشمیر

اعتماد

چھتری بارش کو نہیں روک سکتی لیکن اس کی وجہ سے ہم بارش میں بھی بغیر بھیگے کھڑے ہونے کے قابل ہوتے ہیں۔ اسی طرح اعتماد ہمیں کامیابی نہیں دلاتا لیکن یہ ہمیں وہ قوت دیتا ہے، جس کے ذریعے ہم مشکلات کا سامنا کر سکتے ہیں۔

صبا سلیم۔ ٹنڈو جان محمد

وہ پیاز پیاز کرے

ہوئی جو دال گراں اور سبزیاں مہنگی
کچن میں جا کے جلا وہ گیا۔ لنواز کرے
معاملات عشق کا اب یہ عالم ہے
میں پیار پیار کروں اور وہ پیاز پیاز کرے

فوزیہ ثمر بٹ۔ گجرات

بنا کر اب نہ لے جانا

یہ دل جب بھی دھڑکتا ہے
تمہارا نام لیتا ہے
یہ آنسو جب بھی بہتے ہیں
تمہارے دکھ میں بہتے ہیں
کہ بارش جب بھی ہوتی ہے
تمہیں ہی یاد کرتی ہے
خوشی کوئی جو آئے تو
تمہارے بن ادھوری ہے
سنو تم لوٹ آؤنا!

3۔ آپ کے اس سوال نے لبوں پہ مسکراہٹ بکھیر دی ہے۔ آج بھی وہ خوب صورت دور آنکھوں میں تازہ ہے۔ اس دن کلاس میں انگلش کا لیکچر چل رہا تھا سب لڑکیاں میڈم کی طرف متوجہ تھیں میری دوست نجیبہ علی میڈم کے لیکچر پہ دھیان دینے کے بجائے میرے چہرے کا جائزہ لے رہی تھی پھر ایک دم اس نے یہ شعر پڑھا۔

ہر صفحہ کتابوں میں تیرا عکس لیے ہے
اک پھول سا چہرہ مجھے پڑھنے نہیں دیتا

4۔ آج کل کی موسیقی بجائے لوگوں کو راحت پہنچانے کے کوفت میں ہی مبتلا کر رہی ہے۔ ہر طرف پاپ ہی پاپ سنائی دیتا ہے۔ نہ شاعری کا پتا نہ موسیقی کی خبر بس صرف اچھل کود میں مصروف ہیں۔ خیر غزلیں سننا بہت اچھا لگتا ہے۔ ہر ہفتے کی رات ایف ایم سکھر ریڈیو سے رات کو 12 بجے "غزل ٹائم" سننا میرا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ میری پسندیدہ غزل شیلو اور مسعود نے گائی ہے۔ جس خوب صورتی سے انہوں نے یہ گائی ہے اس کا کوئی جواب نہیں شاعر کا نام ہے عشرت گودھراوی۔

وفا کے وعدے وہ سارے بھلا گیا چپ چاپ
وہ میرے دل کی دیواریں ہلا گیا چپ چاپ

غم حیات کے تپتے ہوئے بیاباں میں
مجھے وہ چھوڑ کے تنہا چلا گیا چپ چاپ

نہ جانے کون سا وہ بدنصیب لمحہ تھا
جو غم کی آگ میں مجھ کو جلا گیا چپ چاپ

میں جس کو چھوتا ہوں عشرت وہ زخم دیتا ہے
وہ پھول ایسے چمن میں کھلا گیا چپ چاپ

5۔ کلاسیکی شاعری میں آپ کے لیے میرا انتخاب داغ دہلوی کی یہ خوب صورت سی غزل آپ سب بہنوں کے لیے۔

دل گیا تم نے لیا ہم کیا کریں
جانے والی چیز کا غم کیا کریں

ہم نے مر کر ہجر میں پائی شفا
ایسے اچھوں کا وہ ماتم کیا کریں

کر چکے سب اپنی اپنی حکمتیں
دم نکلتا ہے وہ ہمدم کیا کریں

دل نے سیکھا شیوۂ [illegible]
ایسے نامحرم کو محرم کیا کریں

تند خو ہے کب سنے وہ دل کی بات
اور بھی برہم کو برہم کیا کریں

[illegible] اور وہ ہیں دیکھیے
[illegible] دونوں یہ باہم کیا کریں

کہتے ہیں اہل سفارش مجھ سے داغ
تیری قسمت ہے بری، ہم کیا کریں؟

خبریں و بریں

غزل ثوبان

حماقت

بڑی شخصیت ہمیشہ کشادہ دلی سے اپنی غلطی تسلیم کرتی ہے۔ اب معروف ناول نگار مستنصر حسین تارڑ کو ہی لیجیے جو اپنے آپ کو بڑا اداکار تسلیم کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔ اس حوالے سے وہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں میں "ایک محبت سو افسانے" کے ایک ڈرامے میں کردار کر رہا تھا جس میں میری بیگم کا کردار کینئرڈ کالج کی ایک طالبہ کر رہی تھی جسے نثار حسین صاحب نے کاسٹ کیا تھا۔ میاں بیوی کی اتنی شدید لڑائی ہونا تھی کہ میاں اپنی بیوی کو قتل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ محترمہ کو بہترا سمجھایا کہ تمہیں ڈائیلاگ بولتے ہوئے اتنی شدت سے کہنا ہے کہ تمہارا خاوند طیش میں تمہیں قتل کرنے کی کوشش کرنے لیکن ایسی اداکاری اس کے بس کی بات نہ تھی۔ میں انتہائی غصے میں گرج رہا ہوں اور وہ نہایت دھیمے انداز میں گویا سبزی کے بھاؤ معلوم کر رہی ہیں۔ نثار صاحب نے ریکارڈنگ روک کر مجھے کونے میں لے جا کر کہا۔

"اس طرح تو کلائمکس سین بے حد بودا ہو جائے گا اس بچی کی نرم روی پر تمہارا اشتعال میں آنا سراسر بے انصافی لگتی ہے۔ بس تم ایک ظالم انسان کی طرح اس بچی کو زوردار تھپڑ رسید کرو۔"

میں نے اخلاقاً پوچھا "سچ مچ کا تھپڑ؟"

نثار صاحب میرے قریب ہو کر بولے۔ "بالکل جینوئن والا۔"

پھر کیا تھا سین میں حقیقی پن پیدا کرنے کے لیے جیسے ہی بیوی نے یہ بولا "تم ایک ظالم انسان ہو۔" میں نے تھما کر تھپڑ اس کے نازک رخسار پر مارا۔ وہ اس کی تاب نہ لاتے ہوئے [illegible] ہوتے ہوتے پر لڑھک گئی۔ میں [illegible] شاید روہی ہو گی لیکن پھر وہ کسی بالغ شیرنی کی طرح مجھ پر جھپٹ پڑی۔ جو چیز اس کے ہاتھ میں آئی اس نے مجھے دے ماری اور میرے منہ کو اس بری طرح نوچا کہ شاید ایک آدھ خراش سے خون بھی نکل آیا۔ تب میں بھی طیش میں اس کا گلا گھونٹنے لگا۔ اگر نثار صاحب "کٹ" نہ کہہ دیتے تو میں واقعی اس چڑیل کا گلا دبا دیتا۔"

پسندیدگی

فیض احمد فیض کا شمار برصغیر پاک و ہند کے بڑے شعراء میں کیا جاتا ہے۔ ان کی طرز فکر اور انقلابی سوچ نے پڑھنے والوں کے دلوں کو مسخر کر لیا۔ ان کے انتقال کے ایک عرصے بعد بھی ایک وسیع حلقہ فیض کی شاعری کو پڑھتا اور سراہتا ہے۔ معروف بھارتی اداکار شبانہ اعظمی کی صاحبزادی شبانہ اعظمی اپنی رائے دیتی ہیں کہ "فیض احمد فیض کی شاعری کا میری زندگی میں خاصا عمل دخل رہا ہے۔ جب بھی میں [illegible] ہوتی ہوں تو فیض کی شاعری کو ضرور پڑھتی ہوں۔ میرے پسندیدہ شاعر [illegible] مجھے [illegible] بچپن میں جب سجاد ظہیر [illegible] فیض احمد فیض اور سردار جعفری ہمارے یہاں آتے تو میں ان کی نشستیں چھپ چھپ کر سنتی۔ [illegible] "بابا" کہتی۔ اگر سنو ایک مرتبہ [illegible] میری فیض سے ملاقات ہوئی تو میں نے انہیں بتایا کہ میں ان کی شاعری کو کتنا پسند کرتی ہوں۔ انہوں نے جب اپنی شاعری سنانے کی فرمائش کی تو غلطی سے میں انہیں میر تقی میر کی غزل سنانے لگی۔ وہ بے ساختہ بولے۔

"فیض نے میر کے آہنگ میں شاعری کب سے شروع کر دی؟" ان کی اس بات پر میں شرم سے پانی پانی ہو گئی۔ ان جیسے شعراء صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔"

غیرت مندی

معین اختر کو "کنگ آف کامیڈی" کا خطاب دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ تاہم ٹی وی پر ان کی آمد محض انور مقصود کے پروگراموں تک رہ گئی ہے۔ تب بھی ناظرین ان کی موجودگی محسوس کر ہی لیتے ہیں۔ اس حوالے سے وہ خود کہتے ہیں "مجھے خالد عباس ڈار، رنگیلا، لہری، منور ظریف، لطیفہ، نذیر، چاند پوری اور انور مقصود نے ہمیشہ ہنستے رہنے پر اکسایا اور میرے اندر کے ٹیلنٹ کو زندہ رکھا۔ تاہم بات سے بات نکالنے کا ہنر خالد عباس ڈار کی ہی خاصیت ہے اور ہماری نئی پود کو ان سے یہ ہنر سیکھنے کی ضرورت ہے۔ جہاں تک [illegible] بھارت جا کر کام کرنے کا ہے تو میں نے ابتدا میں ہی [illegible] بالی ووڈ میں منوا لیا تھا۔ بلکہ مارشل لا کے دور [illegible] بالی ووڈ انڈسٹری نے اس وقت ہی سرٹیفکیٹ لے [illegible] پھاڑ ڈالا تھا۔ میرے خیال میں بالی ووڈ یا بالی ووڈ میں [illegible] کرنا بہت بڑا کارنامہ نہیں ہے۔ البتہ اس سے آ[illegible] کے کیریئر کو چار چاند ضرور لگ جاتے ہیں۔ (اگر آ[illegible] جیسے چند غیرت مند اداکار اور پیدا ہو جائیں تو ہما[illegible] انڈسٹری کو کسی اور سہارے کی ضرورت نہ رہے)

بیان

احمد جہاں زیب کا مزاج خاصا شاہانہ ہے اور معا[illegible] کے تو کیا ہی کہنے اس لیے بیشتر گلوکاروں کو تسلی[illegible] کرنے سے بالکل انکاری ہیں۔ حال ہی میں ایک [illegible] مارننگ شو میں جب ان سے پوچھا گیا کہ راحت پیرزادہ او[illegible] بہنی میں سے کون اچھا گاتی ہیں تو وہ دیر تک قہقہ[illegible] لگاتے رہے (اس پر لڑائی یقینی ہے) جب یہ سوال ہو[illegible] کہ سب سے بے سرا سنگر کون سا ہے تو جواباً "وہ بو[illegible] کہ ویسے تو بہت سے ہیں لیکن ان میں سرفہرست [illegible] شہزاد رائے ہیں۔ اگرچہ شہزاد سے ان کی دوستی [illegible] لیکن وہ اپنی رائے پر قائم ہیں۔ اگر "سچ" اگلنے کی [illegible] روش جاری رہی تو عنقریب سارے گلوکار گروپ بنا [illegible] احمد جہانزیب کے خلاف کیمپ کا حصہ بنے ہوں [illegible] اور اپنی مدح سرائی کے سوا ان کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

قیمے کے سموسے

ضروری اجزا :

میدہ	ڈیڑھ پاؤ
قیمہ	ایک پاؤ
پیاز	ایک عدد
پسا ہوا دھنیا	چائے کا ایک چمچ
نمک	حسب ذائقہ
پسی ہوئی سرخ مرچ	حسب پسند
لونگ	4 عدد
کالی مرچ	12 عدد
سبز الائچی	4 عدد
ہرا دھنیا	چند پتے
گھی یا تیل	حسب ضرورت
سفید زیرہ	چائے کا ایک چمچ
کھانے کا سوڈا	ایک چٹکی
لہسن	8 جوے

ترکیب :

تھوڑے سے تیل میں پیاز فرائی کریں۔ پھر اس میں قیمہ شامل کردیں۔ لہسن، گرم مسالا پیس کر اور نمک اور سرخ مرچ ڈال کر اتنا پانی ڈالیں کہ قیمہ گل جائے۔ پھر بیس منٹ تک پکنے دیں۔ اس کے بعد اچھی طرح بھون کر اتار لیں۔ ہرا دھنیا کاٹ کر شامل کردیں۔ میدہ اور سوڈا چھان کر تھوڑا سا گھی ڈالیں، نمک، زیرہ اور پانی ڈال کر گوندھ لیں۔ پانی آہستہ آہستہ اور کم کم ڈالیں تاکہ آٹا ذرا سخت گندھے۔ آٹا گندھ جائے تو پیڑے بنا کر پوری کی طرح بیل لیں۔ [illegible] سے درمیان سے کاٹ کر دو حصے کریں۔ [illegible] قیمہ مناسب مقدار میں رکھ کر تکونے سموسے [illegible] اسی طرح تمام سموسے بنالیں پھر کڑاہی میں تیل / گھی گرم کرکے سموسے ڈالتی جائیں۔ ہلکے سنہرے ہونے پر نکال لیں۔ گرم گرم سموسے املی کی چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

چائنیز پکوڑے

بند گوبھی	ایک پاؤ
سبز پیاز	4 عدد
گاجر	دو عدد
انڈے	دو عدد
پیاز	ایک عدد
سبز دھنیا	آدھی پیالی
سبز مرچیں	4 عدد
تیل	تلنے کے لیے
نمک	حسب ضرورت
میدہ	ایک پیالی
اجینو موتو	کھانے کا آدھا چمچ
کارن فلور	کھانے کے [illegible] چمچے
[illegible] مرچ پاؤڈر	چائے کا ایک چمچ
سرکہ	کھانے کا ایک چمچ
سویا سوس	چائے کا ایک چمچ
بیکنگ پاؤڈر	چائے کا ایک چمچ
تیل	تلنے کے لیے

تمام سبزیوں کو کاٹ لیں۔ انڈے پھینٹ کر ان میں میدہ، کارن فلور، نمک، مرچ، سویا سوس اور سرکہ ملالیں۔ اچھی طرح یکجان کرلیں۔ پھر سبزیاں ملا کر یک جان کرلیں۔ تیل گرم کرکے پکوڑوں کی طرح دونوں جانب سے تل لیں۔ تیار ہونے پر کیچپ کے ساتھ پیش کریں۔

خواتین ڈائجسٹ میں قارئین کی شرکت کے لیے ہم اس ماہ کے کچن کے حوالے سے ایک نیا سلسلہ شروع کر رہے ہیں۔ سوالات یہ ہیں۔

کھانا پکاتے ہوئے آپ کن باتوں کا خیال رکھتی ہیں؟ ذائقہ پسند یا [illegible] گھر والوں کی صحت۔

گھر میں اچانک مہمان آجاتے ہیں، کھانے کا وقت ہے [illegible] کسی ایسی ڈش کی ترکیب بتائیں جو فوری تیار کرکے تواضع کرسکیں۔

کچن عورت کی سلیقہ مندی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ آپ کچن کی صفائی کے لیے کیا خصوصی اہتمام کرتی ہیں؟

صبح کا ناشتہ ہمارے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ آپ ناشتے میں کیا بناتی ہیں؟ ایسی خصوصی چیز کی ترکیب جو آپ اچھی بناتی ہیں۔

گھر سے باہر کھانا کھانا فیشن بنتا جا رہا ہے۔ آپ مہینے میں کتنی بار باہر کھانا کھانے جاتی ہیں؟ (1) جب کوئی لے جائے (2) کسی کی سالگرہ پر (3) یا کسی خوشی کے موقع پر۔

کھانا پکاتے [illegible] ترتیب دیتے ہوئے موسم کو مدنظر رکھتی ہیں؟

اچھا پکانے [illegible] کتنی [illegible] کی قائل ہیں؟

کچن کی [illegible] پسند ہیں؟

ان سوالات کے جواب بھجوا کر آپ بھی اس سلسلہ میں شرکت کرسکتی ہیں۔ ساتھ ایک عدد تصویر بھی بھجوائیں۔ تصویر ضروری نہیں ہے۔

آپ کا باورچی خانہ

زینت عبدالسلام

1۔ کھانا پکاتے ہوئے زیادہ تر پسند کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اس لیے جہاں بات پسند کی ہو وہاں صحت اور غذائیت دونوں شامل ہو جاتی ہیں۔

2۔ گھر میں اچانک مہمان آجائیں تو ایسی پریشانی کا سامنا نہیں ہوتا کیونکہ مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں اور چونکہ ہمارے گھر یہ رحمت زور و شور سے برستی ہے اس لیے ہم دل پر نہیں لیتے۔ عام طور پر چکن بریانی کے ساتھ کوئی بھی میٹھی ڈش تیار کی جاتی ہے۔ اس لیے چکن بریانی کی ترکیب حاضر خدمت ہے۔

چکن بریانی

اجزا :

چکن	ڈیڑھ کلو
چاول	1 کلو
دہی	1 پیالی
لہسن	1 کھانے کا چمچہ
ادرک	1 کھانے کا چمچہ
املی	1 چھٹانک
ٹماٹر	6 عدد
نمک	حسب ضرورت
سرخ مرچ	حسب ضرورت
گھی	ایک پیالی
دودھ	ایک گلاس
زرد رنگ	ایک چٹکی

ترکیب :

سب سے پہلے چاول صاف کر کے پانی میں بھگو دیں اور ایک علیحدہ برتن میں چکن، سرخ مرچ، ٹماٹر، نمک، لہسن، ادرک، دہی، الائچی ڈال کر کچھ دیر چھوڑ دیں پھر دیگچی میں گھی گرم کر کے یہ آمیزہ ڈال کر ہلکی آنچ پر پکنے کے لیے رکھ دیں۔ جب چکن گل جائے اور گھی چھوڑ دے تو چولھا بند کر دیں۔ چاول ایک کنی رکھ کر ابال لیں پھر چھان لیں۔ اب ایک علیحدہ برتن میں سب سے پہلے گھی ڈالیں اور اس میں تھوڑا سا چکن ڈال دیں اور اس کے اوپر چاول ڈال کر تہہ لگائیں اس طرح یکے بعد دیگرے چاول اور چکن کی تہہ لگائیں اور آخر میں ایک گلاس دودھ کے اندر زرد رنگ ڈال کر مکس کریں اور اسے چاول کے اوپر دائرے کی شکل میں اس طرح ڈالیں کہ آدھے چاول سفید ہوں اور آدھے رنگ دار۔ اب اس کو ڈھانپ دیں اور ہلکی آنچ پر دم پر رکھ دیں۔ لیجیے گرم گرم چکن بریانی تیار ہے۔

3۔ کچن کی صفائی تو روز کا کام ہے۔ اس لیے زیادہ پریشانی نہیں ہوتی البتہ عید وغیرہ پر خصوصی صفائی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

4۔ صبح کے ناشتے کے بغیر تو کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔ کیونکہ اگر پیٹ خالی ہو تو کوئی بھی کام سرانجام نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے عموماً ہمارا ناشتہ پراٹھوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی "بالائی روٹی" سے بھی ناشتہ کیا جاتا ہے جو بڑی خستہ ہوتی ہے اور عموماً دال اور کڑھی کے ساتھ بہت لذیذ لگتی ہے۔ اگر چاہیں تو اس کی بھی ترتیب نوٹ فرمالیں۔

بالائی روٹی

اجزا:

گندم کا آٹا	دو پیالی
بالائی	4 کھانے کے چمچے
نمک	1 چٹکی
پانی	حسب ضرورت

ترکیب:

سب سے پہلے آٹے کو چھان لیں اور اس میں بالائی اور نمک شامل کر دیں۔ اب اس میں تھوڑا تھوڑا پانی ڈال کر اسے اچھی طرح گوندھ لیں اور 10 منٹ کے لیے چھوڑ دیں پھر اس کی روٹیاں بنالیں تو جناب گرم بالائی روٹی تیار ہے۔ نوش فرمائیں۔

5۔ گھر سے باہر کھانا کھانا بہت ہی مشکل ہے اس لیے گھر پر ہی سب کچھ منگوا کر کھا لیا [illegible] یا سال میں ایک مرتبہ چلے جاتے ہیں۔

6۔ یہ تو ظاہری بات ہے [illegible] سبزی اپنے موسم میں ہی بکتی ہے۔ اس لیے [illegible] بھی [illegible] جاتی ہے۔

7۔ اچھا کھانا پکانے کے لیے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی [illegible]۔ (آہم)

8۔ [illegible] چاول [illegible] پانی میں بھگو کر اس میں نمک ڈال [illegible] تو چاول ٹوٹتے نہیں ہیں۔

[illegible] چاول ابالتے ہوئے اگر ایک چمچ سرکہ ڈال دیا جائے تو چاول جڑتے نہیں ہیں۔

✡

باتیں کتابوں کی

سائرہ غلام نبی

مجموعہ کلام	شکستہ آئینہ خانے
شاعر	حامد علی سید
ناشر	عالمی ادبی فورم
قیمت	200 روپے

"شکستہ آئینہ خانے" کے شاعر حامد علی سید کراچی کے شعری منظر نامے پہ پچھلے پندرہ برسوں سے موجود ہیں۔ مگر متحرک ہیں بہتی ادبی اداروں سے وابستہ ہیں اور سنجیدگی سے شعرو سخن میں منہمک ہیں۔

حال ہی میں ان کا دوسرا مجموعہ "شکستہ آئینہ خانے" شائع ہوا ہے۔ سلیقے سے طبع کیے ہوئے اس مجموعے میں حامد علی سید ایک ایسے شاعر کے طور پر متعارف ہو رہے ہیں۔ جو زندگی کے معاملات و رویے سے بہت آگاہ ہے اور زندگی کے برتاؤ سے نبرد آزما بھی ہے۔ ان کا شعری اظہار اس بات کا ادراک کروا رہا ہے کہ شاعر محسوس کھردری اور سفاک حقیقتوں کو جانتا ہے اور ایسے ہی معاملات کو نرم لفظوں میں ڈھال رہا ہے۔ ماحول کی کرب ناکی گرد و پیش کی الم ناکی سماجی صورت حال کی ابتری و آشوب کا کھلا احوال شعر میں درج ہوئے لگا ہے۔ یہ اشعار دیکھیے۔

اک تماشا ہے آگہی کیا ہے
لب یہ جانا کہ زندگی کیا ہے
کون آغاز ہے خرابے کا
اور امید آخری کیا ہے

حامد علی سید کراچی شہر کے باسی ہیں۔ پچھلا کچھ عرصے کے حالات اس شہر میں بہت کھلا کھیل اور بہت ہوا ہے لک ہنگام بپا ہے۔۔۔ بے پناہ شور مچا ہے۔ اس شور میں اس ہنگام میں واقعات کا تسلسل ہے۔ جو پے در پے جنم لے رہے ہیں۔ حامد علی سید "اپنی طرح میں واقعات کا شاعر ہے" وہ چاہے بھی تو ان معاملات سے آنکھ بچا کر "تخیلاتی دنیا کی تعمیر نہیں کر سکتا" وہ خوش کن خواب نہیں دیکھ سکتا وہ اپنے قدم زمین پہ رکھے "اپنی زیرک نگہی سے بہت کچھ دیکھنے پہ مجبور ہے اور یہی مجبوری اس کے شعر کہنے کا واضح جواز رکھتی ہے۔

زمین بھی اپنی نہیں ہے اب آسمان کے بعد
بس ایک دھوپ مسلسل ہے سائبان کے بعد

حامد علی سید دھیمے لہجے کا شاعر ہے۔ وہ بلند آہنگ ہو کر چیخ و پکار کر کے "ماحول میں آلودگی نہیں پھیلاتا۔ نرم روی اس کے شخصی مزاج کا حصہ ہے۔ سو وہ شعر میں بھی در آتا ہے۔

تیرگی میں کہاں تک چلے گا کوئی
ایک جگنو مری سمت بھی لے خدا

حامد علی سید کی شاعری میں گھر کا [illegible] بار بار در آتا ہے۔ گھر وسیع معنی [illegible] کا حامل ہے۔ گھر کے ہوتے ہوئے [illegible] کا احساس ان کے پیروں سے [illegible] ہوتے، جھلسن سے چور [illegible] گھر کی چھاؤں میں امان ڈھونڈ جاتے ہیں [illegible] عدم تحفظ کا احساس چار دیواری میں بھی ان کے پیچھے لگا رہتا ہے۔ یہ کچھ اشعار دیکھیے۔

بے گھری محسوس کرتا ہوں، میں گھر ہوتے ہوئے
جانے کیسا خوف ہے یہ بام و در ہوتے ہوئے

جانے دیوار سے کب گھر میں اتر آئے کوئی
رات سویا نہیں، خدشات میں رہنے والا

ایسا نہیں ہے کہ حامد علی سید پر واردات دل نہ گزری ہو۔ وہ معاملات حسن و عشق کا سودا بھی درون ذات میں رکھتے ہیں اور اس کا بیان بھی کرتے ہیں۔ کچھ اشعار دیکھیے۔

چراغ ہجر نے دل کو اجال رکھا ہے
ترے خیال نے مجھ کو سنبھال رکھا ہے
ہر ایک بات سے واقف ہو تم چھپائیں کیا
تمہارے سامنے سب عرض حال رکھا ہے

حامد علی سید کی شعر گوئی سے [illegible] امید ہے وہ شعری افق پہ تادیر رہیں گے۔

کتاب	باتیں خالہ بی کی
مصنف	دلشاد انجم
زیر اہتمام	بزم مزاح
قیمت	160 روپے

دلشاد انجم [illegible] سینئر لکھاریوں میں شمار ہوتی ہیں۔ حسن اتفاق ہے میری ان سے ان کی کتاب سے ملاقات ایک ہی دن میں ہوئی۔ وہ شفیق اطوار کی حامل نظر آئیں۔ ان سے مل کر بہت بھلا لگا اور ان کی کتاب پڑھ کر ان کی سوچ سے آگاہ ہو کر اور بھی بھلا لگا "باتیں خالہ بی کی" ان کے کالموں کا مجموعہ ہے۔ جو حال ہی میں اشاعت پذیر ہوا ہے۔ جبکہ اس سے قبل موقر روزنامے میں "خالہ بی کی ڈائری" کے عنوان سے شائع ہوا کرتے تھے جن کا آغاز 1967ء میں ہوا۔

حالات حاضرہ پر تبصرہ،
سیاست کی اکھاڑ پچھاڑ اور عمومی مسائل جن سے ہر ایک کا واسطہ پڑتا ہے۔ ان کالموں کا موضوع ہوا کرتے تھے۔ ان کالموں کے ذریعے دلشاد انجم کی شناخت بنی اور وہ بطور کالم نویس بہت مقبول ہوئیں۔ گھریلو اور تدریسی زندگی میں معروف ہوئیں تو کالم نگاری سے ناتا ٹوٹ گیا۔ پھر ان کی ملاقات معروف مزاح نگار انور احمد علوی سے ہوئی۔ اور ان ہی کے مشورے سے اپنے کالموں کو انہوں نے کتابی شکل دی۔

میں نے اس مجموعہ کو کتابی شکل میں پڑھا تو دلشاد انجم کا انداز تحریر بہت دلچسپ اور پر مزاح لگا۔

انہوں نے [illegible] کالموں کے لیے ایک کردار تراشا۔ جسے خالہ بی کا نام دیا اور خالہ بی کی زبانی کھری کھری باتیں [illegible] جو۔۔۔ باتیں براہ راست کہی جاتیں تو جو کتاب کر پڑھنے والے برا مانتے اور ان نصیحتوں پر کان نہ دھرتے۔ مگر خالہ بی کے انداز میں بہت ہی تیکھا پن تھا۔ وہ معاشرے کے حساس پہلوؤں کو چٹکلے کے انداز میں کہہ گزرتی ہیں کہ پڑھنے والا نہ صرف اس سے محظوظ ہوتا ہے "بلکہ وہ سوچنے پر مجبور بھی ہوتا ہے۔ دلشاد انجم نے چونکہ خالہ بی کے مکالمے کے حوالے سے یہ ساری باتیں کہی ہیں تو خالہ بی کی زبان میں وہی روانی محاوراتی چٹکلے اور گھریلو انداز و تیکھا پن ہے۔ جو عموماً "اس کردار سے منسوب ہوتا ہے۔ اس سے ایک پر مزاح کیفیت پیدا ہوتی ہے اور ان کی حساسیت سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔ کچھ کالم سے اقتباس دیکھیے۔ ایک کالم میں لکھتی ہیں۔

"پاکستانی چینلوں کے فیشن شو دیکھ لو اور چینل بھی کون سے؟ ہر فیشن شو میں "کیٹ واک" یا "ڈاگ واک" کرتی لڑکیاں اور لڑکے، جن کے آدھے ادھورے لباس دیکھ کر نظریں جھک جائیں۔ میں تو جانوں شاید "کیٹ واک" کا مقصد یہی ہے کہ آدھا لباس بلیاں نوچ کر کھا گئیں، جو باقی بچا ہے بمع سمیت حاضر ہے۔

ایک اور کالم الیکشن کے حوالے سے دیکھیے۔
"میں نے جب ساری زندگی جھوٹ کا سہارا لے کر اپنے لیے دنیا نہیں بنائی تو اب آخر وقت میں جھوٹے لوگوں کی تائید کر کے اپنی آخرت کیوں خراب کروں، لہٰذا میں نے تو ابھی سے اپنے لیے ایک بکس بنانے کا آرڈر دے دیا ہے اور تہیہ کر لیا ہے کہ الیکشن والے روز ووٹ ڈالنے ضرور جاؤں گی مگر اپنا بکس لے کر اور بیلٹ بکسوں کے پاس اپنا ڈبہ رکھ کر اس میں اپنا ووٹ خود کو ڈال کر واپس آجاؤں گی کہ اپنے جیسا کھرا آج تک مجھے کوئی دوسرا نہیں ملا۔"

ایک لڑکی میرے پاس آئی' اسے اس بات کا گمان تھا کہ اسے زندگی میں کبھی ناکامی نہیں ملی' اس نے جو چاہا' اسے حاصل کر کے رہی اور تعلیم کے میدان میں بھی ہمیشہ کامیابی کے جھنڈے گاڑے' اس نے اپنی زندگی کے واقعات بیان کرتے ہوئے کہا "اخبار میں ایک آسامی کے لیے اشتہار تھا۔ میں پورے اعتماد کے ساتھ وہاں پہنچ گئی۔ مجھے اس بات کا سو فی صد یقین تھا کہ ملازمت مجھے مل کر رہے گی اور آپ حیران ہوں گے کہ مجھے اس ملازمت کے لیے تقرری کا پروانہ مل گیا اور آئندہ بھی جو میں چاہوں گی حاصل ہو کر رہے گا۔"

میں نے اس سے کہا "اے بی بی! آپ کی زندگی بہت عذاب سے گزرے گی۔ آپ اپنی زندگی کا لمحہ نارمل رکھیں' آپ نے اپنی زندگی کی رفتار بہت تیز کر رکھی ہے۔"

مگر اسے ضد تھی' اصرار تھا' وہ مصر تھی کہ جو کچھ وہ کہہ رہی ہے حقیقت یہی ہے۔

میں نے اسے سمجھایا کہ "انسان کو زندگی میں میانہ روی اختیار کرنی چاہیے۔ کوشش فرض ہے۔ لیکن اپنے طور پر کوئی امید باندھ لینا' کوئی بات فرض کر لینا' کسی صورت درست نہیں۔ کیونکہ اگر انسان کسی معاملہ میں پوری امید باندھ لے اور خدانخواستہ اس معاملے میں ناکامی ملے تو زندگی بڑے عذاب سے گزرتی ہے اور انسان ذہنی طور پر پریشان ہو جاتا ہے۔ دنیا میں ہر آدمی کہیں نہ کہیں' کسی نہ کسی معاملے میں ناکام ضرور ہوتا ہے۔ کوئی شخص یہ دعوا نہیں کر سکتا کہ وہ ہر لحاظ سے خاطر خواہ اور مکمل ہے جیسے جسمانی صحت میں کوئی شخص کامل نہیں اسی طرح ذہنی صحت میں بھی کوئی کمال کا دعوا نہیں کر سکتا۔ جسمانی بیماری کی تشخیص ہو جاتی ہے اس طرح ذہنی بیماری کی بھی تشخیص ہے۔ جسمانی بیماری میں انسان کا جسم معمول کے مطابق کام نہیں کرتا اور ذہنی بیماری میں انسان کا ذہن معمول سے ہٹ کر کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔

ذہنی بیماریاں بہت شدید قسم کی ہوتی ہیں یا معمولی نوعیت کی۔ زیادہ شدید بیماریوں کی صورت میں لوگ علاج کی طرف زیادہ رجوع کرتے ہیں۔ لیکن معمولی صورت میں معمولی علاج سے افاقہ ہو جاتا ہے۔ معمولی ہو تو عام ڈاکٹر بھی علاج کر لیتا ہے۔ لیکن شدت کی صورت میں ماہر سے ہسپتال سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔

بعض لوگوں کو بھوک کم لگتی ہے۔ بھوک کم لگنے کی صورت میں غذا یا خوراک کم ہو جاتی ہے۔ غذا یا خوراک میں کمی کی وجہ سے جسم کمزور ہو جاتا ہے اور جسم کی کمزوری سے ذہنی امراض بھی شروع ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ بات صرف اتنی سی تھی۔ بھوک کی کمی اور بھوک کی کمی کی وجہ سے خوراک کی کمی۔ اس نتیجے میں جسم کا کمزور ہونا لازمی ہے۔

یہ تو تھا معمولی بیماریوں کا تذکرہ۔

شدید ذہنی بیماریوں میں انتہائی پژمردگی کا دور آتا ہے یا بعض اوقات خود کشی اختیار کر لی جاتی ہے۔ بعض اوقات شک کا مرض یا انسان زبردست احساس کمتری یا احساس برتری کا شکار ہو جاتا ہے۔

ایسی صورت میں ضروری ہے کہ کسی ماہر نفسیات سے رجوع کیا جائے۔ کیونکہ تحلیل نفسی کے بغیر اصل بیماری کی جڑ کا معلوم ہونا ممکن نہیں۔

✡ ✡ ✡

ش

بہن ش نے ایک طویل خط میں اپنے خیالات لکھے ہیں۔ ان کی شادی ان کی مرضی کے خلاف کر دی گئی تھی۔ شروع میں شوہر ناپسند تھا لیکن اب اس سے محبت ہو گئی ہے۔ گاؤں میں رہنا انہیں پسند نہیں ہے لیکن گاؤں میں رہنا پڑا۔ سروس کرنا چاہتی ہیں لیکن شوہر اجازت نہیں دیتا اور خود بھی کچھ نہیں کماتا۔

بہن ش لکھتی ہیں کہ ان کے اعصاب پر اتنا بوجھ ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔ انہیں اپنا ماضی آہستہ آہستہ بھولتا جا رہا ہے اور بعض اوقات دم سا گھٹتا ہے اور وہ چلانے لگتی ہیں۔

ج: بہن ش آپ نے زندگی میں جو سوچا تھا وہ نہیں ہوا لیکن ذہنی طور پر انہیں قبول نہ کر سکیں اور اب صورت حال یہ ہے کہ آپ کے ذہن میں یہ بات واضح نہیں ہے کہ آپ کیا چاہتی ہیں۔ گاؤں سے آپ کی نفرت بھی آپ کے خیالات کے سبب ہے۔ حالات جو بھی ہوں ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ جو چیزیں ہمیں ناپسند ہوں ان میں خوبیاں تلاش کریں۔ اپنی سے بات کریں کہ وہ آپ کے سسرال والوں اور شوہر سے بات کر کے سروس اور شہر میں رہائش کی اجازت دلا دیں اگر کسی طور یہ نہیں ہوتا تو حالات سے سمجھوتا کریں اور موجودہ حالات میں خوشیاں تلاش کریں۔

س۔ ر قاضیاں

آپ کی دوست کے ساتھ کیا مسئلہ ہے یقین سے کچھ اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ خط اس نے نہیں آپ نے لکھا ہے' آپ نے جو کچھ محسوس کیا' لکھ دیا۔ شادی سے پہلے وہ بہت خوش و خرم تھی اور جہاں شادی ہوئی ہے وہ وہاں شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن آپ نے ایک بات لکھی ہے کہ محبت صرف آپ کی دوست کے دل میں تھی۔ وہ لڑکا شادی پہ تیار نہ تھا۔ آپ کی دوست کی ہر آرزو اس لڑکے سے شادی پر ختم ہوتی تھی اور یا ہر جانا اس کی آخری خواہش تھی۔

ممکن ہے کہ شادی کے بعد اس کی اس انتہائی شدید محبت کا جواب سرد مہری سے دیا گیا ہو۔ جس سے اس کے جذبات کو ٹھیس پہنچی ہو' یا ممکن ہے کہ شادی کے بعد اس سے شوہر کی جدائی برداشت نہ ہو رہی ہو۔ وجہ جو بھی ہو' آپ کی دوست شدید ڈپریشن کا شکار ہے اور اسے فوری علاج کی ضرورت ہے۔ اسے کسی سائیکاٹرسٹ کو دکھائیں ورنہ حالات خطرناک سمت بھی جا سکتے ہیں کیونکہ وہ ایک بار خود کشی کی کوشش بھی کر چکی ہے۔ اسے خون کی الٹی ہوئی۔ اس کا مطلب ہے کہ اس نے دوسری بار بھی کچھ کھایا تھا۔ دیوار پر سر بھی مارنے لگتی ہے۔ اس طرح وہ خود کو نقصان پہنچا سکتی ہے فوری دواؤں سے ہی اس صورت حال کو کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔

م۔ ک۔ بسم اللہ پور

جو لوگ بظاہر بہت خوش و خرم اور نارمل نظر آتے ہیں ضروری نہیں ہے کہ وہ سچ مچ ایسے ہوں بھی۔ دراصل انسانی ذہن بہت پیچیدہ چیز ہے۔ انسان کا بچپن' اس کے ماضی کے حالات ذہن پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بظاہر سب صحیح نظر آتا ہے لیکن درحقیقت ایسا ہوتا نہیں۔ ہمارے دماغ میں بہت سے ایسے ناگوار واقعات محفوظ ہوتے ہیں جو ہمارے شعور میں نہیں ہوتے' ہمیں یاد نہیں رہتے لیکن ہمارے ذہن کے کسی گوشے میں محفوظ ہوتے ہیں' کوئی بھی حادثہ انہیں لاشعور سے شعور میں لے آتا ہے اور کمزور انسانی ذہن اس جھٹکے کو برداشت نہیں کر پاتا۔ آپ کے بہنوئی کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ بچے کی اچانک وفات کا ذمہ دار انہوں نے خود کو ٹھہرایا۔ اس سوچ نے ان کے ذہن کو معطل کر دیا اور وہ خود کشی جیسا انتہائی قدم اٹھا بیٹھے۔ اگر ان کا بروقت علاج ہو جاتا تو وہ ٹھیک ہو سکتے تھے۔ اسے خود اذیتی کہتے ہیں۔

✡

فائکہ نور۔ کراچی

س: میرے ہونٹ بہت پتلے ہیں۔ لپ اسٹک لگانے کے بعد نمایاں ہو کر زیادہ بدزیب نظر آتے ہیں۔ لپ اسٹک بھی تھوڑی دیر میں خراب ہو جاتی ہے۔ ایسی کوئی ترکیب بتائیں کہ ہونٹ خوب صورت نظر آئیں۔

ج: ایسی کوئی ترکیب نہیں ہے کہ ہونٹ موٹے نظر آئیں البتہ اگر لپ اسٹک صحیح طریقے سے لگائی جائے تو ہونٹ بھرے بھرے نظر آسکتے ہیں۔

اس کے لیے آپ کے پاس لپ اسٹک کے ساتھ ساتھ برش اور لپ پنسل ہونا بھی ضروری ہیں۔

1 سب سے پہلے ہونٹوں کے گرد گہرے رنگ کے شیڈ کی پنسل سے بیرونی خط بنائیں۔

2 پھر برش کی مدد سے لپ اسٹک سے خاکے کو بھر لیں۔

3 نچلے ہونٹ کے وسط میں ہلکے رنگ کی لپ اسٹک سے نقطہ بنادیں۔

4 ہونٹوں پر لپ اسٹک لگانے کے بعد بالائی ہونٹ کے درمیانی کٹاؤ میں سفید ہائی لائٹ برش سے لگائیں۔

5 اب روئی کی مدد سے ہونٹوں پر پاؤڈر دبا دبا کر لگائیں۔ پھر لپ اسٹک دوبارہ لگائیں۔

ہونٹوں پر روزانہ روغن بادام لگائیں۔ اس سے ہونٹ خشک نہیں ہوں گے اور ہونٹ پھٹنے سے محفوظ رہیں گے۔

عاشفہ بانو۔۔۔ اٹک

س: میرا قد پانچ فٹ 2 انچ ہے۔ وزن 50 کلو ہے۔ میں موٹی نظر نہیں آتی لیکن میرا پیٹ کافی بڑھا ہے کوئی ایسی ترکیب بتائیں [illegible] سے [illegible] میری عمر 25 سال ہے [illegible] نہیں ہوئی ہے۔

ج: ایسا لگتا ہے [illegible] چکنی چیزیں زیادہ استعمال کرتی ہیں [illegible] زیادہ استعمال کریں کھانے کے دوران [illegible] کے بعد فوراً پانی نہ پئیں بلکہ آدھے گھنٹے بعد پئیں۔

[illegible] ہے۔

روزانہ صبح بستر چھوڑنے سے پہلے پیٹ کے نیچے تکیہ رکھ کر الٹے ہو کر لیٹ جائیں۔ پندرہ منٹ تک اسی طرح رہا کریں۔ پھر سیدھی ہو جائیں چند ہفتوں میں پیٹ چھوٹا ہو جائے گا۔